# پیام تعلیم



## بچوں اور بچیوں کا باتصویر رسالہ

ایڈیٹر

محمد حسین حسان (ندوی)

قیمت سالانہ عہ

فی پرچہ ۳ر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

# پیامِ تعلیم

دہلی

جلد ۱۸ — نمبر ۱

## فہرست مضامین



ایڈیٹر۔ محمد حسین حسان (ندوی)

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے (پی ایچ ڈی)۔ جامعہ پریس

# نئے خریداران پیام تعلیم

سالانہ عہ — فی پرچہ ۴ر

| | | | |
|---|---|---|---|
| ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب پی ایچ ڈی | جھنگ | خان محمد صاحب | کوٹ کمہر |
| والدہ نسیم فاطمہ صاحبہ | منگلور | ریاض الدین پراچا | مدراس |
| ابو الفضل محمد مکرم اینڈ حسن سلیم | بہار شریف | کنور برکت اللہ خاں صاحب | بودہ پور |
| رضا اللہ خاں صاحب | رام پور اسٹیٹ | سید امداد علی صاحب | مرار |
| مشتاق احمد صاحب | بینا | محمد یوسف صاحب | بہاولپور |
| ظفر عسیم صاحب | علی گڑھ | خان بہادر حاجی شیخ وحید الدین صاحب | میرٹھ |
| کتب خانہ انجمن اسلامیہ | نظام آباد | سید عبداللہ بریلوی صاحب | بمبئی |
| ماسٹر کامل عامہ | لکھنؤ | غلام نبی صاحب | وائسرائے کیمپ انڈیا |
| چودھری نور محمد صاحب | نور پور | نیر یوسف الزماں فاروقی | دیوبند |
| نواب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی | علی گڑھ | دارالمطالعہ | مدرسہ [illegible] |
| محمد جمیل الرحمٰن صاحب | بدایوں | محمد احمد خاں صاحب | دہلی |
| شمیمہ بیگم صاحبہ | چک بالا پور | سید حفیظ الدین سلیمان صاحب | لکھنؤ |
| شیخ عبدالشکور | پشاور | ڈی ایم ملک اینڈ کو | نئی دہلی |
| محمد خطیب و محمد حنیف | حیدرآباد | مہتا لائبریری | اعظم گڑھ |
| محمد الیاس خاں صاحب | گڑھی | مختار احمد صاحب | کنڈوا |
| محمد بشیر اعظمی | سیالکوٹ | محمد یعقوب صاحب | Yamethin |
| محمد عشرت علی | گڑھی | عزیز الحسن خاں و ریاض الحسن خاں | بھوپال |
| بزم نشاط خالصہ مڈل اسکول | مردان | مدرسہ وسطانیہ | گرمٹکال |
| شیخ محمد انور صاحب | ہوشیار پور | محمد ظہیر الدین صاحب | پھلواری شریف |
| محمد مولا بخش | حیدرآباد | محمد محمود حسین خاں | جالنہ |
| گورنمنٹ روڈ نارمل اسکول | امراؤتی | مس سلطان گنج | پالن پور |
| ایم اے ایچ گلی ملا داؤد | جام نگر | ایم محمد علی صاحب | دھاراوی |

## بیرون ہند

| | | | |
|---|---|---|---|
| ایم۔ عبداللہ | ہانگ کانگ | مرزا محمد عثمان خاں | قندھار |
| عبدالصمد برق | کرکوک | ایم۔ آئی گارڈی | ٹرانسوال |

ایم۔ اے علوی Taldora T.

# بچوں سے باتیں

نیا سال نئی نئی خوشیاں اور نئی نئی امنگیں لے کر آگیا۔ اور تمھاری اور تمھارے پیام تعلیم کی عمر میں ایک سال کا اور اضافہ ہوگیا۔ اس خوشی کے موقع پر ہم تمھیں دلی مبارک دیتے ہیں خدا سے دعا ہے کہ جس طرح پچھلا سال تم نے ہنسی خوشی گذارا ہے اسی طرح ۱۹۳۵ء بھی تمھارے لئے اپنے ساتھ بہت سی خوشیاں لائے تمھیں ہر اچھے کام اور ہر نیک مقصد میں کامیابی، اور اپنی زندگی اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مفید اور خوش گوار بنانے کی توفیق ہو آمین۔

اس سے بھی زیادہ خوشی کی تقریب عید کی ہے اس موقع پر بھی ہم تمھاری خدمت میں مبارکباد کا تحفہ پیش کرتے ہیں خدا کرے ایسی بہت سی عیدیں تمھیں نصیب ہوں۔ ہمیں امید ہے کہ ان مسرتوں میں تم اپنے پرچے کو نہ بھولوگے۔

پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر میں رنگ بھرنے کی جس تصویر پر انعام کا اعلان کیا گیا تھا خوشی کی بات ہے کہ بہت سے بچوں نے بڑی محنت اور شوق سے اس تصویر میں رنگ بھر کے بھیجے ہیں مگر ان سب تصویروں میں عبدالستار عباسی کی بھیجی ہوئی تصویر سب سے اچھی ہے یہ فیصلہ جناب ماسٹر اختر حسین صاحب قدوائی آرٹسٹ نے سب تصویروں کو دیکھ کر کیا ہے ہم عبدالستار عباسی صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں انعام کی کتابیں ان کے پاس جلد بھیج دی جائیں گی۔

اس نمبر سے ہم کئی اچھے اچھے مضمونوں کا سلسلہ قائم کر رہے ہیں۔ پہلا مضمون دلی کی عمارتوں کے بارے میں ہے۔ دلی ایک تاریخی شہر ہے اور اس میں ایسی بے نظیر اور تاریخی عمارتیں ہیں کہ لوگ ہزاروں میل سے انھیں ایک نظر دیکھنے کی خاطر یہاں آتے ہیں۔ تم میں سے بہت سے بچوں نے ان عمارتوں کو بھلا کہاں دیکھا ہوگا یہ مضمون

ہم نے اسی لئے خاص طور سے لکھو لئے ہیں کہ دلی کی اور دلی کی تاریخی عمارتوں کی گھر بیٹھے سیر کرلو۔ اور اگر دلی آنا چاہو تو یہ بات معلوم رہے کہ کون سی عمارتیں دیکھنے کے قابل ہیں کون سی نہیں۔ اب کی دفعہ صرف دلی کے آٹھ شہروں کا ذکر ہے اگلے ہفتہ سے ایک ایک عمارت کا حال مع تصویر کے شائع ہوگا۔ انشاء اللہ

دوسرا نہایت اہم مضمون انوکھے عدد کے عنوان سے ہے۔ یہ مضمون ہندوستان کے بہت بڑے ماہر تعلیم سے لکھایا گیا ہے۔ اس مضمون کے بارے میں کچھ کہنا بے کار ہے۔ مضمون نگار صاحب نے آئندہ بھی لکھنے کا وعدہ کیا ہے لیکن شرط یہ لگائی ہے کہ بچے اُن کے مضمونوں کے بارے میں خط کتابت کرتے رہیں۔

تیسرا مضمون ٹکٹ جمع کرنے کے بارے میں ہے۔ یہ مضمون جناب شمیم جامعی صاحب نے بڑی محنت سے لکھا ہے۔ انھیں خود بھی ٹکٹ جمع کرنے سے دلچسپی ہے اور مختلف ملکوں کے نئے اور پرانے ٹکٹوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ انھوں نے جمع کر لیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ پیام تعلیم کے پڑھنے والوں میں بھی اس قسم کا شوق پیدا ہو۔

یہ نہ تو ضروری ہے اور نہ ممکن کہ ہر ایک کو ٹکٹ ہی جمع کرنے سے دلچسپی ہو۔ ہر شخص کی طبیعت الگ ہے کوئی کسی چیز کو پسند کرتا ہے کوئی کسی چیز کو۔ اس لئے تم میں سے جس کسی کو جس چیز کا شوق ہو وہ اُسی کی طرف توجہ کرے۔

ٹکٹ جمع کرنے یا دوسرے مشغلوں کے بارے میں (جن کا ذکر شمیم صاحب نے اپنے مضمون میں کیا ہے) کوئی بات پوچھنی کی ہو تو بے تکلف ہمیں لکھو ہم بڑی خوشی سے تمھاری مدد کریں گے اور تم میں سے اگر کسی کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو تو اپنا پتہ لکھو تا کہ دوسرے ضرورت مند بھائیوں کی تم سے خط کتابت کرادیں۔

# خدا کا شکر

از محوی صدیقی، لکھنوی (مدراس یونیورسٹی)

ترا شکر یا رب ہو کیوں کر ادا
یہ سب کچھ کیا تو نے ہم کو عطا

ہمیں تو نے دنیا میں پیدا کیا
لڑکپن دیا، چلبلا پن دیا

دیا تو نے مضبوط ہم کو بدن
وہ صحت کہ رہتے ہیں خوش اور مگن

عطا بھولی بھالی یہ صورت بھی کی
یہ شوخی بھی دی اور شرارت بھی دی

کیا تو نے چھوٹے سے ہم کو بڑا
بچایا ہر اک دکھ سے اور سکھ دیا

جہاں چاہیں جائیں دیے ایسے پانو
بچیں دھوپ سے اس لیے دی ہر چھانو

دیے ہاتھ جن سے کریں نیک کام
کریں نیک کام اور ہوں نیک نام

دیے اور اعضا بھی کیسے سڈول
یہ باہیں، تو یہ پنڈلیاں گول گول

یہ آنکھیں کہ دیکھیں ہر ایک چیز کو
کہیں آنے جانے میں مشکل نہ ہو

دیا ہم کو دل اور اچھا دماغ
بدن گھر ہے یہ دونوں اس کے چراغ

سمجھ دی کہ پہچانیں اچھا برا
سمجھ ہی سے انسان انساں ہوا

نہ ہوتی اگر عقل انسان میں
نہ تھا فرق انسان حیوان میں

تجھی نے غرض یہ کہ سب کچھ دیا
یہ سچ ہے کہ ہے تو ہی سب کا خدا

# دہلی کے آٹھ شہر

(از محمود علی خاں صاحب جامعی)

آج ہم ایک بہت ہی مزے دار مضمون کا سلسلہ شروع کرتے ہیں جس سے تمھیں بہت سی تاریخی باتیں معلوم ہوں گی۔ اور گھر بیٹھے دہلی کی سیر بھی ہو جائے گی۔

تاریخ کسے کہتے ہیں؟ ایک تو مہینے میں جو تیس دن ہوتے ہیں انھیں تاریخ کہتے ہیں دوسرے ان باتوں کو بھی تاریخ کہتے ہیں کہ کسی ملک میں پہلے زمانے میں کون کون سے بادشاہ گذرے ہیں اور انھوں نے کیا کیا کام کئے۔ اس مضمون میں ہم ایسی ہی تاریخی باتیں تمھیں بتائیں گے اور دہلی کی سیر بھی کرائیں گے۔

ہمارے ملک ہندوستان کے بہت سے بادشاہ دہلی ہی میں رہا کرتے تھے۔ یہاں انھوں نے اپنے رہنے کے لئے اچھے اچھے محل، قلعے، مندر اور مسجدیں بنوائی تھیں سینکڑوں برس گذرنے کے بعد بھی ان میں سے اکثر عمارتیں آج بھی ویسی کی ویسی موجود ہیں اور دور دور سے لوگ انھیں دیکھنے آتے ہیں۔ تمھیں بھی اُن کے دیکھنے یا کم سے کم اُن کے حالات سننے کا شوق ہوگا۔ اس لئے ہم نے طے کیا تھا کہ ہر مہینہ دہلی کی ایک مشہور عمارت اور اس کے بنانے والے کا حال لکھا کریں۔ یقین ہے کہ تم اسے بڑی دل چسپی اور شوق سے پڑھو گے

لیکن آج ہم کسی عمارت کے بارے میں کچھ نہیں لکھیں گے بلکہ دہلی کے آٹھ شہروں کا حال لکھیں گے جن میں یہ سب عمارتیں واقع ہیں۔ تم کہو گے آٹھ شہر کیسے؟ ہم نے تو ایک دہلی شہر کا ہی نام سنا ہے تمھارا یہ کہنا ٹھیک ہے لیکن بات یہ ہے کہ دہلی کا شہر بہت ہی پرانا شہر ہے کتنے ہی دفعہ اجڑا پھر بسا برباد ہوا پھر آباد ہوا۔ جس بادشاہ نے جس جگہ اپنا محل اور قلعہ وغیرہ بنایا وہیں ایک دہلی بس گئی۔ اس طرح

بیسوں شہر بسے اور اُجڑ گئے ان میں سب سے زیادہ مشہور
شہر آٹھ ہیں اور ان ہی کا تھوڑا تھوڑا حال آگے ہم
لکھتے ہیں۔

**اندر پرست** | یہ دہلی کا سب سے پرانا شہر ہے
(کتاب میں نہیں) اس ~~مضمون کے ساتھ~~ ایک نقشہ بھی ہے اس میں
دیکھو۔ ہماری آج کل کی دہلی سے قطب مینار کو جو سڑک
جاتی ہے قریب قریب اس کے آدھے راستے پر یہ
شہر آباد تھا۔ اب سے کوئی تین، ساڑھے تین ہزار
برس پہلے ہندوؤں میں ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی
تھی اسے "مہا بھارت" کہتے ہیں یہ شہر اسی زمانے
کی یادگار ہے۔ اب یہاں کھنڈروں کے سوا اور کچھ
باقی نہیں رہا

**پرانی دلّی** | ٹھیک جہاں قطب مینار ہے، یہیں
پرانی دلّی تھی، کہتے ہیں کہ کوئی راجہ دِلّو گذرے ہیں
انھوں نے اسے آباد کیا تھا، اس کے بعد ہندوستان
کے مشہور راجہ بکرماجیت نے اسے فتح کیا۔ پھر
آٹھ سو برس تک دلی گمنامی میں پڑی رہی اور کسی کو
اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہے اس کے بعد راجپوتوں
نے اسے فتح کیا ان میں سب سے مشہور راجہ

پرتھی راج گذرا ہے۔ رائے پتھورا بھی اسی کو کہتے
ہیں۔ پرتھی راج سے مسلمانوں نے دلّی فتح کی شروع
زمانے کے جتنے مسلمان بادشاہ گذرے ہیں سب
یہیں رہتے تھے۔ ان میں سب سے مشہور
قطب الدین ایبک اور سلطان التمش ہوئے ہیں
سلطان التمش نے ہی قطب مینار بنوایا۔ یہاں پر
اب ایک تھوڑی سی آبادی رہ گئی ہے۔ اور شہر
ویران ہو گیا۔

**سیری** | قطب مینار سے ذرا اسی طرف سیری
شہر ہے۔ اسے علاء الدین خلجی بادشاہ نے آباد کیا تھا
لیکن اس بادشاہ کے بعد یہ شہر بالکل برباد ہو گیا۔

**تغلق آباد** | اوکھلے کا نام تو شاید آپ نے سنا
(کی ہی عمارت یہیں بن رہی ہے)
ہو۔ ہماری جامعہ ~~نے یہیں زمین خریدی ہے اور~~
~~انشاء اللہ فوری سے یہاں عمارت بنانا شروع ہو جائے~~
گی ~~یہاں~~ تو اسی اوکھلے سے تھوڑا آگے بڑھ کر تغلق آباد
شہر تھا۔ اسے غیاث الدین تغلق بادشاہ نے بسایا
تھا یہ شہر بھی برباد ہو گیا۔ لیکن اس کے کھنڈر موجود
ہیں۔

**فیروز آباد** | یہ شہر قریب قریب اسی جگہ آباد تھا جہاں

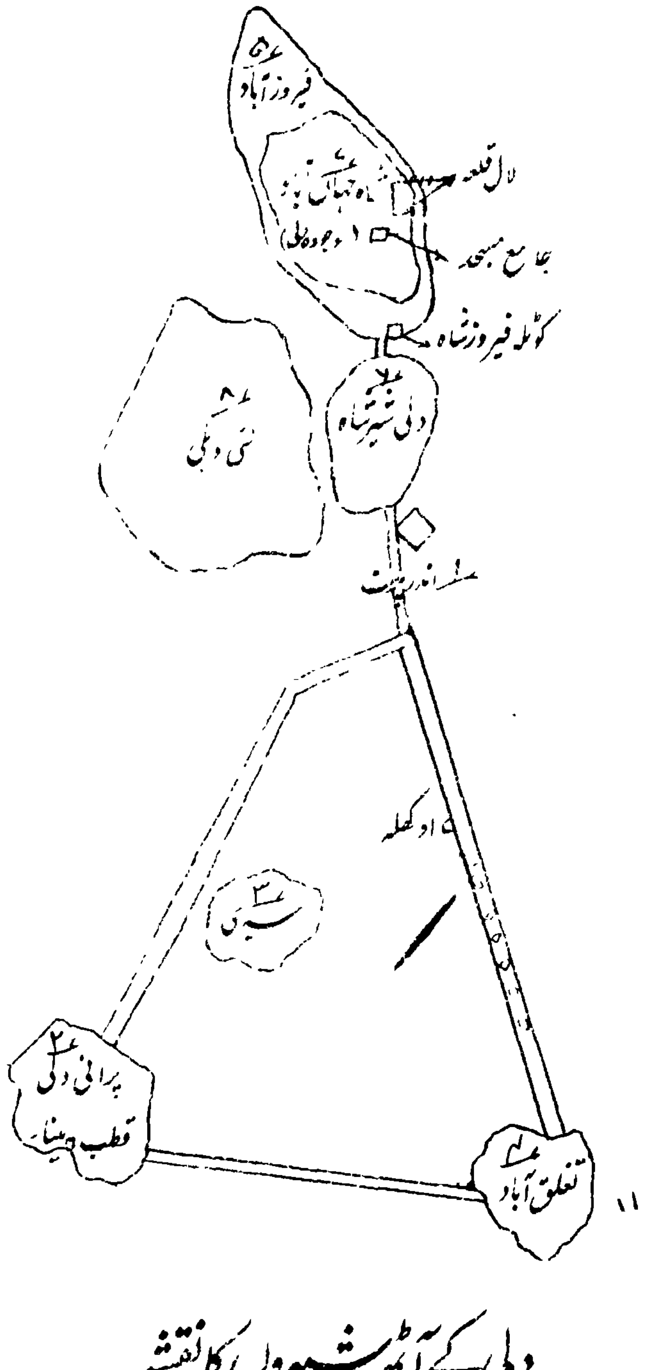
آج کل ہماری دہلی ہے۔ اسے فیروز تغلق بادشاہ نے آباد کیا تھا اور ایک شہر بھی بنوایا تھا جو فیروز شاہ کے کوٹلہ کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ لیکن اصل شہر تباہ ہو چکا ہے۔

**دلی شیر شاہ** | سب سے پرانے شہر اندرپرست اور ہماری آج کل کی دہلی کے درمیان یہ شہر آباد ہوا تھا۔ اسے شیر شاہ نے بسایا تھا۔ اب یہ بھی بالکل برباد ہو گیا ہے۔

**شاہ جہاں آباد** | یہ ہماری آج کل کی دہلی ہے ~~جہاں سے ہمارا رسالہ پیام تعلیم نکلتا ہے~~۔ اسے مغلوں کے مشہور بادشاہ شاہ جہاں نے بسایا تھا اور یہ خدا کے فضل سے اب تک آباد ہے۔ یہی وہ شہر ہے جو ساری دنیا میں مشہور ہے۔ لال قلعہ اور جامع مسجد بھی اسی دہلی میں ہیں۔ ان کا حال ہم آگے چل کر لکھیں گے۔

**نئی دہلی** | یہ سب تو دہلی کے سات مشہور شہر ہو گئے مگر اب یہاں ایک آٹھواں شہر بھی آباد ہو رہا ہے یہ نئی دہلی کے نام سے مشہور ہے۔ اسے انگریزوں نے آباد کیا ہے۔ لیکن یہاں وائسرائے اور اُن کے سب دفتر صرف چھ مہینے رہتے ہیں اور گرمیوں میں شملہ چلے جاتے ہیں اس لئے جب وائسرائے یہاں ہوتے ہیں تو خوب چہل پہل رہتی ہے اور گرمیوں میں بالکل سنسان ہو جاتا ہے۔

~~دہلی کے آٹھ شہروں کا حال تو تم کو معلوم ہو گیا اب اگلے مہینے میں ہم دہلی کی سب سے مشہور عمارت جامع مسجد کا حال بیان کریں گے~~




دلی کے آٹھ شہروں کا نقشہ

# سلیولائڈ کی چڑیا

(ابو محمد امام الدین صاحب مدیر ترجمان (بنارس))

حمید اور مجید دونوں بھائی اسکول میں پڑھتے تھے۔ آج اتوار کی چھٹی تھی، خالد کا دفتر بھی بند تھا۔ وہ دونوں بیٹوں کو بٹھا کر مزے مزے کی باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں پڑوس کا ایک لڑکا خلیل سلیولائڈ کی چڑیا سے کھیلتا ہوا آیا۔ چڑیا سے چوں چوں کی آواز نکل رہی تھی، حمید جھٹ مڑ کر اُدھر دیکھنے لگا اور خلیل سے بولا بھیا خلیل ذرا ہمیں بھی دکھاؤ۔ اور پھر صبر نہیں آیا تو جھپٹ کر خلیل کے پاس پہنچ گیا

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

خلیل اسی طرح چڑیا کو چوں، چوں بجائے جا رہا تھا حمید سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے چڑیا لے لی۔ اور چوں چوں بجاتا باپ کے پاس آ کر بولا۔ ابا ہمیں بھی ایسی چڑیا لا دیجئے" اور پھر لگا اسی طرح چوں، چوں بجانے،

خلیل نے ہاتھ بڑھا کر کہا، لاؤ حمید! میری چڑیا!

حمید نے خلیل کا ہاتھ جھٹک دیا" ٹھہرو، دیتے ہیں نا! کچھ کھائے جاتے ہیں تمھاری چڑیا؟ مجید بھی بڑے غور کے ساتھ چڑیا کی طرف دیکھ رہا تھا، اس نے کہا گھبراتے کیوں ہو خلیل! تمھاری چڑیا ابھی مل جاتی ہے۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں حمید!

یہ کہہ کر مجید نے حمید سے چڑیا لے لی اور اپنے باپ کے سامنے کر کے کہا، ابا یہ چڑیا بنی کس چیز سے ہے؟

**خالد** ۔ سلیولائڈ سے

**مجید** ۔ سلیولائڈ کہاں پیدا ہوتا ہے؟ اور کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟

**خالد** ۔ یہ پیدا نہیں ہوتا بیٹے! اسے بناتے ہیں۔

**مجید** ۔ کس چیز سے بناتے ہیں؟

**خالد** ۔ روئی سے

**مجید** ۔ تعجب ہے ۔ روئی سے ایسی چکنی اور چمکدار چیز تیار کر لیتے ہیں ۔ تو یہ شیشے کی طرح چمکنے والی چیز اصل میں روئی کی ہے ۔

**خالد** ۔ ہاں انسان خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لے تو کیا نہیں کر سکتا ؟ جس چیز سے ہمارے کپڑے بنتے ہیں اسی چیز سے اس قسم کے کھلونے کنگھیاں ، ہارمونیم کے پردے اور دوسری سینکڑوں چیزیں تیار ہوتی ہیں ۔

**مجید** ۔ روئی سے سلیولائڈ کیسے بناتے ہیں ؟

**خالد** ۔ پہلے عمدہ روئی لے کر اسے خوب صاف کرتے ہیں اس کے بعد کاسٹک سوڈے میں ڈال کر یہ روئی پھر صاف کی جاتی ہے ۔ اس طرح روئی کا سارا میل کچیل دور ہو جاتا ہے ۔ پھر اُسے نائیٹرک اور سلفیورک ایسڈ کے پانی میں ڈال دیتے ہیں ۔ اس میں ڈالنے سے روئی گل کر لئی کی طرح ہو جاتی ہے ۔ اس لئی کو سیلولائڈ نائیٹرک کہتے ہیں ۔

**مجید** ۔ پھر کیا کرتے ہیں ؟

**خالد** ۔ پھر اسے ایک مشین میں ڈال کر خوب گھوٹتے ہیں ۔ اچھی طرح گھٹ جانے کے بعد اسے مشین سے نکال کر پانی میں ڈال دیتے ہیں ۔

**مجید** ۔ تو وہ پانی میں مل کر بالکل پتلی ہو جاتی ہو گی ؟

**خالد** ۔ نہیں وہ اتنی چکنی ہو جاتی ہے کہ اس میں پانی نہیں سماتا ۔

**مجید** ۔ اچھا پھر کیا کرنا پڑتا ہے ؟

**خالد** اس کے بعد اس لئی کو ایک طرح کے الکحل میں ڈال دیتے ہیں اس میں ڈالنے سے وہ لئی اتنی پتلی اور چمکدار ہو جاتی ہے کہ اس میں منہ دکھائی دینے لگتا ہے ۔ پھر اسے فلٹر پیپر سے چھانتے ہیں ۔ اب جو چیز تیار ہوتی ہے اسے "ڈوپ" کہتے ہیں

**مجید** ۔ تو اسی ڈوپ سے سب چیزیں بنتی ہیں ؟

**خالد** ۔ نہیں اس کے بعد ایک مشین کے ذریعے اس کی ہوا نکالی جاتی ہے ۔ پھر مشین ہی کے ذریعے اس کی دو ہزار فٹ لمبی اور ساڑھے تین فٹ چوڑی چادر بنائی جاتی ہے جو شیشے کی طرح چمک دار ہوتی ہے ۔ اور اس میں دیکھنے سے آر پار دکھائی دیتا ہے ۔ اب یہ چیز تیار ہو جاتی

ہے ۔ اسی قسم کی چادروں سے کنگھیاں
بٹن، گڑیاں، کھلونے، چشمے کی کمانی
وغیرہ کے سانچے تیار ہوتے ہیں ۔ ان میں
یہ چیزیں ڈھلتی ہیں۔ سنیما کی تصویریں بھی
سیلو لائڈ ہی کی پٹیوں پر اتاری جاتی ہیں ۔
ہندوستان میں صرف بارہ لاکھ روپے
کی پٹیاں ولایت سے آتی ہیں ۔

**مجید** ۔ یہاں تو بہت روئی پیدا ہوتی ہے ۔
لوگ یہیں کیوں نہیں سب چیزیں بنا لیتے
ہیں ۔ جو اتنا روپیہ باہر چلا جاتا ہے ۔ اسی
طرح سیلولائڈ کی دوسری چیزوں پر بھی تو
کتنا روپیہ باہر جاتا ہوگا

**خالد** ۔ یہ ہمارے ملک کی بدنصیبی ہے ۔ بیٹا یہاں
ایسی تعلیم ہوتی ہے کہ پڑھ کر نوکری چاکری اور
غلامی کے سوا انسان کسی مصرف کا نہیں
رہتا ۔

# سچی بات




استاد (بہت ہی غصہ سے) اے شیطان
یہ تونے ہی بلیک بورڈ پر لکھا ہے ۔ کہ
ماسٹر صاحب گدھے ہیں ۔

لڑکا ۔ جی ہاں ۔ ماسٹر صاحب !

استاد ۔ خیر میں خوش ہوں کہ تم نے سچی بات
کہہ دی ۔ مگر خبردار ۔ پھر کبھی ایسی حرکت
نہ کرنا ۔

# ٹکٹ جمع کرنا

(از جناب شمیم صاحب جامعی)

ہر وقت کھیلنا یا ہر وقت پڑھتے رہنا تمھارے لئے کیا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں۔ دیر تک پڑھنے سے دماغ تھک جاتا ہے اور ہر وقت کھیلنے سے ہاتھ پیر اور سارا بدن چور چور ہو جاتا ہے طبیعت بھی اکتا جاتی ہے۔ بھائی میرا تو یہی تجربہ ہے اور میرا خیال ہے۔ کہ تمھارا بھی یہی حال ہوتا ہوگا۔ ہر ایک کا دل یہی چاہتا ہے کہ ہر گھڑی ایک ہی مشغلے کو جاری نہ رکھے۔ کچھ دیر پڑھے۔ تھوڑی دیر کھیلے اور تھوڑی دیر گپیں کرے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا اور کھیلنے کا وقت نہیں ہوتا۔ مثلاً شام کو پانی برس رہا ہے۔ یا اسکول میں تین بجے چھٹی ہو گئی ہے اور دھوپ بہت تیز ہے۔ کوئی ساتھی بھی نہیں کہ اس کے ساتھ کیرم بورڈ یا دوسرے گھریلو کھیل کھیلیں۔ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہئے۔ دماغ کو بے کار تو نہیں رہنے دینا چاہئے کیوں کہ ایک مثل ہے کہ بے کار دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے" ایسے میں یا تو گندے گندے خیال آتے ہیں یا پھر شرارت سوجھتی ہے اور تم جانو یہ دونوں چیزیں بری ہیں۔ اس وقت تمھارے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر کیا کیا جائے۔ اسی سوال کا جواب دینے کے لئے میں یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں

میرے خیال میں تو یہ بات آتی ہے کہ ان خالی وقتوں میں دل چسپ اور تفریحی مشغلوں سے دل بہلانا چاہئے۔ دنیا میں سینکڑوں قسم کے تفریحی مشغلے ہیں بعض میں دام بہت خرچ ہوتے ہیں۔ بعض میں وقت اور دام دونوں۔ بعض ایسے بھی ہیں جس میں پیسے تو خرچ نہیں ہوتے اور ہوتے بھی ہیں تو بہت کم البتہ دل چسپی خوب رہتی ہے۔ میں چند تفریحی مشغلوں کا ذکر تمھارے سامنے کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض کا نام سن کر تم ضرور ہنس دوگے اور دل میں کہوگے۔ کہ

واہ کیا دل چسپ مشغلے بتاتے ہیں۔ جو لوگ ایسے کاموں میں مشغول رہتے ہوں گے وہ ضرور دیوانے اور پاگل ہوں گے۔ مگر بھائی ایسا ہے نہیں۔ یقین جانو ان میں سے کوئی مشغلہ بھی پاگلوں کا نہیں اس سے جو خوشی، اطمینان اور دل بہلاؤ ہوتا ہے۔ اُس کا اندازہ تم اسی وقت کر سکتے ہو جب تم اپنے لئے کسی ایک مشغلے کو منتخب کر لو

اچھا اب ہم تمھیں ان دل چسپ مشغلوں کے نام بتاتے ہیں۔

۱۔ تصویریں بنانا (ڈرائنگ)
۲۔ تصویریں جمع کرنا۔
۳۔ فوٹوگرافی یعنی تصویر کھینچنے کے کیمرے سے تصویریں لینا۔
۴۔ مختلف ملکوں کے پیسے جمع کرنا۔
۵ پرندے یا جانور پالنا۔
۶۔ مختلف پرندوں کے انڈے جمع کرنا
۷ ڈاک خانے کے ٹکٹ جمع کرنا۔
۸۔ دیا سلائیوں کے لیبل جمع کرنا۔

ان میں سب سے دل چسپ ٹکٹ جمع کرنے کا شغل معلوم ہوتا ہے۔ اس میں پیسے بہت کم خرچ ہوتے ہیں۔ وقت بھی کم لگتا ہے۔ اور تفریح بہت ہوتی ہے۔ لیکن یہ ٹکٹ کیوں کر جمع کئے جائیں اس کے بارے میں یہاں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔

یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں کوئی چھوٹی موٹی جگہ تو ہے نہیں اس میں تو بھئی ہمارے ہندوستان جیسے کتنے ہی بڑے بڑے ملک آباد ہیں۔ ذرا نقشہ اٹھا کر دیکھو تو تمھیں پتہ چلے گا۔ یہ بھی تمھیں معلوم ہوگا کہ ڈاک خانے جیسے ہمارے ملک میں قائم ہیں۔ دوسرے ملکوں میں بھی اُن کا انتظام ہے۔ ایسا نہ ہو تو دنیا کا کام کیسے چلے۔ اور تمھارا پیام تعلیم دوسرے ملکوں میں کیسے جائے۔ ان تمام ملکوں میں ہر ایک اپنا ٹکٹ چلاتا ہے۔ پھر ایک ہی ملک میں مختلف قیمتوں اور مختلف صورتوں کے ٹکٹ ہوتے ہیں۔ جب کوئی بادشاہ بدلتا ہے، یا کوئی نیا واقعہ پیش آتا ہے تو ٹکٹ بدل جاتے ہیں دور کیوں جاؤ۔ خود اپنے ہندوستان ہی میں دیکھ لو۔ کتنے قسم کے ٹکٹ ہوتے ہیں۔ ایک پیسے کا دو پیسے کا، ایک آنے کا، دو آنے کا۔ غرض کہ

بڑی دوڑنگ سلسلہ چلتا ہے ۔ یہ سارے کے سارے ٹکٹ شکل وصورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ پھر ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں جو ٹکٹ تھا شاہ اڈورڈ کے زمانے میں اس کی صورت بالکل بدل گئی اور اب شاہ جارج پنجم کے زمانے میں بالکل نئے قسم کے ٹکٹ چل رہے ہیں ۔ ابھی کوئی چار برس ہوئے ۱۹۳۱ء میں جب نئی دہلی کا افتتاح ہوا ہے تو بالکل نئے قسم کا ٹکٹ نکلا تھا ، اس پر نئی دہلی کی عمارتوں کی تصویریں بھی تھیں ۔ پھر ہندوستان میں ریاستیں بھی ہیں ۔ بعض ریاستوں میں اپنے ٹکٹ چلتے ہیں ۔ جیسے :۔

حیدرآباد ۔ ٹراونکور اور کوچین کی ریاستیں ۔

بعض ہندوستان کے معمولی ٹکٹوں پر اپنی ریاست کا نام لکھ دیتی ہیں ۔ مثلاً پٹیالہ ، جیند ، گوالیار وغیرہ ۔ اسی طرح تم حساب کرو تو سینکڑوں قسم کے ٹکٹ تو ہندوستان ہی میں نکل آئیں گے ۔

اگر تمھیں یہ شغلہ پسند ہے ۔ اور تم ٹکٹ جمع کرنا چاہتے ہو تو ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا ان سے تمھیں بہت مدد ملے گی ۔

۱ ۔ **صرف استعمال کئے ہوئے ٹکٹ** استعمال کرو ۔ یعنی جن پر ڈاک خانے کی مہر لگ چکی ہو ۔ اور اب وہ بے کار ہوں ۔ ڈاک خانے سے نئے ٹکٹ خریدنا تمھارے لئے فضول خرچی ہے ۔

۲ ۔ ٹکٹ صحیح اور سالم ہو ۔ یعنی کہیں سے پھٹ نہ گئے ہوں ۔ نہ خراب ہو گئے ہوں ۔ اُن کا رنگ بھی درست ہو ۔

۳ ۔ صاف ستھرے ہوں ۔ یعنی مہر بہت زیادہ نہ لگی ہو ۔ ٹکٹ کی قیمت ، تصویر اور اس پر جو لکھا ہو آسانی سے پڑھا جا سکے ۔ اگر اس کی پشت پر کاغذ لگا ہو تو اس کے دور کرنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایک تشتری یا پیالے میں پانی بھر کر اس ٹکٹ کو کاغذ سمیت ڈال دو ۔ تھوڑی دیر میں کاغذ آسانی کے ساتھ ٹکٹ سے علیحدہ ہو جائے گا اب اس ٹکٹ کو جاذب کے درمیان دبا دو ۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے ہوا میں خشک ہونے دو ۔ (دھوپ میں نہ رکھنا) ٹکٹ بالکل صاف ستھرا ہو جائے گا

۴ ۔ اب ان ٹکٹوں کو سلیقہ سے رکھنا چاہئے اس کے لئے ایک کتاب ملتی ہے ۔ جس پر مختلف ملکوں

کے نام لکھے ہوتے ہیں ۔ اور اُن ٹکٹوں کے رکھنے کے لئے خلنے بنے ہوتے ہیں اس کتاب کو "اسٹامپ البم" ٹکٹوں کا مرقع کہتے ہیں ۔ لیکن تمھیں ابھی اس کتاب کے خریدنے کی ضرورت نہیں ۔ تم ایک اچھی کاپی خرید لو ۔ اور اس میں ٹکٹوں کے برابر خانے بنا لو ۔ اور اسی میں یہ ٹکٹ چپکا لو ۔ چپکانے کی بھی خاص ترکیب ہوتی ہے تم ایک پتلا کاغذ لو ۔ اس پر اچھی طرح گوند لگا دو ، اس کے بعد دھوپ میں خشک کر لو ۔ اور قینچی سے ایسے ٹکڑے ▭ کاٹ لو اس کاغذ کا ½ حصہ اس طرح موڑ لو کہ گوند لگا ہوا رُخ اوپر رہے ۔ اسے پانی سے بھگو کر ٹکٹ کے پشت کے سرے پر چپکا دو ۔ اب ٹکڑے کے نیچے کا ½ حصہ پانی سے بھگو لو ۔ اور سلیقے سے کاپی کے ایک خانے پر چپکا دو ۔ اس طرح تمھارا ٹکٹ خراب نہیں ہوگا ۔ اور تم جب چاہو آسانی سے ٹکٹ کو کاپی سے علیحدہ کر سکتے ہو ۔

۵ ۔ کاپی کے ایک صفحے پر صرف ایک ہی ملک کے ملک کے ٹکٹ جمع کرنا چاہئیں ۔

۶ ۔ اگر ایک قسم کے کئی ٹکٹ تمھارے پاس ہوں تو اُن میں سے صرف ایک کاپی پر چپکاؤ ، باقی ٹکٹ علیحدہ کسی لفافے وغیرہ میں رکھو ۔

۷ ۔ ٹکٹ جمع کرنے میں ملک اور قیمت کا خیال نہ رکھو ۔ بلکہ رنگ ، تصویر اور جو کچھ ٹکٹ پر لکھا ہوا ہے ۔ اس کا بھی لحاظ رکھو ۔ اگر ایک ملک اور ایک ہی قیمت کا ٹکٹ تین رنگ کا ہو تو تینوں ٹکٹ کاپی میں رکھو ۔

۸ ۔ ٹکٹ بیچے اور خریدے بھی جاتے ہیں پرانے یا غلط چھپے ہوئے ٹکٹ کی قیمت ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے اسے اچھی طرح محفوظ رکھو ۔

۹ ۔ ابھی نئے جمع کرنے والوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ ہندوستان کے ٹکٹوں سے شروع کریں ۔ لیکن دوسرے ملکوں کے ٹکٹ ہاتھ آجائیں تو انھیں بھی رکھتے جائیں ۔

اللہ نے چاہا تو اگلے مہینے میں ہم تمھیں بہت سی باتیں بتائیں گے ۔ لیکن اگر تمھیں جلدی ہو اور تم اس کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو اپنے ایڈیٹر صاحب کو خط لکھو ۔ لیکن جواب کے لئے ٹکٹ ضرور بھیجنا ۔

# ایران کی دو عجیب و غریب عمارتیں

(از سید احتشام علی نقوی حشمت بدایونی ۔ مدرسہ بیرم خاں دہلی)

## تختِ جمشید

ایران کے مشہور شہر شیراز سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر ایک بہت ہی پرانی عمارت ہے ۔ اس کا نام تخت جمشید ہے یہ زردشتیوں کی یادگار ہے ۔ پہلے یہ سرخ پتھر کا ایک پہاڑ تھا مشہور ایرانی بادشاہ جمشید نے اس پہاڑ کو کٹوا کر اس پر تخت جمشید کی خوش نما اور قابل دید عمارت بنوائی پہاڑ کے اوپر چار بڑے بڑے ستون ہیں ۔ ان ستونوں کے اندر اس طرح کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں ۔ جیسی دہلی میں قطب مینار کے اندر ۔ ان سیڑھیوں پر لوگ چڑھتے ہیں ۔ اور سیر کرتے ہیں ۔ ستونوں کے اوپر مورتیں بنی ہوئی ہیں ۔ مثلاً جنگلی جانور ، اور پرانے زمانے کے سپاہی وغیرہ ان مورتوں میں کبھی ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے ۔ ان چار ستونوں کے اوپر ایک نہایت خوش نما سنگ سرخ کا تخت بنا ہوا ہے اور اس تخت کے چاروں کونوں کے اوپر پھر چار ویسے ہی بڑے بڑے ستون ہیں ۔ اس پہاڑ پر چڑھنے کے لئے اس طرح سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں کہ لوگ آسانی سے اوپر تک پہنچ کر خوب اچھی طرح سیر کر سکتے ہیں ۔ بادشاہ جمشید جم نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ ستون ہمیشہ قائم رہیں گے ۔ اور انھیں کوئی نہ توڑ سکے گا ۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں ان ستونوں کو توڑنے کی تجویز کی گئی اور جب یہ ٹوٹ نہ سکے تو یہ خبر مشہور ہوگئی کہ جمشید نے ان ستونوں کے چاروں طرف پگھلا ہوا فولاد ڈلوا دیا ہے ۔ اس لئے یہ اتنے مضبوط ہیں ۔ لیکن تخت تو توڑ ڈالا گیا ۔ اور مورتوں میں سے ہیرے جواہرات نکال لئے گئے ۔ اب صرف چار ستون باقی ہیں اس کی ایک خوبی اور ہے ۔ وہ یہ کہ اس تخت کے درمیان ایک غار ہے ۔ اس

کو غارِ چرخی کہتے ہیں۔ اس میں ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہاں سے دن رات خوب زور زور کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس غار میں کوئی نہیں جا سکتا۔ یہ غار تقریباً ساٹھ میل لمبا ہے۔ اس میں ایک چرخ ہے اس چرخ پر جمشید نے ایک کتاب رکھی ہے اس کو فارسی میں چرخ الماس کہتے ہیں۔ یعنی ہیرے جواہرات اور قیمتی نگوں سے بھری ہوئی چرخ۔ اس میں دنیا کے سب سے بڑے موتی اور نگ جڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۸ء میں اسی چرخ کو نکالنے کے لئے بہت دور دور سے ماہر اور ہوشیار انجینیروں کو بلایا گیا۔ لیکن وہ بھی نہ نکال سکے آخر میں ایک بہت ہوشیار انجینیر کو بلا کر اس سے کہا گیا کہ تم اس چرخ کو نکال سکتے ہو؟ اگر اسے نکال لوگے تو تمھیں پچیس لاکھ روپیہ انعام ملے گا۔ یہ بات سن کر انجینیر نے درخواست کی کہ مجھ کو پچاس آدمی دئے جائیں۔ انجینیر نے ان پچاس آدمیوں کے لئے نمدے کے کپڑے سلوائے اور اس غار کے قریب بہت بڑا حوض کھدوا کر اس میں پانی بھروا دیا اور ان آدمیوں کو حوض میں ڈال کر خوب تر کیا اور ان سے کہا کہ تم اس غار میں جاؤ۔ وہاں تمھیں بہت سے راستے ملیں گے مگر تم بے کھٹکے چلے جانا۔ پھر آگے جا کر تمھیں اونچ نیچ کے راستے ملیں گے یہاں سے بھی تم بڑھے چلے جانا۔ میں تم کو ایک تھیلا دیتا ہوں تم اس چرخ کو تھیلے میں بند کر کے لے آنا مگر پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا اگر تم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو تم ڈر جاؤ گے اور چرخ فوراً چلا جائے گا۔ یہ سن کر لوگ غار کے اندر گئے۔ کوئی ایک سو قدم آگے بڑھے تھے کہ ایک اور راستہ ملا۔ اس راستے میں داخل ہوتے ہی پتھر کے بت نظر آئے جو دیواروں میں لگے تھے۔ ان بتوں کو دیکھ کر ان کے دلوں پر کچھ ہول سا سمانے لگا۔ اور ڈرتے اور کچھ جھجھکتے ہوئے آگے بڑھے۔ آخر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک چیز گنبد کے مانند گول چکر کھا رہی تھی یہ اس سے کوئی ایک ہزار قدم پیچھے تھے کہ ان کے بدن میں آگ لگی نمدے چونکہ گرم تھے اس لئے زیادہ آگ نہ لگنے پائی۔ یہ لوگ وہاں سے الٹے پاؤں بھاگے۔ اور باہر آتے ہی فوراً حوض میں کود پڑے آگ بجھ گئی تو فوراً حوض میں سے نکل کر سیدھے

انجینئر کے پاس گئے اور کہا کہ خدا کا واسطہ ۔ ہم ایسی نوکری سے باز آئے ۔ انجینئر نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر نوکر کا سا جواب سُنے چل دئے ۔ واقعی دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا آج تک کوئی پتہ نہ لگا سکا ۔ ایران میں اور بھی بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا اب تک کوئی بھی پتہ نہ لگا سکا ۔ آج کل شہنشاہ ایران اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی نے تخت جمشید کے قریب بہت بڑا محل اس عجیب وغریب تاریخی عمارت کی حفاظت کے لئے بنوایا ہے

## حمامِ شاہی

تخت جمشید سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ایک اور پہاڑ ہے اس میں ایک حمام ہے اس کا نام شاہی حمام جمشیدی کے زمانے سے مشہور ہے ۔ اس حمام سے پندرہ میل دور تک کہیں پانی کا نام ونشان تک نہیں ہے ۔ اس حمام میں تین حوض ہیں ۔ ہر حوض کی چوڑائی ساٹھ گز ہے اور گہرائی بیس گز ۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ باوجود پانی نہ ہونے کے وہ دن بھر بھرے رہتے ہیں اور رات کو خالی ہو جاتے ہیں اس حمام میں اوپر کے حصے میں کوئی دو انچ کا ایک سوراخ ہے اور اس پر پتھر کی جالی لگی ہوئی ہے ۔ پہاڑ پر سے ایک ایک قطرہ پانی کا نیچے جالی میں گرتا ہے اور جالی اسے صاف کر کے حوض میں ڈالتی ہے ۔ اس پانی کے قطروں کو "آب قطرہ چکان" کہتے ہیں ۔ یہ پانی اتنا صاف ہوتا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی جو لوگ وہاں گئے ہیں اور انھوں نے اُسے دیکھا ہے کچھ وہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔ یہ خدا کی قدرت ہی تو ہے کہ ایک ایک قطرے پانی سے سارے دن میں تینوں حوض بھر جاتے ہیں ۔ لوگ ان میں غسل بھی کرتے ہیں ان میں سے ایک حوض کا پانی بالکل برف کی مانند ٹھنڈا ، دوسرے کا نیم گرم اور تیسرے کا خوب گرم ہوتا ہے ۔ ان حوضوں کے ایک ہزار قدم نیچے اگر دو دیگیں بڑی بڑی رکھی ہیں ۔ ان دیگوں کے ایک طرف ایک گز گہرا غار ہے جس میں لوگ درختوں کی ٹہنیاں اور جھاڑیاں جلا کر پانی گرم کر کے بھی نہاتے ہیں ۔ آج کل شاہ ایران نے بہت اچھا انتظام کیا ہے کہ ہر ایک قوم کے لئے الگ الگ حوض مقرر

کردئے ہیں۔ لوگوں کو اس سے بہت آرام اور سہولت ہوگئی ہے۔ ابھی جب میں ایران سے ہندوستان آرہا تھا تو میں نے ایک اور حیرت انگیز بات دیکھی کہ وہاں تخت کے قریب کچھ زمین کھدی ہی تھی اس کے نیچے بہت بڑا بازار نکلا جس میں بہت سی دکانیں تھیں۔ چیزیں جتنی نکلیں سب پتھر کی تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب ابھی تیار ہوئی ہیں۔ اور بہت سی قیمتی چیزیں بھی نکلیں جن کا تفصیل سے ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ تمھیں کبھی ایران جانے کا اتفاق ہو تو یہ دونوں چیزیں ضرور دیکھنا

# اسکول کا پہلا قانون

## 'کپڑوں کی صفائی'

(۲) (۱)

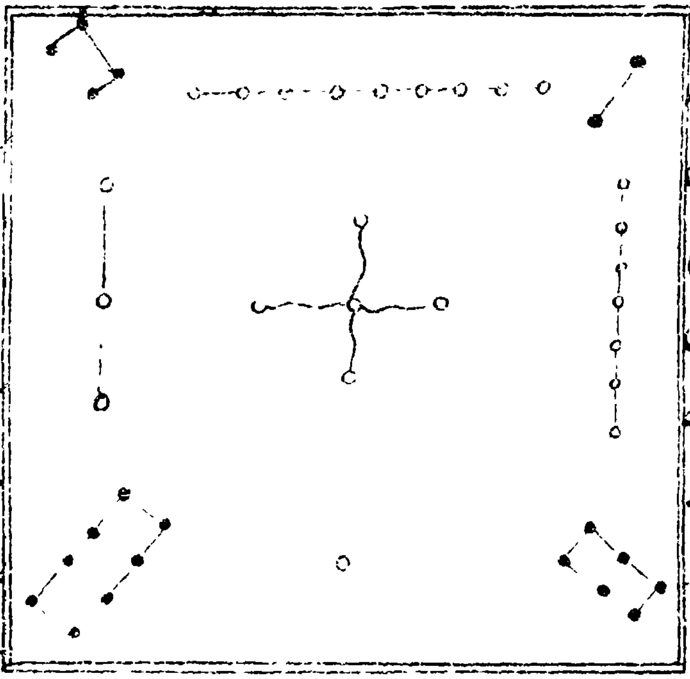


اب آپ اس درجے سے تشریف لے جائیے | توبہ توبہ اتنے گندے کپڑے۔

# انوکھے عدد

(ایک ماہر تعلیم کے قلم سے)

تم لوگوں نے چین کا نام سنا ہی ہوگا۔ بڑا اچھا ملک ہے۔ یہاں کے بسنے والے بڑے اچھے اور نیک لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں پڑھنے لکھنے کا چرچا بہت دنوں سے ہے جب اور قومیں جنگلوں میں شکار کرتی پھرتی تھیں تو ان کے یہاں لوگ کتابیں لکھا کرتے تھے۔ اُن کی ایک پرانی کتاب ہے شاید دنیا میں اور کوئی کتاب اتنی پرانی نہ ہوگی اس کا نام ہے "لیے کنگ"۔ ہزار ہا برس ہوئے جب یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ اس میں لکھا ہے کہ چین کے سب



سے بڑے دریا میں سے ایک دفعہ ایک کچھوا نکلا تھا جس کی پیٹھ پر یہ نشان بنے تھے

تم بھی کہتے ہوگے یہ چینی کیسے لوگ تھے کچھوے کی پیٹھ پر نشان اور نشان بھی ایسے۔ [illegible] نہ پھر اچھا آؤ تمھیں بتائیں کہ یہ نشان کیا ہیں۔ یہ دراصل عدد ہیں اور اُن لوگوں کا خیال تھا کہ ان عددوں سے بہت سی بلائیں دور ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ عدد کچھ عجیب راز والے عدد ہیں اگر انھیں ہندسوں میں

## لکھو تو یہ شکل ہو جائے

| | | |
|---|---|---|
| ۴ | ۹ | ۲ |
| ۳ | ۵ | ۷ |
| ۸ | ۱ | ۶ |

تم کہو گے کہ ان میں عجیب بات کیا ہے؟ ۹ خانے کھینچے اور ہندسے چاہے لکھ دیئے ۔ لیکن نہیں ذرا غور سے دیکھو ۔ ان ہندسوں کو جدھر سے چاہو جوڑو ہمیشہ ۱۵ ہی ہوں گے ۔

دیکھو ۔ ۲ + ۹ + ۴ = ۱۵

۷ + ۵ + ۳ = ۱۵

۶ + ۱ + ۸ = ۱۵

یا اوپر سے نیچے کو جوڑ لو

| | | |
|---|---|---|
| ۴ | ۹ | ۲ |
| ۳ | ۵ | ۷ |
| ۸ | ۱ | ۶ |
| ۱۵ | ۱۵ | ۱۵ |

## ترچھا جوڑ لو

۲ ۵ ۸ = ۱۵

۴ ۵ ۶ = ۱۵

صرف ہمارے کہنے سے مت مان جاؤ کہ جدھر سے جوڑو پندرہ ہوتے ہیں ۔ خود بھی جوڑ کر دیکھ لو ۔ اگر ہم نے غلطی کی ہو تو بتا دینا

---

کیسا عجیب معاملہ ہے ہر طرف سے وہی ۱۵ مدتوں تو لوگ ان ہندسوں کو لکھ کر تعویز کی طرح استعمال کرتے رہے ۔ اچھا ذرا سوچو تو سہی ۔ تم بھی کوئی ایسا تعویذ بنا سکتے ہو ۔ کوشش تو کرو ۔ اگر بنا لو تو ہمیں لکھ بھیجنا پیام تعلیم کے کسی پرچے میں دوسرے پیام بھائیوں کے لیے چھاپ دیں گے ۔

# خالدہ ادیب خانم

(از ر ۔ ق)

بیس سال ہوئے جب کا قصہ ہے کہ تمام دنیا پر ایک بھوت سوار ہو گیا تھا۔ دنیا کے لوگوں نے پاگلوں جیسی حرکتیں شروع کر دی تھیں۔ لڑنے مارنے کو جی چاہتا تھا۔ دو پارٹیاں بنا لی تھیں۔ کچھ ملک ایک طرف ہو گئے تھے کچھ دوسری طرف۔

جب لڑنے کو طبیعت چاہتی ہے بہانے بھی بہت سے مل جاتے ہیں۔ سربیا[۵] کا شہزادہ مارا گیا۔ سربیا والوں نے کہا کہ ہمارے شہزادے کو آسٹریا والوں نے مروایا ہے۔ سربیا کی دوستی روس سے تھی۔ روس کی فرانس سے۔ فرانس کی انگریزوں سے۔ یہ سب اکٹھے ہو گئے اور انھوں نے کہا "ہم تو بدلہ لیں گے"۔

آسٹریا والوں نے کہا دھمکی کیا دیتے ہو۔ ہم تم سے کم تھوڑا ہی ہیں۔ ہمارا بھی جرمنی دوست ہے بلغاریا دوست ہے۔ ترکی ہمارے ساتھ ضرور شریک ہوگا۔ نہیں ہوگا تو اٹلی، فرانس اور انگلینڈ اس کا خاتمہ کر دیں گے۔ وہ بہت دنوں سے اس کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

غرضکہ پارٹیاں بن گئیں اور لڑائی شروع ہو گئی۔ لاکھوں کروڑوں آدمی مارے گئے، ہزاروں کھیت، گھر اور کارخانے برباد ہوئے، لاکھوں عورتیں بیوہ، بچے یتیم اور بوڑھے لاوارث ہو گئے۔

پہلے دو سال جیت آسٹریا اور جرمنی کی رہی لیکن جب اٹلی، امریکہ اور جاپان نے بھی سربیا اور انگریزوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا تو لڑائی کا

---

۵؎ مشرقی یورپ میں ایک چھوٹا سا ملک تھا۔

نقشہ بدل گیا، اب انگریز جیتنے لگے اور آسٹریا اور جرمنی والے بالکل بے بس ہو گئے۔ تب ہار ماننا پڑی۔ اور صلح کی گفتگو ہوئی۔

شریف آدمی جب اپنے دشمن کو زیر کرتے ہیں تو اُسے ذلیل نہیں کرتے۔ لیکن کم ظرف، کمینہ حرکتوں پر اُتر آتے ہیں اور دشمن کو گرا ہوا دیکھ کر دو لاتیں اور لگا دیتے ہیں۔

ترکوں کو جنگ عظیم میں ہارنے کے بعد کم ظرفوں سے سابقہ پڑا جو ان کے ملک پر بہت دنوں سے دانت لگائے بیٹھے تھے پہلے تو انھیں اپنے منصوبے پورے کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ لیکن ترکوں کے ہار جانے سے ان کی من مانی مراد پوری ہوئی۔ شرافت تو یہ چاہتی تھی کہ تاوان وصول کر کے معاملہ رفع دفع کیا جاتا۔ مگر انھوں نے ملک کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لئے۔

پھر معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا۔ ترکی کو ہمیشہ کے واسطے فنا کرنے کے لئے انھوں نے یونانیوں کی فوجوں کو سمرنا کے راستے سے ترکی میں داخل کر دیا یہ فوجیں ملک پر قبضہ کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئیں۔ ترک ایک شریف اور بہادر قوم ہے اسے اپنے ملک اور وطن کی آزادی اپنی جان کر بھی پیاری ہے۔ یونانیوں کو اپنے عزیز ملک میں گھستا ہوا دیکھ کر اس کے غم اور غصہ کی جو حالت تھی وہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ وہ اپنی جان فدا کرنے کے لئے تیار تھا اور حکومت کے احکامات کا منتظر!

لیکن حکومت غیروں کی مرضی کے مطابق کام کر رہی تھی اور ان غریبوں کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔

انتظار کی یہ حالت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہی۔ رہنمائی کرنے والا بھی پیدا ہوا۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکوں کو جس طرح آزاد کر دیا اس سے بچہ بچہ واقف ہے۔

لیکن دنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔ انھیں ایک آدمی تنہا نہیں کرتا۔ اس کی مدد کرنے والے اور اُسے مشورہ دینے والے اور بھی کئی بڑے آدمی ہوتے ہیں۔ لوگ اس ایک بڑے آدمی کی تعریف میں اس قدر لگ جاتے ہیں کہ اور سب کو بھلا دیتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے ترکی کی آزادی کی لڑائی میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا



[illegible]

Calcutta Art Press Delhi.

کے بعد جس شخص کا نام عزت سے لینا چاہیئے ۔ وہ خالدہ ادیب خانم ہیں۔

خالدہ خانم ایک کم زور دل والی عورت تھیں ۔ ناز و نعم اور فیشن میں ان کی پرورش ہوئی تھی ۔ ان کے پاس دولت تھی، ثروت تھی، عزت تھی ۔ ان کی تعلیم نہایت اعلیٰ تھی ۔ کئی زبانوں میں انھیں مہارت حاصل تھی ۔ وہ تقریر نہایت اچھی کرتی تھیں اور مصنف کی حیثیت سے ان کا پایہ بہت بلند تھا ۔ ان کے شوہر ان سے محبت کرتے تھے اور ان کے دو کم عمر بچے مدرسے میں تعلیم پا رہے تھے ۔ ایسی عورت کے لیے دنیا کے تمام رشتوں کو توڑنا جس قدر مشکل ہو سکتا ہے ظاہر ہے ۔

لیکن ملک اور قوم کی آزادی کے لئے اسی کم زور عورت نے جیسی جیسی تکلیفیں برداشت کی ہیں وہ ہمارے لئے ہمیشہ کے واسطے ایک نمونہ ہیں ۔

ترکوں کے شہر استنبول پر دشمنوں کے جنگی جہازوں کا قبضہ ہے ۔ غیر ملکی پولیس کا ہر جگہ پہرا ہے ۔ آرمنی اور عیسائی جاسوسوں کا کام کر رہی ہیں ایسی حالت میں کسی مجمع میں تو کیا نجی طور پر بھی مخالفت کی گفتگو کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے ۔ لیکن خالدہ خانم کی دلیر شخصیت ان میں سے کسی چیز سے نہیں ڈرتی ۔ سلطان احمد میں ایک جلسے کا اعلان ہوتا ہے ۔ دو لاکھ آدمی جمع ہوتے ہیں ۔ ہوائی جہاز سروں پر اڑ رہے ہیں فضا پر خوف و دہشت طاری ہے ۔ لیکن خالدہ خانم کے دل میں ڈر کا نام نہیں ہے ۔ وہ تقریر کرتی ہے اور مجمع کے دل کو ہلا دیتی ہے ان کے جذبات کو ابھار دیتی ہے ۔ تقریر ختم ہو جاتی ہے لیکن عدالت ایسے لوگوں کا موجود رہنا خطرناک سمجھ کر خالدہ خانم کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیتی ہے ۔ خالدہ خانم کو پتہ چل جاتا ہے ۔ وہ اپنا گھر بار ، عیش آرام ہر چیز کو چھوڑ کر استنبول سے بھیس بدل کر بھاگ نکلتی ہے ۔

تھوڑے دنوں کے بعد ان کے قتل کرنے کا حکم جاری ہو جاتا ہے ۔ سفر کی جن دشواریوں ۔ راہ کی جن صعوبتوں کا اسے سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان

---

ے ایک مقام کا نام ہے ۔ جہاں ی کی ایک مسجد ہے

مردوں کے لیے بھی سخت ہیں۔ جن کی تمام عمر اسی قسم کے ماحول میں گذرتی ہے۔ خالدہ خانم بیہوش اور نیم جان ہو ہو جاتی ہے لیکن اس کے حوصلوں اور ارادوں میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بہ ہزار دقت یہ انگورہ پہنچتی ہے۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے ساتھ شریک ہو کر کام شروع کر دیتی ہے۔ اور جب ترکی فوجیں یونانیوں سے لڑنا شروع کرتی ہیں تو یہ ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے فوج میں بھرتی ہو جاتی ہے اور لڑائی کی اول صف میں فوج کے رنج و راحت میں برابر کی شریک رہتی ہے۔ تا آنکہ ترکی کی سرزمین سے یونانیوں کا ایک ایک آدمی باہر نکال دیا جاتا ہے اور ترکی کی آزادی اور خودمختاری تمام دنیا کی سلطنتیں تسلیم کر لیتی ہیں۔

یہی وہ محترم خاتون خالدہ خانم ہیں۔ جو جامعہ ملیہ کی مہمان ہو کر جناب ڈاکٹر انصاری صاحب کی دعوت پر ہندوستان تشریف لائی ہیں جو جامعہ میں اپنی بصیرت افروز تقریروں میں جدید ترکی کے متعلق حالات بیان فرمائیں گی

# بارود کس نے ایجاد کی

(از سید ظہیر الدین صاحب ۔ اورنگ آباد)

آپ نے بندوق تو ضرور دیکھی ہوگی ۔ بلکہ آپ میں سے بہتوں نے فیر بھی کیا ہوگا ۔ اگر خود نہیں تو کم از کم دوسروں کو فیر کرتے ہوئے تو ضرور دیکھا ہوگا۔ شکاری اس سے بڑے بڑے خوفناک جانور شیر، ہاتھی، بارہ سنگھا، مگرمچھ کا شکار کرتے ہیں سپاہیوں کی فوج لڑائی میں بندوق ہی کے ذریعے سے دشمن کی فوج کو شکست دیتی ہے ۔

لیکن کبھی آپ نے یہ بھی غور کیا ہے کہ بندوق کی نال میں وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے اس قدر زوروں سے آواز ہوتی ہے ۔ اور آخر اس کے اندر وہ کون سی خوفناک چیز ہے جس سے بڑے بڑے بہادر آدمی بھی تھر تھر کانپتے ہیں ۔ اور بندوق کی نال دیکھتے ہی ڈر جاتے ہیں اور اگر آپ کسی آدمی کی طرف جھوٹ موٹ بھی بندوق کا نشانہ درست کیجیے تو وہ ڈر کر ہائیں! ہائیں کرنے لگے گا۔

بندوق کوئی خود ڈرانے والی چیز نہیں ہے کیونکہ خالی بندوق اور چولہا پھونکنے کی پھکنی دونوں برابر ہیں ۔ دراصل ڈرانے والی چیز تو وہ بارود اور گولی ہے جو اس کے اندر بھری جاتی ہے ۔

بارود واقعی بڑی خوفناک چیز ہے اس میں آگ بہت جلد اثر کرتی ہے ۔ آگ کی ذرا سی چنگاری بھی بارود کے بہت بڑے پہاڑ کو ایک سکنڈ میں دھن سے اڑا دیتی ہے ۔ چنانچہ سوری خاندان کا مشہور بادشاہ شیر شاہ سوری جس نے مغلوں کو شکست دی تھی اسی بارود خانے میں آگ لگ جانے سے جل کر مرا تھا

ہندوستان میں بارود کو اول اول پرتگیزی لائے تھے ۔ لیکن فوج میں اس کا باقاعدہ استعمال سب سے پہلے ۱۵۲۶ء میں بابر بادشاہ نے کیا تھا ۔ اس کے قبل ہندوستان کے لوگ بارود کا

استعمال کرنا نہیں جانتے تھے اور نہ لڑائی میں اس سے کچھ کام لیتے تھے ۔

بارود سب سے پہلے کس نے بنائی ؟

اس کا موجد کون ہے ؟ اس کا نام کیا تھا ؟ ان باتوں کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ چودھویں صدی میں ایک جرمن نے اس کو ایجاد کیا ہے ۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ اس سے بھی سو برس پہلے تیرھویں صدی میں "روگر بیکن" ایک انگریز بارود بنانا جانتا تھا اگرچہ اس نے بندوق میں اس کا کبھی استعمال نہیں کیا تھا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بارود کے موجد جاپانی ہیں کیوں کہ جب کبھی "قبلئی خان" سمندر کے راستے سے جاپان پر حملہ کرتا تھا تو وہ "قبلئی خان" کے حملوں کو اسی بارود کے ذریعے سے روکا کرتے تھے ۔ لیکن یہ خیال بھی غلط ہے ۔ کیونکہ ٹھیک اسی زمانے میں انگلستان میں "اڈورڈ سوم" نے اسکاٹ لینڈ کو اسی بارود کے زور سے فتح کیا تھا ۔ اس لئے یہ خیال کہ بارود کے موجد جاپانی ہیں کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا ہے ۔ اسی لئے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ بارود کے موجد یونانی ہیں ۔ اسی طرح چینی کہتے ہیں کہ بارود کے موجد "چینی" ہیں ۔ اور انھوں نے ہی سب سے پہلے بارود کا بنانا اور اس کا استعمال کرنا معلوم کیا ہے ۔

غرض جاپانی ، جرمنی ، یونانی ، چینی انگریز سب کے سب اس کے دعوے دار ہیں کہ دنیا میں سب سے پہلے انھوں نے ہی ایجاد کی ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بارود بہت پرانی چیز ہے اور موٹر یا ہوائی جہاز کی طرح یہ کوئی نئی ایجاد نہیں ہے کہ اس کے بنانے والے کا نام اور پتہ صحیح صحیح بتلایا جاسکے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے موجد کی صحیح خبر کسی کو نہیں ہے پھر بھی زیادہ تر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کے اصلی موجد یونانی ہیں ۔ اور انھوں نے ہی سب سے پہلے اس کا بنانا اور پھر اسے لڑائی میں دشمنوں کی فوج کے خلاف استعمال کرنا معلوم کیا تھا ۔

# ورزش

(از جناب مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر ٹیچر ماڈرن ہائی اسکول دہلی)

ورزش کے جو پابند رہا کرتے ہیں — دن رات وہ تندرست رہا کرتے ہیں
سنتا ہوں کہ جو لوگ ہیں اس کے عادی — تن ان کے تنومند رہا کرتے ہیں

ورزش کی اگر آپ کو عادت ہو جائے — دور آپ کے جسم سے علالت ہو جائے
ہر روز کی تکلیف سے مل جائے نجات — امراض سے آپ کو فراغت ہو جائے

ہر روز صبح کو سیر کرنے جایا کیجئے — مل مل کے بدن اپنا نہایا کیجئے
ورزش کی صفائی کی جو عادت ہو جائے — پھر خوب مزے سے دندنایا کیجئے

ورزش لازم ہے تندرستی کے لئے — حرکت دیجئے بدن کو چستی کے لئے
کاہل میں بھی آجاتی ہے تیزی اس سے — الحق ہے یہ تازیانہ سستی کے لئے

ہو صاف بدن، صاف مکان، صاف غذا — پانی بھی ہو صاف، اور ہو صاف ہوا
ورزش بھی جو ہر روز کیا کرتا ہو — دکھ درد کا اس کو نہیں رہتا کھٹکا

(ہمدرد صحت دہلی)

# درخت

(از جناب جواد صاحب میرٹھی)

تم خیال کروگے کہ جنگل اور درختوں سے صرف لکڑی ہی مل سکتی ہے جو گھروں میں جلانے اور عمارتوں میں لگانے کے کام آتی ہے۔ مگر نہیں درختوں کے سینکڑوں فائدے ہیں۔ ان سے ہمیں بہت سی چیزیں ملتی ہیں۔

لاکھوں سال گذرے۔ زمین کا ایک بہت ہی بڑا حصہ جنگلوں سے ڈھکا پڑا تھا۔ ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا۔ پرانے درخت کمزور ہوکر اور سوکھ کر گرتے رہتے تھے ان کی جگہ نئے اور مضبوط درخت پیدا ہوجاتے تھے۔ بعض دفعہ زلزلوں کی وجہ سے زمین ہلنے لگتی تھی اور نیچے کو دھنس جاتی تھی اس کے ساتھ یہ جنگل بھی زمین میں سما جاتے تھے۔ جس جگہ جنگل ہوتے تھے۔ وہاں ریتیلی، بنجر زمین رہ جاتی تھی۔ لاکھوں برس یہ درخت اسی طرح زمین میں دبے پڑے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان پر اور درخت اُگ آتے تھے اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہاں پہلے بھی جنگل تھا جو زمین میں سما گیا۔

اسی طرح ہزاروں برس یہ درخت زمین کے نیچے دبے رہتے ہیں اور زمین کے دباؤ اور بعض دوسرے اسبابؔ[1] سے ان میں بہت سی تبدیلیاں ہوجاتی ہیں۔ اور آخرکار اُن کا کوئلہ بن جاتا ہے! جسے تم پتھر کا کوئلہ کہتے ہو! پتھر کا کوئلہ وہی پرانے درخت ہیں جو زمین میں دھنس گئے تھے اور جن کی شکل اب ایسی بدل گئی ہے کہ تم انھیں پہچان بھی نہیں سکتے۔ لوگ لوہے کے پنجروں میں بیٹھ کر گہری کانوں اور غاروں میں اُترتے ہیں اور کوئلہ کھود کر باہر لاتے ہیں۔ یہی کوئلہ ہماری ریلوں

[1] سبب کی جمع۔

کو چلاتا ہے! اور بہت سے دوسرے کاموں میں آتا ہے۔ تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کوئلے سے بہت سے رنگ، خوشبوئیں، دوائیں اور روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

کاغذ بھی درخت سے بنایا جاتا ہے! بڑے بڑے درخت گرائے جاتے ہیں ان کی چھال اتار دی جاتی ہے اور ان کی گانٹھیں کاٹ کر الگ کر دی جاتی ہیں۔ باقی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے جاتے ہیں۔ اور انھیں ایک مشین میں گیہوں کی طرح پیسا جاتا ہے مشین میں بار بار پانی ڈالا جاتا ہے کہ لکڑی کا پسا ہوا برادہ یا آٹا الگ ہو جائے۔ لکڑی کے اس گودے کو بڑے بڑے تسلوں میں بھر دیا جاتا ہے۔ جن میں چاقوؤں کے پھل لگے رہتے ہیں۔ ان پھلوں سے اس گودے کو خوب پیٹا جاتا ہے اور اس میں کچھ دوائیں ملائی جاتی ہیں۔

اس گودے کو بڑے بڑے بیلنوں سے گذارا جاتا ہے۔ اور باریک جالیوں پر پھیلا دیا جاتا ہے۔ جس سے پانی نکل جاتا ہے اور گودے کی ایک باریک تہ رہ جاتی ہے۔ اس باریک تہ کو اس طرح ہلایا جاتا ہے کہ یہ بالکل ہموار اور یکساں ہو جاتی ہے اور اس کے ریشے بیٹھ جاتے ہیں اسے دوبارہ بیلنوں میں سے گذارا جاتا ہے۔ اور پانی کی گرم بھاپ سے خشک کر لیا جاتا ہے۔ بس کاغذ تیار ہو جاتا ہے!!!

کاغذ کتنی ضروری چیز ہے۔ اگر کاغذ نہ ہوتا تو تمھاری کتابیں اور رسالے کس چیز پر چھپتے اور پڑھنے لکھنے کا ایسا چرچا کیوں کر ہوتا۔ جاپان میں کاغذ کے مکان بنائے جاتے ہیں۔ اگر کاغذ نہ ہوتا تو بے چارے جاپانی اپنے مکان کیوں کر بناتے۔

# فضول خرچی

(از عبدالاحد صاحب جماعت ہشتم ابنالہ)

قرض بڑی بری چیز ہے۔ خدا اس سے بچائے۔ ہمارے درجے میں ایک لڑکا ناصر تھا بڑا چٹورا۔ ذرا بھی موقع ملتا تو فوراً خوانچے والے کے پاس پہنچ جاتا۔ پہلے پہلے تو ماں سے پیسے آتا تھا اور نقد خریدتا تھا۔ مگر انھیں جب یہ معلوم ہوا کہ سب پیسے یہ چٹورپن میں اُڑا دیتا ہے تو ہاتھ روک لیا۔ مگر عادت پڑی ہوئی بری ہوتی ہے ایک دن مٹھائی کے شوق میں بہت بے چین ہوا تو خوانچے کے پاس چکر لگانے لگا۔ ادھار لینے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ خوانچے والا بڑا چالاک تھا سمجھ گیا۔ کہ میاں آج خالی ہاتھ ہیں کہنے لگا۔ آؤ میاں آج تازی تازی مٹھائیاں بنا کر لایا ہوں لڑکے نے ہمت کر کے کہا بھئی آج ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ خوانچے والا بولا۔ واہ میاں پیسوں کی کیا بات ہے آج نہیں کل مل جائیں گے' بس پھر کیا تھا۔ ان بے چاروں کی تو رال ٹپک ہی رہی تھی۔ اُدھار لے کر مٹھائی خوب کھائی قرض لینے کی جسے عادت پڑ جائے اسے ادھار لیتے وقت کبھی یہ فکر نہیں ہوتی کہ میں ادا کیسے کروں گا۔ ہمارے ناصر میاں کا بھی یہی حال تھا ہر روز مزے سے دو چار آنے کی مٹھائی اُڑا جاتے۔ دام کہاں سے ادا ہوں گے یہ ان کی بلا جانے۔ خوانچے والا۔ دو، چار روز تو خوب کھلاتا رہا۔ مگر جب ایک روپے سے زیادہ ہو گیا تو ایک دن نرمی سے کہنے لگا۔ میاں دام مل جاتے ! تم جانو میں بھی تو غریب آدمی ہوں نہ معلوم کیسے گذر کرتا ہوں۔ ناصر میاں بغلیں جھانکنے لگے مگر ذرا اکڑ کر کہا۔ لے لینا جلدی کیا ہے۔ کیا تمھارے پیسے مارے ہیں ؟ خوانچے والے نے دو چار دن کی ڈھیل دے کر پھر تقاضا کیا۔ اب کی ذرا سختی سے کام لیا اور ہیڈ ماسٹر سے شکایت کی۔

دھمکی بھی دی۔ اب تو میاں ناصر کو بہت پریشانی ہوئی۔ اس وقت میں نے خود دیکھا کہ درجے میں بہت اداس اور گھبرائے ہوئے تھے پڑھنے لکھنے میں بالکل جی نہیں لگتا تھا۔ گھر پہنچ کر بھی یہی فکر ستاتی رہی اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے اور یہ قرض کہاں سے ادا ہو۔ ہیڈ ماسٹر صاحب سے شکایت ہو گئی تو سخت سزا ملے گی۔ اور ذلیل ہوں گے وہ علیحدہ دوسرے دن صبح کو وہ گھر سے تو کتابیں لے کر چل دیے مگر مدرسہ جانے کی ہمت نہیں ہوئی اور سارا دن اِدھر اُدھر گذار کر شام کو گھر پر آ گئے۔ غرض دو تین دن تک یہی کیفیت رہی۔ پڑھنے لکھنے سے جی اُچاٹ ہو گیا۔ اور ہر وقت یہی فکر رہنے لگی۔ جب بہت پریشان اور مجبور ہوئے تو انھوں نے ایسی حرکت کی جسے سُن کر آپ کو افسوس بھی ہوگا اور یہ بھی اندازہ ہوگا کہ کس طرح ایک برائی سے دوسری برائی پیدا ہوتی ہے۔ غرض میاں ناصر کو سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں سوجھی کہ گھر سے کوئی چیز چرائیں اور اس طرح قرض سے چھٹکارا حاصل کریں۔ مگر جب یہ خیال اُن کو پیدا ہوتا تھا تو معلوم نہیں کیا بات تھی

کہ ان کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ آخر ایک دن ہمت کر کے اور سب لوگوں کی آنکھ بچا کر ابا کی جیب سے تین روپے نکال ہی لئے۔ اس وقت ان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ پیر بوجھل ہو گئے تھے دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ وہ تو غنیمت یہ ہوا کہ کسی نے انھیں دیکھا نہیں اور یہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے گھر میں سے نکل گئے۔ ورنہ ممکن تھا کہ اسی وقت بھانڈا پھوٹ جاتا۔ خیر گھر سے نکل کے انھیں کچھ اطمینان ہوا۔ مدرسہ پہنچ کر سب سے پہلے انھوں نے خوانچے والے کے پیسے نبٹائے اور اپنے درجے میں آئے۔ استاد نے اتنے دنوں تک غیر حاضر رہنے کی وجہ پوچھی۔ مگر کوئی وجہ ہوتی تو بتاتے۔ بے چارے سے کوئی جواب بن نہیں پڑا۔ استاد نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو ان کی شکایت لکھ بھیجی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس خوانچے والے کی شکایت بھی پہنچ چکی تھی۔ مگر آج کام زیادہ تھا اس لئے یہ دن خیریت سے گذر گیا۔ شام کو گھر پر آئے۔ وہاں اتفاق سے انھیں تین روپوں کا چرچا تھا۔ یہ سنتے ہی سہم گئے اور دل دھڑکنے لگا

ان کے باپ کو نوکروں پر شبہ تھا اور اس وقت تک کئی ایک کی مرمت بھی ہو چکی تھی ۔ اتفاق سے ان کی نظر اُن پر پڑ گئی ۔ ان کی پریشانی اور سہمی ہوئی صورت دیکھ کر انھیں کچھ شبہ ہوا ۔ انھوں نے ان کے باپ سے اشارہ کیا ۔ پہلے تو دونوں بہت کشمکش و پیچ میں رہے ۔ پھر اُن کے باپ نے انھیں الگ لے جا کر پوچھنا شروع کیا ۔ آپ جانیں چور کا دل کتنا ادھر پھر پہلی چوری ۔ انھوں نے سب کچھ قبول دیا اور رونے لگے ۔ ماں باپ کو ان کی اس حرکت کا ملال تو بہت ہوا مگر تھے سمجھ دار ان سے کچھ نہیں کہا ۔ صبح کو اُن کے باپ ساتھ لے کر اسکول پہنچے اور ہیڈ ماسٹر صاحب سے ملاقات کی ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس دو شکائتیں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں ۔ اب گویا یہ سونے پر سہاگہ! انھوں نے باپ کی موجودگی میں ناصر کو کمرے میں بلایا ۔ اس بے چارے کو خیال تھا کہ میں خوب پیٹا جاؤں گا ۔ اس لئے مارے ڈر کے اس کی جان نکلی جا رہی تھی ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے نیچے گردن کئے ہوئے گیا خوف سے کانپ رہا تھا ۔

مگر ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب تو بہت ہی عقلمند آدمی تھے ۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر میں نے کوئی سخت سزا دی تو اول تو یہ مدرسے بھر میں بدنام ہو جائے گا دوسرے بہت ممکن ہے کہ مار کھانے کے بعد بے حیا ہو جائے ۔ انھوں نے پاس بلا کر پیٹھ پر ہاتھ پھیرا ۔ بہت تسلی و تشفی دی اور کہنے لگے ناصر میاں میں تمھیں بہت نیک اور شریف بچہ سمجھتا تھا ۔ درجے میں تم بہت محنتی اور ذہین تھے ۔ تمھارے استاد تم سے بہت خوش تھے ۔
اب دو تین روز سے میں برابر تمھاری شکائتیں سن رہا ہوں اور آج تمھارے والد شکایت لے کر آئے ہیں ۔ تمھاری پہلی ہی شکائتوں سے مجھے بڑا صدمہ تھا اور اب تو مجھے شرم آ رہی ہے بتاؤ تمھارے باپ کو کیا جواب دوں ۔ اگر تم زبان کے مزے کے لئے خوانچے والے سے ادھار سودا نہ خریدتے تو کیوں یہ نوبت آتی ۔ کیوں تمھیں مدرسے سے بھاگنا پڑتا ۔ اور آخر میں مجبور ہو کر کیوں ایسی حرکت کرنا پڑتی ۔ جس کا مجھ ہی کو نہیں گھر بھر کو صدمہ ہے ۔ خیر اب بھی کچھ نہیں گیا

ہے اگر آج تم دل سے توبہ کر لو کہ آج سے کبھی کوئی چیز ادھار نہیں خرید دں گا۔ چوری نہیں کروں گا مدرسے میں وقت سے آوں گا تو میں بھی تمہیں معاف کر دوں گا اور تمہارے باپ سے بھی معافی کی سفارش کروں گا۔ ناصر کو یہ امید بالکل نہیں تھی کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا اس لئے مارے شرم کے پسینے سے نہایا ہوا تھا آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور سسکیاں لے رہا تھا۔ آخر وہ رک رک کر کہنے لگا ماسٹر صاحب میں توبہ کرتا ہوں کہ آیندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا اور کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہ دوں گا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگے۔ ہاں میاں مجھے تم سے ایسی ہی اُمید تھی اب جاؤ اپنے باپ سے معافی مانگو۔ باپ پر بھی اس وقت بہت اثر ہو رہا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے بیٹے کو کلیجے سے لگا لیا۔ اور سچے دل سے معاف کر دیا۔ ناصر ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے سے باہر آیا تو اس کے دل کا بوجھ دور ہو گیا تھا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے۔ ناصر نے کبھی کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی اور اب وہ ماشاء اللہ ہر درجے میں اول آرہا ہے

# جنگل کا بھوت

(محمد رشید الدین۔ اسلامیہ ہائی اسکول لاہور)

گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں کسی جگہ کی سیر کروں۔ اتفاق سے بشیر کچھ دنوں سے گاؤں گیا ہوا تھا اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تم ضرور آنا۔ اس لئے میں گاؤں کو چلا گیا۔

گاؤں کے نزدیک ہی دو تین میل کے فاصلے پر ایک مرگھٹ ہے۔ ایک دن میں اور بشیر سیر کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کھیتوں کی سیر کی۔ دوپہر کو کنوئیں پر بیٹھ کر ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں کھانا کھایا اور کچھ دیر ستانے کے لئے لیٹ گئے۔ اتفاق سے آنکھ لگ گئی سو کر اٹھے تو پانچ بج چکے تھے۔ ہم دونوں نہائے۔ پھر واپس گھر کو چلے۔ جنگل میں ہم ہرے بھرے کھیتوں کی سیر کرتے چلے جا رہے تھے۔ گو اس دن بہت گرمی تھی۔ مگر چونکہ شام ہو چکی تھی اور ہم نہا کر آئے تھے اس لئے ہمیں زیادہ گرمی معلوم نہیں ہوئی

شام ہو گئی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا بھی چھا چکا تھا۔ ہم مرگھٹ سے کچھ دور ہی تھے کہ ایک دیہاتی ہماری طرف آیا اور کہنے لگا 'بابوجی اس طرف مت جانا۔ راستے میں بھوت ہیں چمٹ جائیں گے' مگر ہم نے اس کی بات کا کچھ خیال نہ کیا بلکہ ہم زبردستی اسے بھی اپنے ساتھ لے کر اس مرگھٹ کی طرف چلے۔

وہ دیہاتی ہمارے ساتھ چلنے کو تیار نہ تھا۔ مگر چند منٹ کی کھینچا تانی سے وہ بھی چلنے پر مجبور ہو گیا ہم نے دیکھا کہ آگ جل رہی ہے۔ مگر ایندھن نہیں ہے اور اسی لئے بے چارہ دیہاتی بھی ڈرنے لگا اس نے سوچا کہ یہاں آگ کا سامان تو کچھ بھی نہیں ہے پھر یہ بھوتوں کی شرارت نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم نے اس آگ کو لوٹ مار مار کر بجھا دیا۔ وہ بے چارہ کہتا ہی رہا" بابوجی یہ کیا کرتے ہو بھوت چمٹ جائیں گے

مگر ہم نے اس کی ان باتوں کی پروا نہ کی
جب ہم بجھا چکے تو وہ کہنے لگا "بابو جی یہ آپ نے کیا کیا۔ آج رات کو بھوت آپ کو بہت ستائیں گے۔" اس پر ہم نے اسے سمجھایا کہ یہ بھوت نہیں محض تمہارا خیال ہے۔ "اصل میں یہ اُن مردوں کی ہڈیاں ہیں جو ان مرگھٹ میں جلائے جاتے ہیں۔ ان ہڈیوں میں فاسفورس کا مادہ ہوتا ہے اس سے یہ جل اٹھتی ہیں۔ پھر ہم نے اسے یہ بتایا کہ فاسفورس بھی ایک چیز ہوتی ہے جو خشک ہو جائے تو فوراً جل اٹھتی ہے۔ اور اسی لئے اسے پانی ہی میں رکھتے ہیں۔ سائنس پڑھنے والے طالب علم تو اس سے ضرور واقف ہوں گے اور انھوں نے اسے دیکھا بھی ہوگا۔

گاؤں کی عورتیں اکثر کہا کرتی ہیں کہ گرمیوں میں اکثر مرگھٹوں میں ان مردوں کی روحیں آتی ہیں اور وہاں آگ بن بن کر آسمان کی طرف اُڑتی ہیں۔ حالانکہ یہ محض ان لوگوں کا وہم ہے اصل میں یہ فاسفورس ہی ہوتا ہے۔ تر ہونے کی وجہ سے بخارات بن کر آسمان کی طرف اڑتا ہے۔ اور ہوا میں ملتے ہی خشک ہو کر جل اٹھتا ہے۔ بس یہی ان بھوتوں کی حقیقت ہے

مگر جب ان لوگوں کو یہ باتیں بتائی جاتی ہیں تو وہ اُلٹا ہمیں پر کہنے لگتے ہیں۔ کہ تم تو ابھی نو عمر ہو کیا جانو ان باتوں کو۔ ہم سے پوچھو جنھوں نے یہاں عمریں گذاری ہیں۔ پہلے تو جی چاہتا ہے کہ اُن سے یہ کہیں آپ شروع سے وہم میں پھنسے ہوئے ہیں مگر پھر اس خیال سے کہ یہ ہمارے بزرگ ہیں ہمیں خاموش ہی رہنا پڑتا ہے۔

پیام بھائیو! دیکھنا تم بھی کہیں اس وہم میں نہ پھنس جانا۔ بلکہ اپنی تعلیم سے جو تم اسکولوں میں حاصل کرتے ہو یہ فائدہ اٹھانا اور ہو سکے تو دوسروں کو سمجھاتے رہنا کبھی نہ کبھی تو یہ سمجھ ہی جائیں گے۔

---

سلے :- آبخرات - دھواں -

# پڑھنے کی کتابیں

بچوں کے اسماعیل

مولانا اسمٰعیل میرٹھی کو شاید ہی کوئی اردو بولنے والا بچہ ہو جو نہ جانتا ہو آپ بہت ہی اچھے شاعر تھے بچوں کے لئے آپ نے بہت سی اور بہت اچھی اچھی نظمیں لکھی ہیں اُنھوں نے مدتوں تک بچوں اور بچوں کے استادوں کو پڑھایا لکھایا ہے اُن کے ساتھ رہے سہے ہیں اس لئے انھیں بچوں کی طبیعت اور مزاج سے خوب واقفیت ہوگئی تھی۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ کیا چیز بچوں کی سمجھ کے مطابق ہوگی۔ اور کس چیز کو بچے پسند کریں گے۔ اسی لئے اُنھوں نے ایسی آسان دلچسپ اور مفید نظمیں لکھی ہیں کہ آج تک اُن کا جواب نہیں ہو سکا۔ جن لوگوں نے مولانا کی یہ نظمیں پڑھی ہیں وہ دل پر کچھ اس طرح نقش ہوگئی ہیں کہ سالہا سال گذرنے پر بھی اُنھیں اسی طرح یاد ہیں۔ ان کے اچھے ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔

مولانا کی یہ نظمیں اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں۔ جناب سعید انصاری صاحب بی اے جامعہ (مقیم امریکہ) نے یہ بڑا اچھا کام کیا ہے کہ بچوں کے فائدے اور دلچسپی کی خاطر ان بکھری ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ یعنی ایک چھوٹی سی خوب صورت کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ اُنھوں نے آخر میں مشکل الفاظ کی ایک فرہنگ بھی دی ہے جس سے مشکل الفاظ کے سمجھنے میں اور بھی آسانی ہوگئی ہے۔ کتاب کا سرورق بہت خوب صورت ہے لکھائی اور کاغذ بھی بہت عمدہ ہے۔ صفحے کوئی اسّی ہوں گے۔ قیمت ۸؍ مکتبہ جامعہ قرول باغ دہلی سے منگائیے ہ۔

# بچوں کی کوششیں

## سچ

(از مسعود میاں میرٹھ عمر دس سال)

ہمارا ارادہ ہے کہ پیام تعلیم کے پڑھنے والے چھوٹے بچوں کی ہمت بڑھانے کے لئے اُن کے مضمون بھی شائع کئے جائیں۔ اور اس مقصد کے لئے دو تین صفحے خاص کر دئے جائیں لیکن شرط یہ ہے کہ استاد یا باپ اُن چھوٹے بچوں کی عمر کی تصدیق کر دیں۔ ایڈیٹر

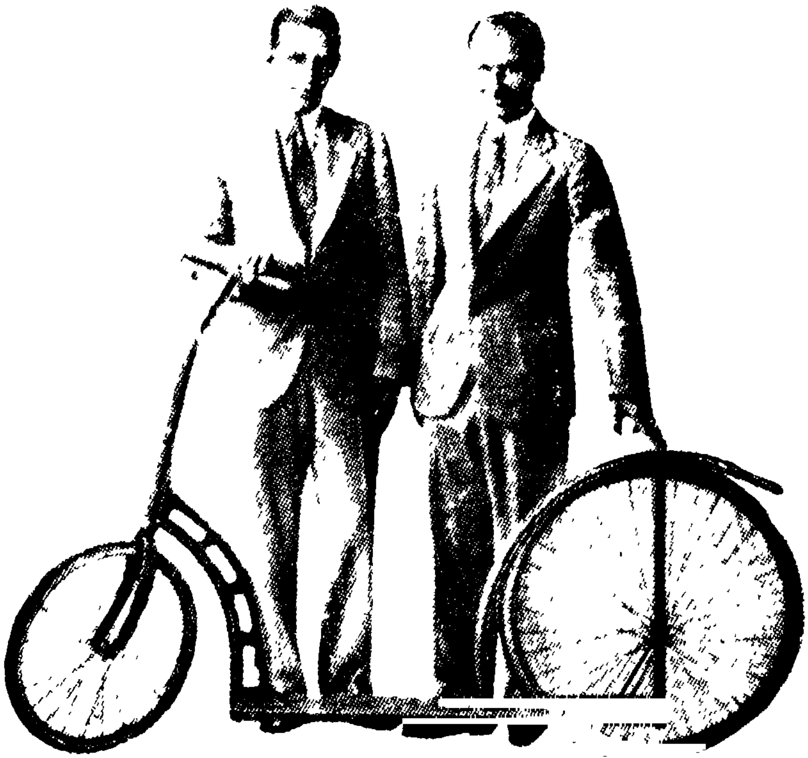
ایک دن مولوی صاحب بولے "تم نے آج کیا کھایا؟" ہم نے اکڑ کر کہا "شوربا پلاؤ۔ فرینی اور اور ......" کوئی دوسری چیز ہیں یاد نہیں آئی اور ہم چپ ہو گئے۔ "مولوی صاحب نے کہا" "تم جھوٹے ہو" جھوٹ بُری بات ہے کیا؟" ہم نے کہا "جھوٹ بہت بُرا ہے" مولوی صاحب نے کہا "ہاں بھئی دیکھو لڑکو کبھی جھوٹ مت بولنا۔ جھوٹ بولنے والے کا بُرا حال ہوتا ہے"۔ ہم نے ارادہ کر لیا کہ اب کبھی جھوٹ نہ بولیں گے۔ ایک دن الماری میں ایک بڑی خوب صورت پلیٹ رکھی تھی ہم نے سوچا کہ یہ پلیٹ کتنی چمکدار ہے۔ لاؤ دیکھیں تو یہ ہے کاہے کی۔ ہم نے پلیٹ اُتار لی اور دیکھنے کے لئے کہ کتنی مضبوط ہے ذرا اُسے نیچے گرا دیا۔ مگر وہ کمبخت نیچے گرتے ہی ٹوٹ گئی۔ ہم چپکے سے بھاگ گئے۔ شام کو ابا نے پوچھا "کیوں جی یہ پلیٹ کیسے ٹوٹی۔ میں نے سوچا سعید بھائی جان کا نام لے دوں۔ مگر مولوی صاحب یاد آ گئے۔ میں نے فوراً کہدیا۔" ابا مجھ سے ٹوٹ گئی ہے"۔

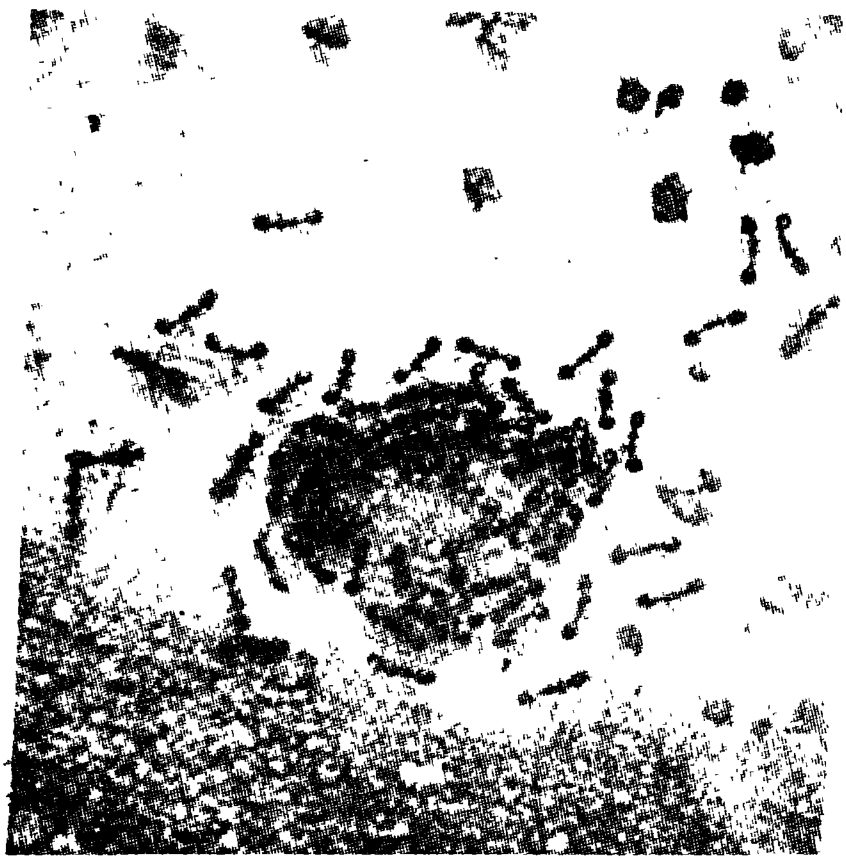
ابا نے کہا۔ "یوں نقصان کروگے تم"۔ ہم ڈر گئے اور ایک بھاری طمانچہ گال پر پڑا۔ پھر تو ہم پر خوب چانٹے پڑتے رہے ہم روتے جاتے اور بی جان کی طرف دیکھتے جاتے پھر مولوی صاحب کو کوسنے لگتے۔ آخر بی جان نے کہا "کیا مار ہی ڈالو گے تم"۔ "پھر وہی ہمیشہ بچوں کی حمایت۔ کیا میں کچھ کہوں بھی نہیں"۔

بی جان:۔ جان نکال دو اس کی! توبہ توبہ اس ننھی سی جان پر اتنا ستم" اس غریب نے تو سچ سچ بات کہہ دی۔ اور اپنا قصور مان لیا اور تم ہو کہ اس کی جان کے پیچھے پڑ گئے ہو"۔

ابا جان نے بھی پشیمان ہو کر ہمیں چھوڑ دیا اب تو ہماری ہمت بڑھ گئی اور زور زور سے رونے لگے۔ بی جان نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں کمرہ میں بھیج دیا اور پھر نہیں معلوم کیا ہوا؟







ذرا اِن چیونٹیوں کو دیکھنا - کیسی مشغول نظر آرہی ہیں -
ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ کوئی اہم جلسہ ہے - اور کسی
اُلجھی ہوئی بات کو سلجھایا جا رہا ہے -

*Calcutta Art Press, Delhi*

# پیام تعلیم
دہلی

| جلد ۱۳ | فروری سنہ ۱۹۳۵ | نمبر ۲ |
| --- | --- | --- |


## فہرست مضامین




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

قیمت سالانہ عہ/

# پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

فی پرچہ ۴ر

---

محمد انور خاں ۔ حیدرآباد دکن

کنور محمد اعظم شاہ ۔ اعظم گڈھ

سید منظور حسین خطیب ۔ ایوت محل

محمد صابر الدین ۔ حیدرآباد

انیس الرحمٰن ۔ حیدرآباد دکن

محمد محمود ۔ مستونگ

محمد فاروق ۔ حیدرآباد

گورنمنٹ اردو مڈل اسکول ۔ ارہالی ۔

افتخار الاسلام ۔ نئی دہلی

سکریٹری ریڈنگ روم ۔ بھیونڈی

گورنمنٹ اردو ہائی اسکول ۔ امراؤتی ۔

سید اطہر حسین ۔ امراؤتی کیمپ ۔

مہندر سنگھ ۔ لدھیانہ

جارج شبلی ہائی اسکول ۔ اعظم گڈھ

اینگلو اسلامیہ ہائی اسکول ۔ مظفر نگر

رحمت اللہ خاں ۔ دہرہ دون

محمد عذیر ۔ اعظم گڈھ

پرتاب چند ۔ نئی دہلی ۔

دلجیت سنگھ ۔ نئی دہلی

فخر الاسلام ۔ نئی دہلی

---

## بیرونِ ہند

نعمت اللہ صاحب ۔ پی، ڈبلیو، ڈی ، ہانگ کانگ

# بچوں سے باتیں

" انوکھے عدد" والے مضمون کو بچوں نے بہت پسند کیا ہے۔ ہمارے پاس بہت سے خط آئے ہیں جن میں بچوں نے اس مضمون سے اپنی بے انتہا دلچسپی ظاہر کی ہے اور محترم مضمون نگار صاحب کے کہنے کے مطابق ہندسوں کے تعویذ بھی بنا کر بھیجے ہیں ہم ان سب خطوں کو یہاں نقل کرنا چاہتے تھے مگر افسوس ہے کہ پرچے میں جگہ کم ہے۔ اسی مجبوری کی وجہ سے ہم صرف ایک خط جمیلہ خاتون کا شائع کر رہے ہیں۔

---

اس مرتبہ ہم نے اپنے محترم مضمون نگار صاحب سے بڑے اصرار سے اس سلسلے کا دوسرا مضمون لکھوایا ہے یہ پہلے مضمون سے بھی زیادہ دلچسپ ہے اگر بچے اسی طرح دلچسپی لیتے رہے تو انشاء اللہ ہم ان سے اس سلسلے میں اور بھی مضمون لکھوا سکیں گے۔

---

اسی طرح ٹکٹ جمع کرنے کے بارے میں جو مضمون شائع ہوا تھا اسے بھی لڑکوں نے بہت شوق سے پڑھا۔ ذرا بڑی عمر کے لڑکوں نے اس سے زیادہ دلچسپی ظاہر کی ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ننھے ننھے بھائیوں کو بھی ٹکٹ جمع کرنے یا اسی قسم کے کسی اور مشغلے کی طرف ابھی سے توجہ ہو جائے تاکہ شروع سے ہی ان میں اپنے شوق کی چیزوں کی تلاش اور انہیں سلیقے سے رکھنے کی عادت پیدا ہو اور وہ بے کار مشغلوں میں نہ پڑنے پائیں۔ علاوہ اس کے اس میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں جنہیں یہاں تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے ہمیں امید ہے کہ بچے ہماری اس بات کو پڑھ کر کوئی دلچسپ مشغلہ اپنے لئے اختیار کر لیں گے ہم اس بارے میں ان کی ہر ممکن مدد کے لئے تیار ہیں

---

اس پرچے میں ٹکٹوں کے بارے میں شمیم صاحب کا دوسرا مضمون شائع ہو رہا ہے اسے غور سے پڑھئے انھوں نے اپنے مضمون میں زیادہ زور اسی پر دیا ہے

کہ پہلے ہندوستان کے ٹکٹ جمع کئے جائیں۔ کیوں کہ خود ہندوستان میں اتنی مختلف قسم کے ٹکٹ ہیں کہ انھیں کو جمع کرنا ایک اہم کام ہے پھر بھی ان بھائیوں کے لئے جو ہندوستان سے باہر کے ٹکٹ بھی جمع کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ۔

" میرے پاس ہندوستان سے باہر کے ٹکٹ بہت ہیں۔ نئے جمع کرنے والوں کو میں مفت دے سکتا ہوں لیکن ڈاک کا خرچ بھیجنا ضروری ہے اس لئے جو صاحب ۲ ؍ کے ٹکٹ بھیج دیں گے۔ انھیں ۱۰۰ ٹکٹ بھیج دئے جائیں گے۔

پتہ یہ ہے:- محمد شمیم۔ ڈاک خانہ دسنہ ضلع پٹنہ

---

سید مسعود علی صاحب کو تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ ہمارے بہت پرانے مضمون نگار ہیں ان کے ایک تازہ خط سے ہمیں یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ ان کے والد جناب مولانا حاجی حافظ صوفی سید محمد معصوم علی شاہ کا اسی مہینے میں یکایک انتقال ہو گیا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، عابد و زاہد، صوفی اور پرہیزگار، بڑی بڑی دور سے لوگ آکر فیض حاصل کرتے تھے ہندو ہو یا مسلمان ہر شخص آپ کو عزت اور احترام کی نظر دیکھتا۔ سچ ہے اچھے آدمیوں کی دنیا قدر کرتی ہے ہمیں اس افسوسناک حادثے میں جناب مسعود علی صاحب سے دلی ہمدردی ہے۔ ہم اپنی اور پیام بھائیوں کی طرف سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ انھیں اور ان کے دوسرے عزیزوں کو صبر عطا فرمائے۔ آمین

---

ہمیں افسوس ہے کہ پچھلے پرچے میں خالدہ ادیب خانم والے مضمون میں کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں صفحہ ۲۳ پر پہلے کالم کی آٹھویں اور نویں سطر میں سرویا کی جگہ آسٹریا اور دسویں سطر میں "آسٹریا والوں" کی جگہ سربیا والوں۔ بنا دو۔ ان ناموں کے بدل جانے سے سارا مضمون غلط ہو گیا ہے۔

---

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کو سالگرہ نمبر کو تمھاری طرح اور سب لوگوں نے پسند کیا۔ اخباروں اور رسالوں نے بھی اس پر بہت اچھی رائیں لکھی ہیں مشہور انگریزی اخباروں۔ ٹریبیون، ہندوستان ٹائمز

اور نیشنل کال نے بہت اچھے ریویو کئے ہیں، ٹریبیون کے ریویو کا خلاصہ یہ ہے :۔

رسالہ اپنی ظاہری آب و تاب دل چسپ مفید اور سہل مضامین اور اچھی نظموں کے اعتبار سے بہت کامیاب ہے۔ جامعہ سے ایسے ہی رسالے کی توقع تھی۔ مجموعی حیثیت سے اس میں بچوں کے لئے بہت قیمتی معلومات ہیں۔"

اردو کے مشہور روزانہ اخبار خلافت نے بہت طویل ریویو کیا ہے۔ ہم صرف یہاں دو تین سطریں نقل کرتے ہیں :۔

"........ یہ خاص نمبر اور بھی زیادہ دل چسپ اور مفید ہے اس میں بچوں کے ذوق اور معیار کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے اخلاقی اور علمی مضامین لکھے گئے ہیں۔ جو ان کے لئے بے حد نفع بخش ہیں۔ زبان اتنی آسان اور سہل ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے بچے باسانی سمجھ سکتے ہیں۔"

پنجاب کا بچوں کا ہفتہ وار اخبار "پریم" لکھتا ہے :۔

"........... تاسیس نمبر میں لڑکوں کے فائدے اور دلچسپی کے لئے ملک بھر کے مشہور لکھنے والوں سے بہت اچھے اچھے مضمون لکھوا کر شائع کئے گئے ہیں کہانیاں بھی ہیں۔ کام کی باتیں بھی۔ معلومات بھی، نقشے اور تصویریں بھی۔ پرچہ ایسا ہے کہ بچے اور بچیاں اسے پڑھ کر خوش ہوں گے۔"

دہلی کا مشہور ادبی رسالہ شاہجہاں لکھتا ہے :۔

"........... اس رسالے کی ضخامت "سو" صفحات سے بھی زیادہ ہے شروع سے آخر تک نہایت مفید مضامین نظم و نثر پر مشتمل ہے۔ تمام مضمون کار آمد عنوانوں پر نہایت سہل اور عام فہم زبان میں لکھے گئے ہیں۔ یہ مضامین نظم و نثر باتصویر بھی ہیں۔ جن سے رسالے کی دلکشی میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اگر یہ رسالہ اسی معیار پر شائع ہوتا رہا تو تھوڑے ہی عرصے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کرے گا۔"

بہت سے رسالوں اور اخباروں کی رائیں ہم اس وقت جگہ کی کمی کی وجہ سے نہیں لکھ سکے ہیں۔

---

ان کے علاوہ پیام تعلیم کے اور بہت سے قدردان بھائیوں اور بزرگوں نے اس پرچے کے بارے میں ہمیں خطوط لکھے ہیں۔ ان میں سے دو چار خطوں کا خلاصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

جناب شبیر حسین صاحب ہیڈ ماسٹر مارلین اسلامیہ اسکول مارہرہ اپنے مکرمت نامے میں تحریر فرماتے ہیں

"میں ہمیشہ سے پیام تعلیم کا مداح رہا ہوں ... تاسیس نمبر میں نے از ابتدا تا انتہا نہایت شوق سے پڑھا یقیناً ہر لحاظ سے قابل قدر چیز ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ پیام تعلیم ہندوستان کے ہر اردو داں طالب علم کے زیر مطالعہ رہے۔"

جناب مولوی امیر عالم صاحب اعوان (جگی) ایڈیٹر ترجمان سرحد پشاور تحریر فرماتے ہیں :۔

"..... نہایت صمیم قلب سے سال گرہ نمبر پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور دست بدعا ہوں کہ خدا جامعہ ملیہ اور پیام تعلیم کو دائمی زندگی عطا کرے۔"

ہمارے معزز مضمون نگار جناب سید ابو طاہر داؤد

صاحب ، بی ایس سی ' لکھ تحریر فرماتے ہیں :۔

" ... پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر شروع سے آخر تک دیکھا۔ خوب صورت تصویریں ۔ عمدہ لکھائی چھپائی ۔ بہترین مضامین غرض اب مجھے یہ کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ پیام تعلیم ایک زندہ رسالہ ہے۔ جو دن بدن ترقی کر رہا ہے ۔ اور منزل مقصود سے قریب تر ہو رہا ہے "

**جناب جواد صاحب میرٹھی تحریر فرماتے ہیں :۔**

" سالنامہ 'پیام تعلیم' اکتیس نمبر بچوں کے لئے امسال کی بہترین تصنیف ہے ۔ بڑی شخصیتوں کے ہمت افزا پیامات بچوں کے لئے پیاری پیاری نظمیں ۔ اور گیت ۔ مفید علمی اخلاقی ، علمی ، معاشرتی اور پر از معلومات مضامین دلچسپ قصے ۔ اور کہانیاں ، ڈرائنگ اور مختلف چیزوں کے نمونے ، معمے اور تصویریں اتنی کہ کوئی صفحہ بھی تصویروں سے خالی نہیں ۔ غرض ان ڈیڑھ سو صفحوں میں ہر چیز بچوں کے لئے موجود ہے "

میں جامعہ ملیہ اور اس کے عملے کو پیام تعلیم کے لکھنے پڑھنے والوں کو ، تمام بچوں کو ایسے شاندار پرچے کی اشاعت پر ہدیہ مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔

**جناب محمد احمد صاحب سبزواری ایڈیٹر نور س لکھتے ہیں :۔**

" رسالہ دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی مضامین بہت بہتر اور فائدہ مند ہیں ۔ مشاہیر کی تصاویر بھی خوب ہیں ۔ اور دوسری دلچسپ چیزوں کا تو ذکر ہی کیا ۔ میں آپ کو اس کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں ۔ خدا سے دعا ہے کہ آئندہ نمبر اس سے بھی بڑھ چڑھ کر رہے

**جناب سید مسعود علی صاحب میرٹھی تحریر فرماتے ہیں :۔**

" اکتیس نمبر دیکھا ۔ اور خوب دیکھا ۔ ماشاء اللہ چشم بد دور ۔ اس کامیاب کوشش پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں ۔ مضامین کا انتخاب حقیقت میں بہترین ہے ۔ میری دعا ہے کہ پیام تعلیم روز افزوں ترقی کرے ۔ آمین "

# انوکھے عدد

(ایک ماہر تعلیم کے قلم سے)

پچھلے پرچے میں ہم نے ایک چینی کتاب سے ایک انوکھا تعویذ نقل کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ پیام بھائیوں کو بہت پسند آیا۔ بہت سے بچوں نے خط لکھے ہیں کہ ایسے اور بھی انوکھے عدد بتائیے تو ہم اپنے بڑوں کو اور مدرسے میں دوسرے لڑکوں کو جاکر بتائیں۔ یا پہیلی کی طرح پوچھیں۔ ان لوگوں کا کہنا تو ماننا ہی پڑے گا۔

اچھا لو۔ ایک انوکھی بات تمہیں اور بتائیں۔ اور اب کی ہم کوئی ہندسے نہیں لکھتے، تم ہی کوئی عدد لے لو۔ جو تمہارا جی چاہے۔ مثلاً تم نے لیا ۵۶۷ اب اس عدد کو الٹ دو۔ تو ہوا ۷۶۵۔ اب بڑے عدد میں سے چھوٹے عدد کو گھٹا دو۔

| | | |
|---|---|---|
| ۷ | ۶ | ۵ |
| ۵ | ۶ | ۷ |
| ۱ | ۹ | ۸ |

جو کچھ بچے گا وہ ۹ سے پورا پورا تقسیم ہو جائے گا۔

اچھا اب جس عدد سے چاہو اس بات کو آزما لو

مثلاً ایک عدد لو　۷۲۸۳

اسے الٹا تو ہوا　۳۸۲۷

بڑے میں سے چھوٹا عدد گھٹایا

$$\begin{array}{r} ۷۲۸۳ \\ -\;۳۸۲۷ \\ \hline ۳۴۵۶ \end{array}$$

تو بچے

یہ بھی ۹ سے پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے

اب تم خود جتنے عدد چاہو لے کر خود دیکھو۔ ابھی یہ لکھتے لکھتے ہم سے ایک غلطی ہوئی اور اس سے ایک اور بات معلوم ہوئی ۷۲۸۳ کا الٹا کرنے میں سلسلہ وہ قائم نہ رہا اور ہم نے لکھ دیا ۳۲۷۸ عدد تو سب وہی رہے مگر ترتیب بدل گئی گھٹایا

$$\begin{array}{r} ۷۲۸۳ \\ -\;۳۲۷۸ \\ \hline ۴۰۰۵ \end{array}$$

۹ سے تقسیم کیا تو ارے یہ بھی پورا تقسیم ہو گیا!

اب تو ہم نے بہت سے اور عدد لیے۔ اور انھیں ٹھیک ترتیب سے الٹا نہیں کیا بلکہ یوں ہی گڈمڈ کر دیا۔ بڑے میں سے چھوٹے کو گھٹایا جو بچا وہ ہمیشہ ۹ سے پورا پورا تقسیم ہو گیا

کیسی اچنبھے کی بات ہے۔ اب تم بھی جو عدد چاہو لے کر دیکھ لو۔ اور اپنے دوستوں سے بھی پوچھو اگر کوئی عدد ایسا ملے جس میں یہ بات نہ پائی جاتی ہو تو ہمیں ضرور خبر کرنا۔

# عید کے دن

(از جناب ماسٹر سید صباح الدین صاحب بی ٹی علیگ)

آج عید کا دن ہے ۔ پھر رمضان کی عید!

ہر شخص خصوصاً بچے خوشی سے متوالے ہو رہے ہیں ۔ مگر میاں نسیم کے یہاں آج بڑی چہل پہل ہے بات یہ ہے کہ جب وہ عید کی نماز پڑھنے اپنے ابا کے ساتھ گئے تو اپنے درجے کے ساتھیوں اور بورڈنگ کے دوستوں کو کھانے کی دعوت دے آئے تھے ۔ اب یہ سب بچے جمع ہو گئے ہیں ، خوب خوشیاں منا رہے ہیں ۔ ہر ایک خوش نظر آ رہا ہے نئی نئی شرارتیں سوجھ رہی ہیں اور بڑے مزے کے کھیل کھیلے جا رہے ہیں ۔ ابھی انھوں نے آنکھ مچولی ختم کی تھی کہ بی نسیمہ بول اُٹھیں "چلو میں تمھیں ایسا کھیل بتاؤں کہ عمر بھر یاد رکھو"

نعیم ۔ کیوں نہیں آخر آفت کی پر کالا جو ٹھہریں"

نسیمہ ۔ "اچھا لو سنو! ہم میں سے ہر ایک کاغذ کا ایک ٹکڑا اور پنسل لے لے "

مجتبیٰ ۔ "پھر"

نسیمہ ۔ "پھر کیا پہلے یہ کام تو کر لو پھر آگے چلوں" ۔

مجتبیٰ نے ہر ایک کے ہاتھ میں کاغذ اور پنسل دے دی ۔ اب بی نسیمہ بولیں ۔ اچھا اب سامنے کی گھڑی دیکھو تمھیں ۵ منٹ دئے جاتے ہیں اتنی مدت میں تم سے جتنے حرف بھی لکھے جا سکتے ہیں لکھو ۔ جو سب سے زیادہ لکھے گا بیت اسی کی رہے گی ۔ بس تیار! ایک دو تین ۔

تمام لڑکوں اور لڑکیوں نے لکھنا شروع کیا ۔ مگر بی نسیمہ واقعی آفت کی پر کالا نکلیں ، ان کے حرف سب سے زیادہ تھے ، شاید گھر سے یاد کر کے آئی ہوں ۔

میاں مجتبیٰ سے کہاں رہا جاتا تھا بولے "میں اس سے بھی اچھا کھیل بتا سکتا ہوں ۔ اور یہ کھیل "ریل گاڑی" کا ہے

مجتبیٰ نے ایک لمبی سی رسی لی اور اس میں ایک انگوٹھی پرودی۔ تمام لڑکیاں اور لڑکے اسے پکڑ کر ایک دائرے کی شکل میں کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد میاں مجتبیٰ نے بڑی شان سے کہا "نسیم! تمھارا نام دہلی اسٹیشن ہے۔ نعیم تم کانپور ہو، اور نسیمہ تم الہ آباد۔ اسی طرح تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے نام رکھے گئے اب سب بچوں نے انگوٹھی کو زور سے رسی کے اندر ہی ادھر اُدھر گھمانا شروع کیا اس طرح کہ میاں مجتبیٰ کو پتہ نہ چل سکے کہ انگوٹھی جو ریل گاڑی کی طرح تیزی کے ساتھ چل رہی تھی کہاں پر ٹھہرتی ہے۔ یعنی کس اسٹیشن پر رکتی ہے میاں مجتبیٰ اندازاً نام لے رہے تھے۔ وہ دہلی کہتے تو انگوٹھی (یعنی ریل گاڑی) علی گڑھ کے پاس ٹھہری ہوتی اور کانپور بتاتے تو الہ آباد کے پاس گاڑی ٹھہرتی۔ آخر بڑی مشکل سے انھوں نے ٹھیک اسی جگہ کا نام بتایا جہاں ریل گاڑی ٹھہری ہوئی تھی اب میاں مجتبیٰ دائرے کے اندر داخل کر لئے گئے اور دوسرا لڑکا باہر نکال دیا گیا جس کے اسٹیشن کا نام مجتبیٰ نے ٹھیک ٹھیک بتادیا تھا اور جب اس نے بھی اسٹیشن کا نام ٹھیک ٹھیک بتادیا جہاں گاڑی ٹھہرتی تھی تو وہ دائرے میں لے لیا گیا اور دوسرا نکال دیا گیا۔ بڑا دلچسپ کھیل تھا۔

میاں نعیم بھلا کیوں خاموش رہتے۔ بولے "میں اس سے بھی زیادہ دلچسپ کھیل کھلاؤں گا" میں کمرے کے اندر جاتا ہوں۔ وہاں سے تم میں سے ہر ایک کو پکاروں گا۔ دیکھو باری باری سے جس کا نام لوں وہی آئے۔" یہ کہہ کر میاں نعیم اندر چلے گئے۔ باہر بچوں میں ایک خاص قسم کی بے چینی پھیلی ہوئی تھی کہ دیکھئے یہ حضرت کیا رنگ لاتے ہیں۔ اتنے میں انھوں نے پکارا "جمیل"!

جمیل دوڑ کر اندر داخل ہوئے دیکھا کہ میاں نعیم ایک لانبی سی کاغذی ٹوپی اوڑھے کھڑے ہیں



ہاتھ میں کوئی چیز لیئے ہوئے ہیں جس پر کپڑا ڈھکا ہے
میاں نعیم بولے "میں جادوگر ہوں تم کسی جانور کا نام
تو میں فوراً اسی کمرے میں تمھیں دکھا دوں گا۔ جمیل
جلدی سے بول اُٹھے "گدھا" نعیم نے فوراً اپنی
ہاتھ والی چیز پر سے کپڑا اٹھا دیا۔ یہ آئینہ تھا، اور
میاں جمیل کا چہرہ اس میں نظر آرہا تھا، جمیل!
لو دیکھ لو بھائی عین مین گدھا! دیکھ لیا نا؟

جمیل بے چارے اپنا سا منہ لے کر ایک
طرف کھڑے ہو گئے۔ نعیم نے ایک زور کا قہقہہ
لگایا۔

اب نسیمہ کی باری تھی۔ ان سے بھی اسی
طرح پوچھا گیا۔ کون سا جانور دیکھنا چاہتی ہو؟
وہ بولیں 'طوطا' نعیم نے جھٹ آئینہ کھول کر دکھا دیا
اور کہا "لو یہ دیکھو طوطا"۔ نسیمہ یہ دیکھ کر بس شرما ہی
تو گئیں۔ خاص کر جب انھیں یہ خیال آیا کہ دن بھر
وہ طوطے کی طرح ٹیں ٹیں کیا کرتی ہیں تو اور بھی
شرمندہ ہو گئیں۔

میاں نعیم اسی طرح اپنے تمام ساتھیوں
کو شرمندہ کرکے خوش ہو رہے تھے کہ جمیل نے
ایک نیا کھیل نکالا۔ سب لڑکوں اور لڑکیوں
کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں۔ صرف جمیل
اور جمیلہ چھوڑ دیئے گئے۔ اب ہر لڑکے کے ہاتھ میں
ایک ایک چمچہ اور ایک ایک پیالی دے دی گئی
پیالیوں میں شکر ڈال دی گئی اور یہ حکم ہوا کہ ہر لڑکا
ایک لڑکی کو پیالی سے شکر کھلائے۔ مگر ساتھ ہی یہ
بھی بتا دیا گیا کہ کون لڑکا کس کو کھلائے۔ مثلاً نعیم
نعیمہ کو اور نسیم نسیمہ کو، وغیرہ۔ اب میاں جمیل
اور جمیلہ نے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کو آپس میں گڈمڈ
کر دیا۔ کہ اور بچوں کو یہ پتہ چلانا مشکل ہو گیا کہ کون
کسے شکر کھلائے گا۔ بڑے مزے کا کھیل تھا۔



ہر ایک اپنی اپنی حماقت پر بے اختیار ہنس رہا تھا
اتنے میں ایکا ایکی میاں نسیم کی امی کمرے میں داخل

ہوئیں۔ وہ بھی دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ اور پوچھا کیا ہو رہا ہے"۔

جمیل۔ خرگوشوں کو غذا دی جارہی ہے"۔ اس پر سب بچے کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

میاں مجتبیٰ نسیم کی ماں سے بولے اب آپ کوئی کھیل کھلائیں۔

نسیم کی ماں:۔ ہاں ہاں میں شیروں کو غذا کھلانے کا کھیل کھلاؤں گی۔ اچھا ادھر دوسرے کمرے میں آؤ۔

سب بچے دوڑ پڑے۔ دوسرے کمرے میں جاکر دیکھا تو دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ اور اس پر ہر قسم کا کھانا، بریانی، قورمہ، کباب، زردہ فیرنی اور رنگ برنگ کے پھل بڑے سلیقے سے چنے ہوئے تھے۔ نسیم کی ماں نے کہا۔ لو بھئی شیرو! تم ذرا اس دسترخوان پر بیٹھ جاؤ۔ اب یہ کھیل کس طرح شروع اور کیسے ختم ہوگا۔ یہ تم جانو!

---

تم بھی یہ کھیل کھیلنے کی کوشش کرو۔ بہت دلچسپ ہیں۔ کچھ ایسے مشکل بھی نہیں۔ نسیم کی ماں نے جو کھیل کھلایا وہ تو بہت ہی آسان ہے۔ مگر اس کے لئے ایک بات کی بڑی ضرورت ہے۔ کس بات کی؟ اب یہ تم خود ہی سوچو۔ مگر اتنا ہم تمھیں بتا دیں کہ تمھارے پاس ماشاءاللہ اس چیز کی کمی نہیں۔

## دلچسپ شعبدہ

(چھوٹے بچوں کے لئے)

ہم تمھیں ایک شعبدہ بتلاتے ہیں ذرا اپنے دوستوں کے سامنے کرو تو۔ دیکھو کیسا لطف رہتا ہے شعبدہ یہ ہے:۔

ایک پیالے میں پانی لاؤ اور تھوڑا سا نمک اپنے ہاتھ میں لو اب اپنے دوست سے کہو کہ دیکھو! میرے ہاتھ میں نمک ہے اسی پیالے میں ڈال دوں گا اور ذرا بھی نہیں بھیگے گا۔ تمھارے دوست بڑے حیران ہوں گے اور کہیں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ذرا ہمیں دکھاؤ تو۔ اب تم نمک خوب اچھی طرح مٹھی میں بند کر لو۔ اور پانی پیالے میں ڈال کر باہر نکال لو۔ نمک ذرا بھی نہ بھیگے گا۔ کیوں! کیسا آسان ہے؟

# ٹکٹ جمع کرنا

(از جناب شمیم احمد صاحب جامعی)

ایڈیٹر صاحب سے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ تمھیں میرے مضمون سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی اور تم نے اس کے بارے میں بہت سے خط لکھے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم میں سے بہت سے بچوں نے ٹکٹ اکٹھا کرنے شروع کر دئے ہوں گے بہت سے بچے تو پہلے ہی جمع کرتے ہوں گے۔ نئے جمع کرنے والوں نے بھی اب تک کچھ نہ کچھ جمع کر لئے ہوں گے۔

اس وقت ہم تمھیں ٹکٹ جمع کرنے کی دو ایک آسان سی صورتیں بتاتے ہیں۔ پرانے ٹکٹ تمھیں پرانے خطوں اور لفافوں وغیرہ پر ملیں گے اپنے یہاں کے پرانے صندوق میں دیکھو۔ شاید کہیں پڑے ہوئے مل جائیں یا اپنے بزرگوں یا بڑی بوڑھیوں سے پرانے خط مانگو۔ کیا تعجب جو ان میں تمھیں کچھ قیمتی ٹکٹ ہاتھ لگ جائیں۔ اگر اپنے یہاں نہ ملیں تو اپنے دوستوں اور ہمجولیوں کے یہاں ڈھونڈو نئے (دھرے لگے ہوئے) ٹکٹ دکان داروں کے پاس ملیں گے اُن کے یہاں پارسلوں وغیرہ پر۔ بڑی بڑی قیمتوں کے ٹکٹ آتے ہیں۔ یہ اُن کے لئے بے کار ہیں۔ مگر تمھارے فائدے اور کام کی چیز ہیں۔ اپنے بڑے بھائی صاحب یا والد صاحب سے درخواست کرو کہ وہ یہ ٹکٹ تمھیں لا دیا کریں نہیں تو تم خود ان سے دوستی پیدا کر لو۔ اور اُن سے کہو کہ وہ جمع کر کے تمھیں دے دیا کریں

اس کا خیال رہے کہ جو ٹکٹ بھی تمھیں ملیں سب جمع کر لو۔ جو ٹکٹ تمھارے مرقع (ٹکٹ جمع کرنے کی کاپی) میں نہ ہوں انھیں اس پر چپکا لو۔ لیکن جو زیادہ ہوں انھیں بھی احتیاط سے رکھ لو۔ اس کا فائدہ ہم تمھیں آگے چل کر بتائیں گے

ہم نے پچھلے مضمون میں بتایا تھا کہ نئے

جمع کرنے والے پہلے ہندوستان کے ٹکٹ جمع کریں اسے پڑھ کر تم میں سے بہت سے بچے ہنسے تو ضرور ہوں گے کہ واہ صاحب کیا بات بتائی ہے۔ ہندوستان کے ٹکٹ تو ہر جگہ ملتے ہیں انھیں کیا جمع کریں۔ مگر بھائی! معاف کرنا، یہ بڑا غلط خیال ہے۔ ہندوستان کے ٹکٹ ایک دو نہیں سینکڑوں قسم کے ہیں۔ ذرا غور سے سنو۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ٹکٹ کا رواج کب سے ہوا۔ اور ہندوستان میں یہ کب سے چلتے ہیں ۱۸۴۰ء میں انگلستان کے ایک شخص رولینڈ ہل نے سب سے پہلے ایک آنے کا ٹکٹ ایجاد کیا تھا۔ یہ ایجاد اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام دنیا میں ٹکٹ کا رواج بجلی کی طرح پھیل گیا۔ اس کے بارہ برس بعد یعنی ۱۸۵۲ء میں ہندوستان میں بھی سب سے پہلے آدھ آنہ (۲ ر) والا ٹکٹ چلا تھا۔ لیکن یہ ایک ہی ضلع کے لئے خاص تھا۔ پھر دو برس بعد یعنی ۱۸۵۴ء میں ہندوستان کے تمام سرکاری علاقے میں (ریاستوں کو چھوڑ کر) ٹکٹ جاری ہوگئے۔ گویا ہندوستان میں ٹکٹوں کے رواج کو تراسی برس گزر چکے ہیں۔ اب دیکھو اتنے زمانے میں کتنے بادشاہ بدل گئے ۱۸۵۸ء تک تو کمپنی بہادر کے ٹکٹ رائج تھے۔ اس کے بعد ۱۸۵۸ء سے ۱۹۰۱ء تک ملکہ وکٹوریہ کے ٹکٹ چلتے رہے۔ بلکہ وکٹوریہ کے ٹکٹوں میں اس کے بڑھاپے کی تصویر بھی ہے اور اس کی جوانی کی بھی۔ وکٹوریہ کے بعد اس کا بیٹا ایڈورڈ ہفتم تخت پر بیٹھا تو اس کی تصویر ٹکٹ پر چھاپی گئی۔ جب ۱۹۱۰ء میں ایڈورڈ کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے شہنشاہ جارج پنجم بادشاہ بنائے گئے۔ اب ان کی تصویر ٹکٹ پر آگئی۔ اس طرح چار قسم کے ٹکٹ تو صرف تصویر کے اختلاف کی وجہ سے ہو گئے

اچھا اب ٹکٹ کی قیمت کو لو۔ کچھ جانتے ہو کہ ڈاک خانے میں کئی روپے تک کے ٹکٹ ملتے ہیں۔ اگر نہیں معلوم ہے تو اپنے یہاں کے ڈاک بابو سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائے گا کہ پچیس روپے تک کے ٹکٹ ہوتے ہیں۔ دیکھو آج کل اتنی قیمتوں کے ٹکٹ ملتے ہیں۔ ایک پیسہ (ـ ر) دو پیسے (ـ ر)

تین پیسے (۳ر) ، ایک آنہ (۱ر) ، پانچ پیسے (۵ر)
چھ پیسے (۱۰ر) ۲ر ، ۲۰ر ، ۳ر ، ۴ر ، ۸ر ، ۱۲ر ،
ایک روپیہ ، دو روپیے ، پانچ روپیے ،
دس روپیے ، پچیس روپیے ،

ہر بادشاہ کے زمانے میں ایسے ہی مختلف قیمتوں کے ٹکٹ رائج تھے۔ بعض ٹکٹ ایسے بھی ہیں جن کا رواج پہلے نہیں تھا اب ہوا ہے مثلاً تین پیسے اور پانچ پیسے والے ٹکٹوں کا۔

اس کے بعد رنگ کا اختلاف لو۔ ایک ہی قیمت کے ٹکٹ ایک ہی بادشاہ کے زمانے میں، مختلف رنگوں میں چھپے ہیں۔ مثلاً ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کا ایک پیسہ والا ٹکٹ دو رنگوں میں چھپا ہے۔ اسی طرح آج کل کے تین آنے ، ڈھائی آنے دو آنے ، چھ پیسے اور ایک آنے والے ٹکٹ مختلف رنگوں میں چھپے ہیں۔ پھر ایک ہی رنگ کبھی گہرا ہوتا ہے اور کبھی ہلکا۔ مثلاً ایک آنے والے ٹکٹ کا رنگ گہرا سرخ بھی ہے۔ ہلکا سرخ بھی ، اور درمیانی سرخ بھی۔

اب ٹکٹ پر جو لکھا رہتا ہے اس کا اختلاف دیکھو۔ ٹکٹ پر دو چیزیں لکھی ہوتی ہیں۔ ایک تو ٹکٹ کی قیمت دوسرے انڈیا پوسٹیج اینڈ ریونیو۔
India postage and revenue
یا صرف انڈیا پوسٹیج Indiapostage
ایک ہی قیمت کے ٹکٹوں پر دونوں عبارتیں ملیں گی کسی پر پہلی عبارت ہوگی کسی پر دوسری۔ مثلاً ایک آنے کے ٹکٹ پر شروع میں پہلی عبارت لکھی ہوئی تھی۔ اور اب صرف دوسری ہوتی ہے۔ یعنی انڈیا پوسٹیج ، یہی چار آنے ، دو آنے اور دو پیسے کے ٹکٹوں کا حال ہے

اچھا اب ہم ایک اور بڑا فرق بتائیں۔ تم نے وہ ٹکٹ بھی دیکھے ہیں جو سرکاری لفافوں پر ہوتے ہیں۔ عام ٹکٹوں میں اور ان میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ان پر انگریزی میں یا تو سروس (Service) لکھا ہوتا ہے یا یہ لکھا ہوتا ہے آن ، ایچ ، ام ، اس۔ On. H.M.S. دوسری عبارت مختلف ہے۔ اس کے معنی ہیں "سرکار کے کام پر"

جب ڈاک خانے میں کسی قیمت کے ٹکٹ

زیادہ ہو جاتے ہیں تو اس کی قیمت بدل دیتے ہیں۔ تم تلاش کروگے تو تمھیں دو پیسے والا ٹکٹ مل جائے گا جس پر انگریزی میں یہ لکھا ہوگا یا ایک آنے کے ٹکٹ پر نائن پائیز (Nine pice)

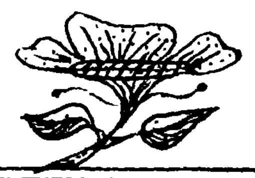
بعض ٹکٹوں پر تمھیں یہ حروف موٹے موٹے لکھے ہوئے ملیں گے۔ آئی، ای، ایف (I. E. F) یا سی، ای، ایف (C. E. F)

ان کے علاوہ ہندوستانی ٹکٹوں میں تمھیں ایک اور فرق نظر آئے گا جس طرح روپئے کے نوٹ میں واٹر مارک یا آبی نشان ہوتا ہے اسی طرح بعض ٹکٹوں میں بھی ہوتا ہے۔ اگر تم روشنی میں ٹکٹ کو اس طرح پکڑ لو کہ ٹکٹ کے پیچھے کا حصہ تمھاری طرف ہو اور پھر غور سے دیکھو تو تمھیں ستارہ سا بنا ہوا نظر آئے گا۔ ٹکٹ کو پانی میں بھگونے سے بھی یہ نشان نظر آجاتا ہے۔ لیکن یہ سب ٹکٹوں میں نہیں ہوتا۔

ٹکٹوں کی ایک قسم یادگاری ٹکٹ ہوتی ہے۔ جب ملک میں کوئی خاص بات ہوتی ہے تو ایسے ٹکٹ نکلتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ۱۹۳۱ء میں جب سرکاری دفتر پرانی دلی سے نئی دلی چلے گئے تو ایک دربار ہوا تھا۔ اس موقع پر نئے ٹکٹ نکلے تھے۔ یہ معمولی ٹکٹوں سے دوگنا بڑے تھے، ان میں نئی دلی کی کوئی عمارت بنی ہوئی ہے اور ساتھ ہی بادشاہ کی تصویر بھی ہے۔ یہ ٹکٹ تمھیں جہاں ملیں اور جتنے ملیں سب رکھ لو۔ نہ ملیں تو تلاش کرو۔ یہ تمھارے بہت کام آئیں گے۔

ابھی ہوائی ٹکٹوں کا ذکر تو باقی رہ گیا ہے تمھیں معلوم ہے کہ اب ڈاک ہوائی جہاز کے ذریعے بھی جاتی ہے۔ اس میں زیادہ پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کا محصول بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز سے جو ڈاک جاتی ہے اس میں معمولی ٹکٹ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کے لئے خاص ٹکٹ بھی تیار کئے گئے ہیں۔

مضمون بہت لمبا ہو گیا ہے اور ابھی تک ہندوستان کے ٹکٹوں کی قسمیں ختم نہیں ہوئی ہیں۔ اچھا اب تم اتنی قسم کے ٹکٹ تو جمع کرو۔ پھر دوسری قسمیں بتائیں گے۔



# بندروالا

(از جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیر جامعی۔ ماڈرن ہائی اسکول دہلی)

ڈگ ڈگ کرتا آیا ۔۔۔ بندروالا بندر لایا
ہاتھوں میں اک موٹا سا ڈنڈا ۔۔۔ ڈنڈے میں ایک لال سا جھنڈا
کندھے پر میلا سا جھولا ۔۔۔ ساتھ میں بندر بھولا بھالا
بندر کے ساتھ اک بندریا ۔۔۔ پہنے ہوئے اک لال گھگریا
کوچوں بازاروں سے گذرتا ۔۔۔ چوک میں آیا ڈگ ڈگ کرتا
دیکھا یہاں لوگوں کا جمگھٹ ۔۔۔ اس نے کھیل جمایا جھٹ پٹ
جب لوگوں نے گھیرا باندھا ۔۔۔ چھلنے لگا کاندھے سے کاندھا
لے کر ڈنڈا رکھ کر جھولا ۔۔۔ بندروالا ہنس کر بولا
ناچو بیٹا! ناچو بیٹا! ۔۔۔ بندر نے بھی جسم سمیٹا
اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر ۔۔۔ گردن اور کولھے مٹکا کر

جھجکا اور نہ کچھ شرمایا　　　تھرک تھرک کر ناچ دکھایا



دیکھو تو سسرال میں جانا　　　اور بیوی کو ساتھ میں لانا
بیوی پہلے تو شرمائی　　　پھر وہ چھم چھم کرتی آئی
لڑکوں نے بندر کو ستایا　　　بندر کو بھی غصہ آیا
جھپٹا ان پر ڈنڈا لے کر　　　اُن کو ڈرایا بھبکی دے کر
کر کے تماشے ایسے ایسے　　　سب لوگوں سے پیسے مانگے
صبح کا وقت تھا ٹھنڈا ٹھنڈا　　　چلتا بنا لے جھولا ڈنڈا

# دہلی کے بادشاہ

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

~~پچھلے مضمون میں ہم نے جامع مسجد کا حال لکھنے کا وعدہ کیا تھا لیکن بعد میں خیال آیا کہ پہلے~~ دہلی کے بادشاہوں کا سلسلہ وار حال بتا دینا چاہئے تاکہ جب ہم عمارتوں اور عمارتوں کے بنانے والے بادشاہوں کا ذکر کریں تو یہ سمجھنے میں دقت نہ ہو کہ یہ بادشاہ کب گذرے تھے۔ ان کے پہلے کون کون بادشاہ ہوئے اور ان کے بعد کون کون ہوئے۔ اسی خیال سے اس مرتبہ ہم دہلی کے بادشاہوں کا حال لکھتے ہیں۔ عمارتوں کا حال اگلے پرچے سے شروع کریں گے۔

یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ ہندوستان کے زیادہ تر بادشاہ دہلی میں رہتے تھے۔ اب سے کوئی ساڑھے سات سو برس پہلے افغانستان کے ایک بادشاہ محمد غوری نے دہلی پر حملہ کیا اور یہاں کے راجہ پرتھوی راج سے اسے جیت کر اپنے ایک ترکی غلام قطب الدین ایبک کو یہاں کا بادشاہ مقرر کیا۔ اسی بادشاہ نے قطب مینار کی بنیاد ڈالی۔ قطب الدین ایبک سے لے کر ۸۰ برس تک جو بادشاہ گذرے وہ غلام خاندان کے بادشاہ کہلاتے ہیں۔ ان میں سلطان التمش اور رضیہ سلطانہ زیادہ مشہور ہیں۔ سلطان التمش نے قطب مینار کو پورا کیا تھا۔

غلام خاندان کے بعد خلجی خاندان کی حکومت ہوئی۔ اس خاندان نے کوئی تیس برس حکومت کی ہوگی۔ اس کا سب سے مشہور بادشاہ علاء الدین خلجی گذرا ہے۔

خلجیوں کے بعد تغلق خاندان شروع ہوا۔ انھوں نے بھی ۹۵ برس تک حکومت کی۔ اس خاندان کے مشہور بادشاہ محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق تھے۔ فیروز شاہ نے ایک قلعہ بنوایا تھا

جو فیروز شاہ کے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے
تغلق خاندان کے بعد سیدوں کی حکومت ہوئی۔ انھوں نے کوئی ۴۰ برس بادشاہت کی، اُن میں کوئی مشہور بادشاہ نہیں ہوا۔

سیدوں کے بعد لودھیوں کی حکومت شروع ہوئی۔ لودھی خاندان نے ۷۵ برس تک سلطنت کی۔ اُن کا آخری بادشاہ ابراہیم لودھی تھا۔ اور اسی سے مغل بادشاہ بابر نے دہلی فتح کی۔

اسی طرح پٹھانوں کے پانچ خاندانوں نے کوئی سوا تین سو برس یہاں حکومت کی۔ ان کے بعد مغلوں کی بادشاہت شروع ہوگئی

بابر نے صرف چار پانچ سال حکومت کی ان کے بعد ان کے بیٹے ہمایوں تخت پر بیٹھے ہمایوں کا مقبرہ دہلی کی مشہور عمارتوں میں ہے۔ ہمایوں نے ابھی کوئی دس برس ہی حکومت کی تھی کہ ایک پٹھان بادشاہ شیر شاہ سوری نے ان سے تخت چھین لیا، لیکن شیر شاہ اور اس کا خاندان پندرہ برس سے زیادہ حکومت نہ کرسکے اور ہمایوں بادشاہ نے اپنی سلطنت پھر واپس لے لی۔ مگر ایک سال بعد ہی ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور ان کے بیٹے اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے۔ اکبر کی عمارتیں زیادہ تر آگرے میں ہیں۔ فتح پور سیکری کی عمارتیں اور آگرے کا قلعہ انھیں کا بنوایا ہوا ہے۔

اکبر نے کوئی پچاس برس حکومت کی ان کے بعد ان کے بیٹے جہانگیر بادشاہ ہوئے نور جہاں ان ہی کی مشہور ملکہ تھیں۔ انھوں نے کوئی ۲۳ برس حکومت کی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے شاہ جہاں تخت پر بیٹھے۔ عمارتوں کے معاملے میں یہ سب سے مشہور گذرے ہیں۔ آگرہ کا تاج محل اور دہلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ ان ہی کا بنوایا ہوا ہے۔

شاہ جہاں ۳۲ برس تک بادشاہ رہے اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت ہوئی۔ انھوں نے بھی پچاس سال کے قریب بادشاہت کی۔ ان کے بعد کوئی ڈیڑھ سو برس

تک ان کے خاندان میں حکومت رہی اور غدر کے بعد سے دہلی انگریزوں کے قبضے میں آگئی گویا مغلوں نے بھی کوئی سوا تین سو برس حکومت کی۔

اورنگ زیب کے بعد کے مغل بادشاہوں کے نام اور ان کی بادشاہت کی مدت ہم نیچے لکھے دیتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| بہادر شاہ | ۶ برس |
| فرخ سیر | ۷ " |
| محمد شاہ | ۲۹ " |
| احمد شاہ | ۷ برس |
| عالمگیر ثانی | ۶ " |
| شاہ عالم | ۴۷ " |
| اکبر شاہ ثانی | ۳۳ " |
| بہادر شاہ ظفر | ۲۰ " |

امید ہے کہ اب عمارتوں کا حال بیان کرتے ہوئے جب ہم ان کے بنانے والے بادشاہوں کا ذکر کریں گے تو تمھیں یہ سمجھنے میں مشکل نہ ہوگی کہ یہ بادشاہ کون تھے اور کس زمانے میں تھے۔

## دلچسپ شعبدہ

(چھوٹے بچوں کے لئے)

یہاں ہم ایک اور شعبدہ بتاتے ہیں۔ یہ اس سے بھی دلچسپ ہے، ایک دیاسلائی دکھاکر اپنے دوست سے کہو کہ میں اس دیاسلائی کو زمین پر ایسی جگہ رکھ سکتا ہوں کہ تم اس دیاسلائی پر سے کود نہیں سکتے، تمھارا دوست اس بات پر ہنس دے گا۔ اور کہے گا کہ یہ ممکن ہی نہیں اچھا رکھ کر دکھاؤ دیکھیں تم کہاں رکھتے ہو۔

اب تم دیاسلائی کو کمرے کے کونے میں زمین پر رکھ دو اور اگر تم سڑک پر ہو تو بالکل دیوار سے لگا کر زمین پر رکھ دو۔ اب بتاؤ کون اس پر سے کود سکے گا۔

اور دل حاصل کریں۔ دل میں یہ ٹھانی اور
پہنچا خوشحال کے پاس اور کہنے لگا
"بڑے میاں دو سو روپیہ روز تو کوئی
چیز نہیں، اگر تم وہ پرندہ پکڑ لاؤ جو یہ قیمتی انڈا
دیتا ہے، تو جو مانگو سو پاؤ۔ اتنا دوں کہ لٹائے
ختم نہ ہو، خوشحال تو ابھی کچھ کہنے بھی نہیں
پایا تھا کہ بی مہر بانو دکان دار کی ہاں میں
ہاں ملانے لگیں اور لگیں بڈھے کو پرندہ
پکڑ لانے کے لئے تاکید پر تاکید کرنے۔

دکاندار نے پانسو روپے پیشگی بھی دیئے۔
اب تو بڑے میاں بھی پسیجے۔ دوسرے
دن خوشحال لکڑیوں کا گٹھا باندھ اس کی اوٹ
میں بیٹھ گیا۔ اور جوں ہی پرندہ گٹھے پر انڈا
دینے بیٹھا، بڑے میاں نے جھپٹ کر اس
کی ٹانگیں دبوچ لیں۔ پرندے نے جان
بچانے کے لئے بہت زور مارا۔ مگر بڑے
میاں کے بازوؤں میں تو پانچسو روپے نے
خوب زور بھر دیا تھا۔ زخمی بھی ہوئے مگر
پرندے کو نہ چھوڑا۔ آخر پرندہ بغل میں دبائے
خوشحال نے شہر کا رستہ لیا۔

حمید اور سعید مکتب میں پڑھتے تھے،
ان کو پرندے کے انڈے اور دکان دار
کے سودے اور تاکید کا حال خوب معلوم
تھا، آج مولوی صاحب نے ان کو اس
پرندے کا حال بھی سنایا۔ اور بتایا کہ اس
کی شکل وصورت یہ ہوتی ہے۔ رنگ یہ ہوتا
ہے اور جس کے پاس اس کی کلغی ہو وہ بادشاہ
بن جاتا ہے، جس کے پاس اس کا دل ہو اس
کے ہاں دولت کی ریل پیل رہتی ہے، خوشحال
تو پرندہ مہر بانو کے حوالے کرکے لکڑیاں بیچنے
شہر چلا گیا، اور مہر بانو پرندے کو ایک ٹاپے
کے نیچے بند کرکے کچھ سودا خریدنے اور دکاندار
کو اطلاع کرنے چلی گئی۔ بچوں کو جو کھانا کھانے کی
چھٹی ہوئی انھوں نے اس پرندے کو دیکھا
اور گھر پایا خالی، اس کو ذبح کیا اور ایک نے
کلغی اور دوسرے نے دل لے کر باقی گوشت
پکنے کو چولھے پر چڑھا دیا۔ مہر بانو تو راستہ
میں ایک سہیلی کے ہاں بیٹھ گئی، لڑکوں نے کچا

پکا گوشت کھایا اور اسکول کو بھاگے۔ جب وہ شام کے قریب گھر لوٹے تو کٹیا کے اندر سے لڑائی جھگڑے کی آواز آ رہی تھی، وہ دروازے پر رک گئے اور سنا کہ دکان دار مارے غصہ کے پاگل ہوا جا رہا ہے اور کہتا ہے کہ "اچھا تمھارے بچوں کی خیر نہیں، پانسو مٹھائی دیا اور اب کلغی اور دل ندارد۔"

بچوں نے جو یہ تقاضا سنا تو نوک دُم بھاگے، اور پانچ کوس پر جا کر دم لیا، خوشحال اور حمہ بانو بچوں کے کھو جانے پر اسقدر روئے کہ اپنے دیدے کھو بیٹھے۔

اب حمید اور سعید کا ماجرا سنئے،

حمید کے پاس پرندے کی کلغی تھی اور سعید کے پاس دل۔ وہ کئی روز تک سفر کرتے رہے آخر ایک دوراہے پر پہنچے وہاں پر انھوں نے ایک پتھر پر لکھا دیکھا۔

"اے دو لڑکو! دونوں ایک سڑک پر مت جاؤ۔ ایسا کرو گے تو تمھاری خیر نہیں۔ ایک داہنی طرف جاؤ اور دوسرا بائیں۔ جو داہنی طرف جائے گا وہ جلدی مراد حاصل کرے گا جو بائیں طرف جائے گا وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب تو ہوگا مگر مشکلوں میں پڑ کر اور پریشانیاں سہنے کے بعد۔ اب دونوں سوچ میں پڑے۔ آخر انھوں نے اس لکھے ہوئے کو غیبی فیصلہ سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی ٹھانی۔ سعید بڑا تھا اس نے حمید سے کہا بھائی تم چھوٹے ہو، تم وہ راستہ اختیار کرو جس میں جلد ہی مراد حاصل ہوگی اور میں مشکلات سے نبٹ لوں گا دونوں بھائی نہایت حسرت اور محبت سے گلے ملے اور ایک دوسرے کو "خدا حافظ" کہ کر اپنے اپنے راستہ پر پڑ لئے۔

باقی آئندہ

# بدر الدین صاحب چینی (بی اے جامعہ)

(ایڈیٹر)

جناب بدر الدین صاحب چینی پیام تعلیم کے پرانے مضمون نگار ہیں۔ ابھی سالگرہ نمبر میں ان کا ایک بہت اچھا مضمون "چینی بچے" کے عنوان سے چھپ چکا ہے۔ اب آپ ہندوستان میں اپنی تعلیم ختم کر کے گھر جا رہے ہیں۔ یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ بدر الدین صاحب چین کے رہنے والے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ چین میں کہاں کے رہنے والے ہیں، تو بھائی چین کوئی چھوٹی سی جگہ تو ہے نہیں، یہ بھی ہمارے ہندوستان کی طرح بہت بڑا ملک ہے، بلکہ ہندوستان سے بھی بڑا۔ اس کے کوئی اٹھارہ صوبے ہیں، انھیں میں ایک کا نام یونان ہے، ہمارے چینی صاحب اسی صوبے کے ایک شہر یونگ کنگ کے رہنے والے ہیں۔ ان کی والدہ زندہ ہیں، دو بھائی بھی ہیں، ایک بڑے ایک چھوٹے۔ چینی صاحب جان سی عزیز ماں اور پیارے بھائیوں کو چھوڑ کر وطن سے دور ہندوستان آئے ہیں، بھلا کوئی ایسی ہی بات ہوگی جس کی خاطر اپنے پیارے وطن، عزیزوں اور دوستوں کی جدائی گوارا کر کے، ایسے اجنبی اور غیر ملک میں آئے، جہاں نہ کوئی جان نہ پہچان، نہ کوئی زبان سمجھنے والا، نہ دوست نہ آشنا، تم بتا سکتے ہو وہ ایسی کون سی بات تھی؟ اچھا آؤ ہم تمھیں بتائیں یہ تکلیفیں اور یہ مصیبتیں انھوں نے محض اس لئے برداشت کیں کہ علم حاصل کریں اور پڑھ لکھ کر اپنی قوم اور اپنے وطن کے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ یہ شوق، ہمت اور حوصلہ ہم تم میں بھی پیدا کرے۔ آمین!

چین کا جہاز کلکتہ میں آکر ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے بدرالدین صاحب یہیں آئے، یہاں انھیں لوگوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا پتہ دیا۔ اور بتایا کہ تم وہاں جاکر سب کچھ سیکھ جاؤگے، اور تمھارا ہندوستان میں آنے کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو جائے گا

چینی صاحب تو یہی بات چاہتے تھے: وہ سیدھے جامعہ چلے آئے، یہاں کے طالب علموں اور استادوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے ساتھ ایسا محبت اور خلوص کا برتاؤ کیا کہ انھیں یہ بالکل محسوس نہ ہونے پایا کہ وہ وطن سے دور کسی غیر جگہ میں ہیں، اور اب وہ بھی بڑی مستعدی اور جوش کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں مشغول ہوگئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے بہت ترقی کر لی۔ ان کے استاد بھی ان سے بہت خوش تھے، سچ یہ ہے کہ جامعہ میں باہر کے ملکوں کے اور بھی بہت سے طالب علم آئے اور اب بھی ہیں، مگر جو کامیابی بدرالدین چینی صاحب نے حاصل کی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی

انھوں نے انگریزی زبان کی طرف خاص توجہ کی اور اردو اور عربی بھی ساتھ ساتھ سیکھتے رہے۔ کوئی چار سال میں انھوں نے جامعہ سے بی اے پاس کر لیا۔ ساتھ ہی عربی اور اردو بھی خوب سیکھ لی۔ یہاں تک کہ اردو میں تو تمھارے پیام تعلیم میں لیے اچھے مضمون بھی لکھنے لگے۔ پیام تعلیم کے علاوہ اردو کے اور بڑے بڑے پرچوں میں ان کے مضمون نکلنے لگے۔ اور اب تو انھوں نے اپنے وطن یعنی چین کے مسلمانوں کے حالات میں ایک بڑی سی کتاب بھی اردو میں لکھی ہے، جو ابھی کچھ دنوں بعد دار المصنفین اعظم گڑھ سے نکلے گی، جہاں سے اور بھی اسی طرح کی اچھی اچھی کتابیں نکلتی رہتی ہیں۔

اردو تو اردو، عربی زبان بھی انھوں نے اسی محنت سے سیکھی ہے۔ اس میں بھی وہ

مضمون لکھ لیتے ہیں، اور یہ مضمون عربی کے رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ جب وہ شروع شروع میں آئے تھے تو انھیں سوائے چینی زبان کے کچھ نہیں آتا تھا اب وہ یہ تینوں زبانیں اچھی طرح لکھ سکتے ہیں اور ان میں بے تکلف بات چیت بھی کر سکتے ہیں، بعض لوگوں کو بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اتنی تھوڑی سی مدت میں یہ سب زبانیں انھوں نے کیسے سیکھ لیں، مگر بھائی یہ تعجب کی کون سی بات ہے، جس کے دل میں شوق لگن بہت اور ارادہ ہوتا ہے وہ اس سے بھی بڑے بڑے کام کر دکھاتا ہے،

چینی صاحب کو اس بات پر بہت فخر ہے کہ انھوں نے جامعہ جیسی جگہ میں رہ کر تعلیم حاصل کی، ان کا خیال ہے کہ جامعہ ہی میں رہ کر انھیں یہ سہولتیں حاصل ہوئیں کہ وہ آسانی کے ساتھ بہت سی زبانیں سیکھ سکے،

چین میں بدرالدین صاحب کی طرح اور بھی بہت سے مسلمان رہتے ہیں چینی مسلمانوں کی تعداد ہندوستانی مسلمانوں سے کم نہیں بہرحال زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے چین کے مسلمان ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوستانی مسلمان چینی مسلمانوں کے حالات سے بالکل بے خبر تھے۔ بدرالدین چینی صاحب کا ہندوستان میں آنے کا ایک یہ بھی مقصد تھا کہ اس "بے خبری" کو ختم کیا جائے اور ایسی صورتیں نکالی جائیں کہ دونوں ملکوں کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال کی خبر ہو۔ اور ان میں تعلق اور دوستی پیدا ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس مقصد میں بھی انھیں پوری کامیابی ہوئی۔ اس لئے کہ جس طرح چین کے مسلمانوں پر انھوں نے اردو میں کتابیں لکھی ہیں، اسی طرح چینی زبان میں ہندوستان کے اور یہاں کے مسلمانوں کے حالات لکھے ہیں اور اردو کی بہت سی دینیات کی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

ویسے تو ہماری اردو زبان بہت سے ملکوں، ایران، عراق وغیرہ میں سمجھی اور کہیں کہیں بولی بھی جاتی ہے، مگر جہاں تک تعلق ہے ہمارے بیبی صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے زبان اتنی محنت شوق سے سیکھی اور اس میں اس قدر کمال پیدا کیا اور اس پر انھیں فخر ہے۔

جامعہ میں پڑھائی ختم کرنے کے بعد الدین صاحب ماسٹر ہوکر ندوہ چلے گئے تھے وہاں وہ انگریزی پڑھاتے تھے۔ مگر وہاں کے عربی کے استادوں سے عربی بھی سیکھتے رہے۔ اسی زمانے میں انھیں مصر جانے کا خیال پیدا ہوا اور اب وہ ندوہ کی ماسٹری چھوڑ کر اسی ارادہ سے بمبئی روانہ ہوگئے ہیں اور چند دن وہاں رہ کر مصر کے جہاز پر بیٹھ جائیں گے۔

بمبئی جانے سے پہلے دو چار دن کے لئے وہ دلی بھی آئے تھے مجھ سے انھوں نے کہا کہ پیام تعلیم کے ذریعہ میں پیام بھائیوں کو ان کا سلام پہنچا دوں انھوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ مصر سے وہ پیام تعلیم کے لئے مضمون برابر بھیجتے رہیں گے اور اپنے سفر کا حال بھی لکھیں گے جو بہت دلچسپ ہوگا

# سچائی کی چھڑی

(از آغا محمد جمیل خان صاحب پوپلزئی دراتی لدھیانہ)

ہری ایک غریب ہندو تھا شکل صورت اچھی، سولہ، سترہ سال کی عمر، مگر تھا غریب، ذات بھی کم درجے کی، اور تم جانو یہ دونوں چیزیں جب کسی میں ہوں تو ہر ایک اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہری بے چارے کو بھی کوئی منہ نہ لگاتا تھا۔ وہ اکثر دکھی ہو کر کہا کرتا۔ انسان سب خدا کے بنائے ہیں۔ پھر یہ اونچی ذات کے لوگ مجھ سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔

ایک دن وہ زندگی سے بیزار ہو کر شام کے وقت شوجی کے مندر کی طرف گیا۔ اس کے چہرے سے مایوسی ظاہر ہو رہی تھی اور بھوک پیاس سے بے دم ہو رہا تھا۔ وہ مندر کے پاس ہی ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر میں اسے نیند آگئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ مندر کا دروازہ کھلا ہے اور شوجی مہاراج اس کے سرہانے کھڑے ہنس رہے ہیں۔ ان کی ایک آنکھ ہے اور اس میں ایک ہیرا سورج کی طرح چمک رہا ہے۔ ہری غریب کانپنے لگا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ شوجی نے نہایت نرمی سے فرمایا کہ "ہری مانگ کیا مانگتا ہے"۔ ہری نے ڈرتے ڈرتے کہا "مہاراج مجھے محبت درکار ہے"۔ مجھے کوئی ساتھی دو۔ ایسا ساتھی کہ ہم ایک دوسرے کے دلی دوست اور خیر خواہ ہوں۔ شوجی نے ہنس کر کہا "ہری تو بڑا سمجھ دار ہے۔ ہم تجھ سے بہت خوش ہوئے ہیں۔ لوگ ہم سے دولت، عزت طاقت، شان و شوکت، دانائی اور حکمت مانگتے ہیں۔ تو نے وہ چیز مانگی ہے۔ جو ان سب سے اچھی ہے۔ ہم نے تیری درخواست منظور کی، اٹھ اور جنگل کے راستے سے شہر میں جہاں راجہ کا محل ہے جا۔ جنگل میں تجھے سچائی کی چھڑی ملے گی

جس کے بدن سے لگائے گا۔ وہ سچی بات بتلائے گا۔ اور تیری مراد پوری ہوگی۔ یہ کہہ کر شوجی غائب ہوگئے۔ اور ہری کی آنکھ کھل گئی۔ اس وقت مندر کا پجاری وہاں کھڑا تھا اور غصے میں لال پیلا ہو کر کہہ رہا تھا کہ مندر پاک جگہ ہے۔ یہاں صرف اونچی ذات کے لوگ آسکتے ہیں۔ یہاں سے دور ہوجا۔ یہ کوئی سرائے ہے کہ تو پاؤں پھیلا کر سو رہا ہے۔ ہری کا دل ٹوٹ گیا۔ اور وہاں سے چل دیا۔ راستے میں اس نے کہا کہ شوجی بھی عجیب بے پروا ہیں، مانگی تھی محبت اور دی لاٹھی۔ وہ جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جھاڑیوں کی طرف دیکھتا تھا، بے چارا ناامید ہو چلا تھا کہ ایک درخت کے نیچے اسے ایک لاٹھی دکھائی دی۔ جو بلور کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ سچائی کی چھڑی تھی۔ ہری نے خوش ہو کر اٹھالی۔ وہ چند قدم گیا تھا کہ اسے ایک بدشکل انسان ملا۔ جس کی آنکھیں سرخ اور ڈراونی تھیں۔ ہری نے چھڑی اس کے جسم سے لگائی۔ اور وہ مجبور ہو کر بولا کہ اس درخت کے

نیچے سات مٹکے دفن ہیں۔ جن میں اشرفیاں بھری ہوئی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ تو آگے بڑھ گیا ہری اس درخت کے نیچے پہنچا۔ تھوڑی سی مٹی ہٹائی اور ایک مٹکے سے سو اشرفیاں نکال اپنی پگڑی میں باندھیں اور پھر زمین برابر کردی۔ وہاں سے راجہ کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ راجہ کا وزیر ایک مشہور جادوگر تھا اس وقت وہ راجہ کے محل سے اطلس اور کمخواب کے چمکتے ہوئے لباس میں باہر آرہا تھا۔ ہری نے چپکے سے سچائی کی چھڑی اس کے جسم سے لگائی۔ اور اس نے کہا کہ ہاں راجہ کی بیٹی دس سال ہوئے میں نے محل سے چرائی تھی اس وقت وہ سات سال کی تھی میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی میرے لڑکے سے ہو۔ اور راجہ کے بعد میرا لڑکا تخت پر بیٹھے۔ ہری نے اسے پھر چھڑی سے چھو کر کہا کہ اب راج کماری کہاں ہے۔ وزیر نے تمام پتہ بتادیا۔ ہری ایک سوداگر کی دوکان پر گیا اسے سو اشرفیاں دیں اور اس سے ایک چمکدار خوب صورت تلوار خریدی۔ جو پتھر لکڑی

اور لوہے کو کاٹ سکتی تھی ۔ سوداگر نے چھڑی کی طاقت سے بہ قیمتی تلوار ہری کے حوالے کر دی ۔ تلوار کمر سے باندھ ہری پھر جنگل کی طرف چل پڑا ۔ کئی دن کے سفر کے بعد وہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا ۔ جہاں ایک عجیب بکری ۔ چر رہی تھی ، بکری کے سینگ نیلم کے اس کی آنکھیں لعل کی ۔ دانت ہیروں کے اور پوشیں ریشم کی تھی ۔ چھڑی کے چھودینے سے بکری آگے آگے چلنے لگی ۔ اور ایک غار کے کنارے کھڑی ہوگئی ہری آنکھیں بند کر کے غار میں کود پڑا ۔ اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ ایک باغ میں کھڑا تھا ۔ باغ کیا تھا جنت تھی ۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں بھینی بھینی خوشبوئیں آ رہی تھیں چشمے بہ رہے تھے ۔ پرندے میٹھے میٹھے گیت گا رہے تھے اور ایک سولہ سال کی لڑکی جس کا نام اندر تھا ہنسوں کو موتی کھلا رہی تھی ۔ ہری کو دیکھ کر پہلے تو وہ بہت ہنسی اور پھر رونے لگی ہری نے کہا تم روئیں کیوں اور ہنسیں کیوں اس نے کہا ہنسی اس لئے کہ مدت کے بعد انسان کی صورت دیکھی ہے اور روئی اس لئے کہ سانپ اور دیو مجھے آکر مار ڈالیں گے ، اسی اثنا میں ایک اژدہا غار کی طرف منہ کھولے ایک طرف سے ظاہر ہوا ۔ ہری نے چھڑی سے اسے چھودیا اور وہ رسی بن گیا ۔ پھر تین دیو جن کے سر ہاتھی کے اور جسم کتے کا تھا وہاں آئے اور ہری کی طرف دوڑے ۔ اس نے پھر چھڑی ان کی طرف کی اور وہ مٹی کے کھلونے بن گئے آخر کار ہری نے چھڑی گھمانی شروع کی جس سے وہ باغ بھی گھومنے لگا ۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ برف کی طرح پگھل رہا ہے یہ دیکھ کر ہری اور راج کماری ڈر گئے انھوں نے آنکھیں بند کر لیں ۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب آنکھیں کھولیں تو وہ دونوں راجہ کے محل کے سامنے کھڑے تھے ۔ راجہ نے اپنی بیٹی کو پہچان لیا ۔ وزیر نے سب قصور مان لئے ۔ اور راجہ کے حکم سے جلا وطن کیا گیا ۔ غریب ہری راجہ ہری رام بن کر راجہ کا داماد ہوا جب راجہ بہت بوڑھا ہو گیا تو اس نے راج پاٹ اپنے داماد اور بیٹی کے سپرد کیا اور آپ خدا کی یاد میں لگ گیا ۔



رمضان کے آخری جمعہ یعنی الوداع کے روز بڑی دور دور سے لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے آتے ہیں۔ لاکھوں آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ پوری مسجد ساری سیڑھیاں۔ آس پاس کی سڑکیں۔ مسجد کے سامنے کا باغ غرض ہر جگہ آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔



# ایران کا ایک مشہور شہر

## شیراز

(از سید احتشام علی نقوی حشمت، بدایونی)

پچھلے پرچے میں ایران کی دو عجیب غریب عمارتوں کا حال بیان کر چکا ہوں اس مرتبہ وہاں کے ایک مشہور شہر "شیراز" کا کچھ تھوڑا سا حال بیان کروں گا۔

فارسی کتابوں میں شیراز کا نام بہت آتا ہے۔ یہ بادشاہی وقتوں کا بہت پرانا مشہور شہر ہے۔ تم نے اپنے بزرگوں کے منہ سے حضرت حافظ شیرازیؒ اور حضرت شیخ سعدیؒ کا نام سنا ہوگا۔ یہ دونوں بزرگ یہیں کے رہنے والے ہیں۔ یہ ایران کے ایک صوبہ فارس کا دارالخلافہ ہے۔ اس شہر کے چاروں طرف پہاڑ ہیں شمال کی طرف جو ایک بڑا پہاڑ ہے وہ کوہِ سعدی کے نام سے مشہور ہے۔ پہاڑ کے نیچے حضرت شیخ سعدیؒ کا مزار ہے۔ یہ ایک بہت ہی خوبصورت باغ کے بیچوں بیچ میں ہے۔ مزار کے بائیں طرف روشن دان نظر آتے ہیں اور اُن کے مقابل میں ایک زینہ دکھائی دیتا ہے جو نیچے کو جاتا ہے۔ اس میں کوئی ایک سو پچاس سیڑھیاں ہوں گی اس زینے سے نیچے اترو تو ایک حوض ملے گا۔ اس کا پانی بہت شفاف ہے۔ یہ پانی پہاڑوں میں سے نکلتا ہے اور زمین کے نیچے سے بہتا ہوا اس حوض میں داخل ہوتا ہے "آبِ رکنا باد" یہی ہے۔ حوض میں رنگ برنگ کی خوب صورت مچھلیاں تیرتی ہوئی بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔

یہ پانی حوض میں سے نکل کر نہروں کے

ذریعے شہر میں جاتا ہے ۔ اور پھر نلوں کے ذریعے ہر گھر میں پہنچ جاتا ہے ۔ شیراز میں ہر گھر میں چھوٹا سا حوض ضرور ہوتا ہے ۔ یہ پانی اس حوض میں آ کر جمع ہوتا ہے ۔

جنوب کی طرف جو پہاڑ ہے اس کے دامن میں بھی ایک بہت شاندار باغ ہے ۔ اس میں قسم قسم کے خوب صورت پھولوں اور پھلوں کے درخت ہیں ۔ یہ باغ "دل کشا" کے نام سے مشہور ہے اور ایک ایرانی شہزادی "مہ لقا" کا بنوایا ہوا ہے اس کے بنوانے میں ۱۵ لاکھ تومان یعنی ۵۳ لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے اس باغ کے ایک کنارے پر حضرت خواجہ حافظ شیرازی کا مزار ہے ۔ اس مزار پر کچھ عجیب نور برستا ہے اس کے چاروں طرف بڑے بڑے بادشاہوں اور بزرگوں کے مزار ہیں

پورب کی طرف جو پہاڑ ہے اس کی چوٹی پر ایک مینار ہے ۔ اس مینار کے اندر بہت بڑا اور بہت گہرا کنواں ہے ۔ کہتے ہیں کہ اسے رستم نے بنوایا تھا ۔ اس کی گہرائی بھی سمندر کی گہرائی کے برابر بتائی جاتی ہے ۔

پچھم کی طرف کے پہاڑ کے درمیانی حصے پر ایک چوکی بنی ہوئی ہے ۔ یہ تین گز لمبی اور دو گز چوڑی ہے ۔ اس بیچ میں دو صراحیاں اور دو جام رکھے ہیں اس چوکی اور جام و صراحی کے متعلق عجیب غریب بات مشہور ہے جو میرے خیال میں تو بالکل جھوٹی ہے لیکن چونکہ ہے دلچسپ اس لئے یہاں ذکر کرتا ہوں یعنی یہ کہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی اور حضرت علی علیہ السلام یہاں جنت کی شراب نوش فرمایا کرتے تھے یہ جگہ بالکل ویران تھی ایک دن ایک شخص کا اس طرف گذر ہوگیا اس نے دیکھا کہ دو آدمی بیٹھے ہیں اور کچھ پی رہے ہیں ۔ وہ فوراً اپنے چند ساتھیوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھنے لگا جوں جوں یہ لوگ قریب پہنچتے تھے ان دونوں کی شکلیں بجائے صاف دکھائی دینے کے اور دھندلی پڑتی جاتی تھیں جب وہ لوگ چوکی کے بالکل پاس آ گئے تو یہ شکلیں بھی بالکل غائب ہوگئیں اور صراحی اور جام جن میں جنت کی شراب تھی پتھر کے ہوگئے اس زمانے سے اس کا نام چاہ حضرت علی مشہور ہے ۔ بھولے بھالے ایرانی اس واقعے کو سچا جان کر یہاں منتیں مانگنے اور نذریں چڑھانے آتے ہیں ۔

# میری شرارت

(از جناب معین الدین احمد صاحب)

بچپن میں شریر ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ لیکن بھائی خدا نہ کرے مجھ جیسا کوئی شریر ہو۔ بس ہر وقت شرارت کا بھوت سوار رہتا تھا۔ لوگ میری شرارت کی مثال دیا کرتے تھے لیکن پھر بھی میں اپنی اماں جان کی نظروں میں ایسا نیک اور سیدھا سادھا تھا کہ شرارت کے ہجے اور معنی بھی نہیں جانتا۔ انھیں خبر بھی کیسے ہوتی۔ لوگ تو میری شرارتیں ابا جان سے آکر کرتے تھے۔ اور ہمیں سزا بھی باہر ہی مل جاتی تھی۔

اس وقت میں آپ کو اپنی ایک دلچسپ شرارت کا حال سنانا چاہتا ہوں۔ میں نے ایک شریر لڑکے کی شرارت کا قصہ پڑھا اور اس پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ابا کے ڈر سے ہمت نہیں پڑتی تھی، ایک دن موقع مل گیا، ابا دو ایک دن کے لئے کسی ضرورت سے باہر چلے گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہماری حکومت تھی میں نے اپنی گیند لی۔ اور شہر کے کنارے اپنے محلے سے دور سڑک پر کھیلنے لگا۔ کھیلتے کھیلتے میں نے وہ گیند سامنے والے مکان کی کھڑکی پر دے ماری۔ اس کھڑکی کے شیشے چور چور ہو گئے۔ گیند بھی اندر ہی رہ گئی۔ اس گھر میں اس وقت عورتیں ہی تھیں۔ اُن کے کان میں شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ تو آکر دیکھا، وہاں گیند پڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے اٹھائی اور شاید اس کے مالک یعنی میرا انتظار کرنے لگیں۔ مگر میں ایک شیشہ جڑنے والے کی دکان پر جا چکا تھا۔ اس دکان دار سے میں نے کہا میری اماں کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ گئے ہیں۔ چلو جڑ دو۔ وہ بے چارا میرے ساتھ ہو لیا۔ میں اُسے اس

مکان سے نیچے کھڑ کر کے اوپر گیا۔ اور بیگم صاحبہ
کو سلام کر کے بہت متانت سے عرض کیا
کہ بیگم صاحبہ مجھ سے آپ کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ
گئے ہیں۔ لیکن آپ پروا نہ کریں۔ میرا باپ ان
کی جگہ دوسرے شیشے جڑنے کے لئے کھڑا
ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں بلا لاؤں۔ ان
کی اجازت سے میں نے اس شخص کو لا کر کھڑکی
دکھا دی۔ اور خود گیند لے کر نیچے اتر آیا۔

وہ شخص شیشے جڑ چکا تو بیگم صاحبہ سے
مزدوری مانگی۔ بیگم صاحبہ حیران ہو کر کہنے لگیں
مزدوری! تم اس گیند والے لڑکے کے باپ
ہو نا؟ اس شخص نے کہا۔ صاحب! میں نے
تو اس لڑکے کو پہلی بار دیکھا ہے اس نے
دکان پر آکر کہا کہ میرے گھر میں کھڑکی
کے شیشے ٹوٹ گئے ہیں تمھیں اماں نے بلایا
ہے۔ چلو چل کر جڑ دو۔ آپ اس کی ماں ہیں نا؟

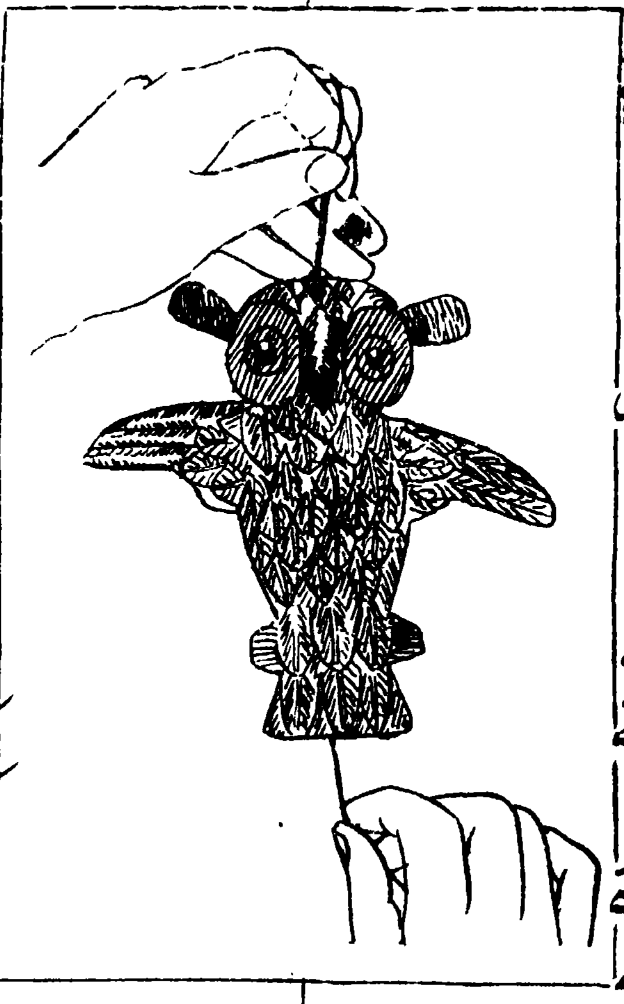
وہ شریف عورت اب کیا کر سکتی تھی۔
بے چاری خود ہی شرمندہ ہو گئی، اور
شیشہ جڑوانے والے کو مزدوری دے۔ اس
جھگڑے کو ختم کیا۔

مگر وہ میری فکر میں رہیں۔ آخر اپنے محلے
کے لڑکوں کے ذریعے انھوں نے میرا پتہ لگا
لیا۔ اور خود اماں جان سے میری شکایت کی
اماں کو میری اس شرارت اور فریب کا حال
معلوم ہوا تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیا اور جونہی میں
گھر میں گھسا اچھی طرح میری مرمت کی اور
ابا سے بھی خوب پٹوایا۔ یہ مار کچھ ایسی سخت تھی کہ ہم نے
طے کر لیا کہ اب اس قسم کی شرارت نہیں کریں گے

# کاٹھ کا اُلّو

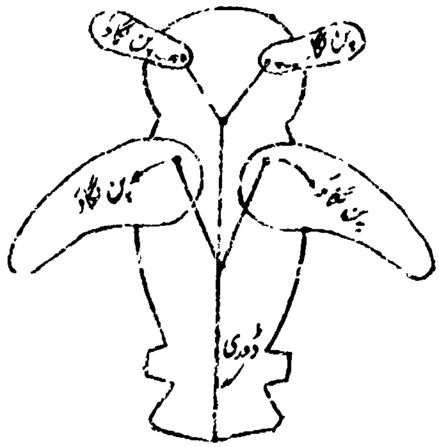
(مولینا جمیل احمد صاحب قنوجی)

تم نے بازاروں اور میلوں میں لکڑی کے بنے ہوئے آدمی دیکھے ہوں گے جو ڈوری کھینچنے سے عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہیں آؤ آج تمھیں اس سے بھی دلچسپ چیز بنانے کی ترکیب بتائیں بڑے مزے کا کھیل بھی ہے اور اس سے تمھیں سلیقے کے ساتھ چیزوں کے بنانے کی مشق بھی ہو جائے گی یہ تو تم تصویر کو دیکھتے ہی پہچان گئے ہو گے کہ یہ ان بزرگ ہیں۔ یہ وہی چودھری صاحب (الو)



ہیں جن کا ذکر تم اکثر پیام تعلیم میں پڑھ چکے ہو۔ آج انھیں کی شکل بنانا ہے۔ اگر تم نے اسے کامیابی کے ساتھ بنالیا تو خود تمھیں، دیکھ کر بڑی ہنسی آئے گی۔ جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے اسے دو ڈوریوں کے ذریعے حرکت دی جاتی ہے اور میاں اُلو اپنے کان اور بازو ہلاتے اور کچھ متعجب سے نظر آتے ہیں بنانے کا طریقہ بہت آسان ہے۔ پتلی لکڑی کو کاٹ کر بناتے ہیں اور اس میں رنگ بھر دیتے ہیں

تمھیں پتلی لکڑی نہ ملے تو دفتی سے بنا کر دیکھو ہمارے خیال میں تو اس سے بھی اچھی شکل بن جائے گی۔ ہاں رنگ بھرنے میں ذرا زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ اب ہم ترکیب بتاتے ہیں۔

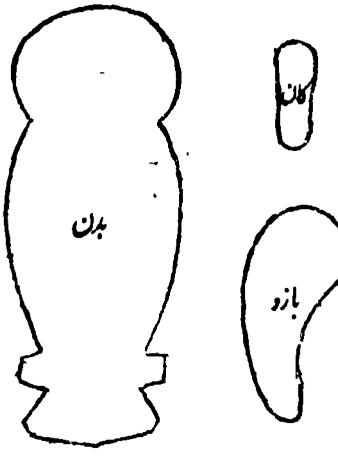



پہلے لکڑی یا دفتی پر پنسل سے الو کے بدن کے مختلف حصوں کی شکل کھینچ لو۔ پھر انھیں الگ الگ کاٹ کر دفتی ہو تو قینچی سے ورنہ چاقو سے تراش کر ٹھیک کر لو۔ اب لکڑی کا ایک ننھا ٹکڑا تراش کر سریش سے چہرے پر چپکا دو، یہ چونچ ہوگئی۔

اس کے بعد سب حصوں کو اس طرح جوڑ دو

اور انھیں معمولی ڈوری سے اس طرح ملاؤ جیسا کہ پشت کی طرف کی تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ پھر اس شکل کو روشن رنگوں سے بھر دو۔ اس کے لئے سبز نیلے اور سرخ رنگ استعمال کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ اس کا خیال رہے کہ آنکھیں دانوں کی طرح ہوں اور ایسی نظر آئیں گویا ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہیں۔

ہاں ایک بات تو رہ ہی گئی تار یا ڈوری کا ایک حلقہ سر کے سرے پر لٹکا دو تاکہ چڑیا کو لٹکایا جا سکے اب تمھاری تصویر تیار ہوگئی ذرا نیچے کی ڈوری پکڑ کر کھینچو تو دیکھو کیسی تفریح ہوتی ہے۔ چودھری صاحب کیسے مزے سے اپنے کان اور بازو ہلاتے ہیں جیسے



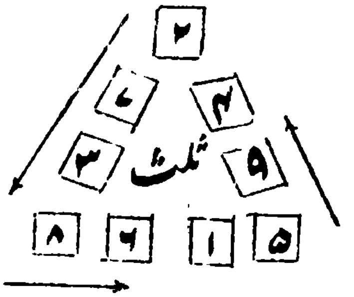

کسی بات سے حیران ہو کر ایسا کر رہے ہیں۔

# خط کتابت

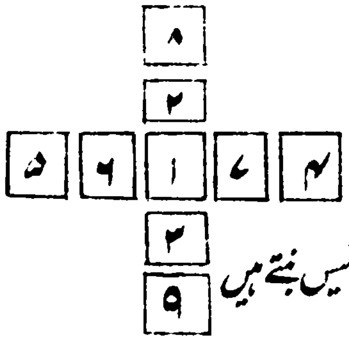
جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم

جنوری کے پیام تعلیم میں "انوکھے عدد" والا مضمون پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں نے اسے بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھا اور مجھے یقین ہے کہ اور پیام بھائیوں اور بہنوں نے بھی اسے اسی دلچسپی اور شوق سے پڑھا ہوگا۔ اچھے ایڈیٹر صاحب ایسے دلچسپ مضمون ضرور ضرور پیام تعلیم میں شائع کیا کیجئے، میں کیا، ہر ایک انھیں پسند کرے گا۔

آپ کے "ماہر تعلیم صاحب" نے اپنے مضمون کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ تم بھی ایسا تعویذ بنانے کی کوشش کرو اور اگر بنا لو تو ہمیں لکھ بھیجنا۔ پیام تعلیم کے کسی پرچے میں چھاپ دیں گے۔ یہ دیکھ کر میں بھی قلم دوات لے کر بیٹھ گئی کہ شاید میں بھی کچھ بنا لوں، شروع شروع میں تو کچھ مشکل معلوم ہوا مگر بعد میں تو ایسی دلچسپی ہو گئی کہ یہ دو تعویذ بنا کر ہی دم لیا۔ اب انھیں میں آپ کے پاس بھیجتی ہوں اگر پسند آجائیں تو پیام تعلیم میں چھاپ دیجئے، مہربانی ہوگی۔ وہ تعویذ یہ ہیں:-




(۱) تینوں طرف سے بیس بنتے ہیں



(۲) دونوں طرف سے تیئیس بنتے ہیں

خاکسار مس حبیبہ عبد اللہ گورنمنٹ ہاؤس لاہور

# رنگ بھرنے کی تصویر

رنگ بھرنے کی یہ تصویر ہم نے دلی کے ایک مشہور آرٹسٹ سے خاص طور سے بنوائی ہے۔ تم اس میں رنگ بھر کر ہمارے پاس بھیج دو۔ آٹھویں درجے تک کے لڑکے اس مقابلے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ جب رنگ بھر چکو تو نیچے کے کونے میں اپنا نام عمر اور درجہ لکھ کر اس پورے ورق کو رسالے سے علیحدہ کر لو اور ہمارے پاس بھیج دو۔ جس کی تصویر سب سے اچھی ہوگی اسے بہت اچھا انعام دیا جائے گا۔



نام ———— عمر ———— درجہ ————

پورا پتہ ————————————

# پیامِ تعلیم دھلی

جلد ۱۸ | مارچ سنہ ۱۹۳۵ء | نمبر ۳

## فہرست مضامین

# پیام تعلیم کے نئے خریدار

قیمت سالانہ عـ۲ـہ — فی پرچہ ۴ر

yamumin

میر تفضل حسین صاحب . تلے گاؤں . دساسر
ماسٹر حسین بخش . ملتان
افتخار الغنی . بمبئی
مدرسہ فوقانیہ . رائچور
غلام زین العابدین ، ناگپور
عطیہ ولایت فاطمہ ، علی گڑھ
سید منظور حسین رضوی . محمود آباد .
مرزا محسن علی بیگ . علی گڑھ
عبد الغفار . عبد الرحمن . ہلیال
مولوی سید قادر محی الدین . حیدر آباد
ایم . ای . اسکول ، اٹاوہ
مدرسہ وسطانیہ شاہ علی بنڈہ . حیدر آباد
میونسپل اسکول لال دروازہ ، فرخ آباد
محمد نجم الحق حقی ، اٹاوہ
مسلم مڈل انگلش اسکول ، لہریا سرائے .
مولوی محمد ایوب . لہریا سرائے
محمد یسین . دہلی
سید محمد عبد الرؤف . ڈھاکہ
چودھری بردی چند . حیدر آباد
اخلاق الرحمن . جامعہ دہلی
شبیر احمد 〃 〃
مجتبیٰ احمد 〃 〃

حافظ محمد ایوب خاں
گورنمنٹ گرلز اسکول
محمد ابراہیم . کلکتہ
لائبریری کمیٹی مدرسہ فوقانیہ ، چھپ گوڑہ
رضیہ بیگم . ابوت محل
گورنمنٹ ہائی اسکول چادرگھاٹ . حیدر آباد (تین پرچے)
مسلم یوتھ کانفرنس . مدراس
مدرسہ تحتانیہ شاہی سلطان شاہی . حیدر آباد
〃 〃 یاقوت پورہ 〃 〃
محمد نصرت اقبال . سہارنپور
اینگلو اردو مڈل اسکول . اوجین
مس خورشید جہاں حمید . ارکی
نعیم اللہ . ایٹہ
مدرسہ وسطانیہ گوشہ محل . حیدر آباد
شیخ احمد صادق . امرتسر

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| حسن سبحانی | دہلی | رفیق الغنی | دہلی | ثروت خاں | دہلی |
| عبد الشکور | 〃 | خلیل احمد | 〃 | عابد سجاد | 〃 |
| رفیق عزیز | 〃 | عبد السمیع | 〃 | خالد بخش | 〃 |
| ابو العزیز | 〃 | مظہر حسین | 〃 | آفتاب احمد | 〃 |
| اورنگ زیب | 〃 | منصور احمد | 〃 | خلیل الرحمن | 〃 |
| غضنفر محمد | 〃 | ابرار الرحمن | 〃 | | |
| رفیق احمد | 〃 | عبد الحی | 〃 | | |

# بچوں سے باتیں

جنوری کے پرچے میں ہم نے محترمہ خالدہ ادیب خانم کی تصویر شائع کی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ ہم ان کا مضمون بھی دیں گے جنھیں اس مضمون کا انتظار ہوگا۔ مگر افسوس ہے محترمہ خالدہ خانم کو اس عرصے میں بہت افسوس ناک حادثہ پیش آگیا جس کی وجہ سے وہ مضمون نہ لکھ سکیں۔ ہوا یہ کہ ان کے بھتیجے ملعت ے جو افغانستان میں بہت اچھے عہدے پر ملازم تھے۔ ان سے ملنے کی خاطر افغانستان کا سفر طے کر کے دہلی آئے تھے۔ اور ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ ایک رات کو ایکا ایکی قلب کی حرکت بند ہوگئی۔ اور ان کا انتقال ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ حادثہ یوں ہی کیا کم تھا اور پھر اپنے وطن سے دور ایسی بے سر و سامانی کی حالت میں۔ محترمہ خالدہ خانم اسی غم اور پریشانی کی وجہ سے مضمون نہ لکھ سکیں تاہم انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ جہاز میں بیٹھ کر پیام تعلیم کے لئے ایک اچھا سا مضمون لکھ دیں گی۔

---

رنگ بھرنے کی تصویر سے بچے بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہمارے پاس پہنچ چکی ہیں۔ ہم نے اس کے لئے آخری تاریخ ۱۵ ر مارچ مقرر کی ہے جو بچے اپنی تصویریں بھیجنا چاہتے ہوں وہ اس تاریخ تک ضرور بھیج دیں۔

---

"انوکھے عدد" والے مضمون کا تیسرا نمبر اس پرچے میں شائع ہو رہا ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر تمھیں خود ہی اندازہ ہوگا کہ کتنا دل چسپ اور کس قدر مفید ہے بڑی مشکل یہ ہے کہ محترم مضمون نگار کو فرصت بالکل نہیں ملتی۔ پھر بھی ہم نے چوتھے مضمون کے لئے ان سے وعدہ لے ہی لیا ہے۔ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ تم ان کا مضمون بہت دل چسپی سے پڑھتے ہو۔ تم میں سے بہت سے لڑکوں کے خط ان کے مضمون کے بارے میں آتے رہتے ہیں۔ اصل میں ان خطوں کی وجہ سے انھیں مضمون لکھنے پر اور بھی مجبور ہونا پڑتا ہے بعض خط ہم اس پرچے میں شائع بھی کر رہے ہیں۔

---

ٹکٹوں والے مضمون کا بھی تیسرا حصہ چھپ رہا ہے اس مرتبہ ہم اس مضمون کے سلسلے میں ایک بہت پرانے ٹکٹ کی تصویر بھی شائع کر رہے ہیں۔ اسی طرح جامع مسجد والے مضمون کے ساتھ جامع مسجد کی ایک بہت اچھی تصویر شائع کی جا رہی ہے۔ اس سلسلے کے اکثر مضمون اللہ نے چاہا تو تصویر کے ساتھ شائع ہوں گے۔

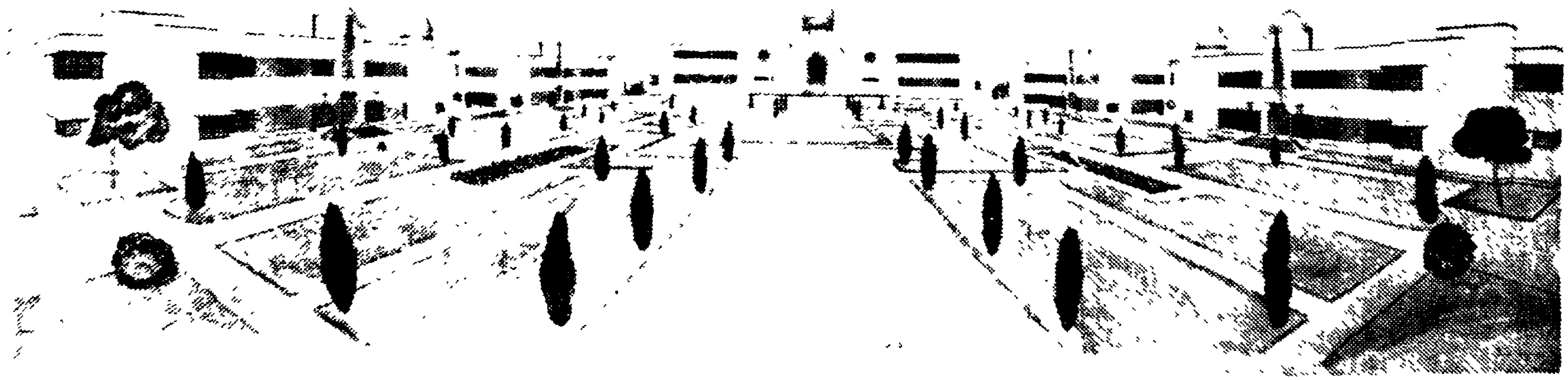
---




ہماری جامعہ کا یوم تاسیس ویسے تو ہر سال بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے اور دو تین دن تک خوب چہل پہل رہتی ہے مگر اب کے ایک خاص بات یہ تھی کہ اوکھلے میں جامعہ کی عمارتوں کا سنگِ بنیاد (بنیاد کا پتھر) رکھا جانے والا تھا شاید تم نے اوکھلے کا نام اس سے پہلے نہ سنا ہو۔ یہ دہلی سے کوئی سات آٹھ میل اور حضرت نظام الدین اولیاء کی بستی سے کوئی دو ڈھائی میل دور بڑی اچھی فضا کی جگہ ہے یہاں جمنا کا بندھ باندھا گیا ہے اور اس سے نہر نکالی گئی ہے بے شمار لوگ روزانہ تفریح کے لئے آتے ہیں۔

سنگ بنیاد رکھنے کی تاریخ پہلی مارچ کو نماز جمعہ کے بعد مقرر کی گئی تھی۔ دلی کے اور دوسرے شہروں کے بہت سے حضرات کو جو جامعہ سے ہمدردی رکھتے ہیں اس موقع پر شریک ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔

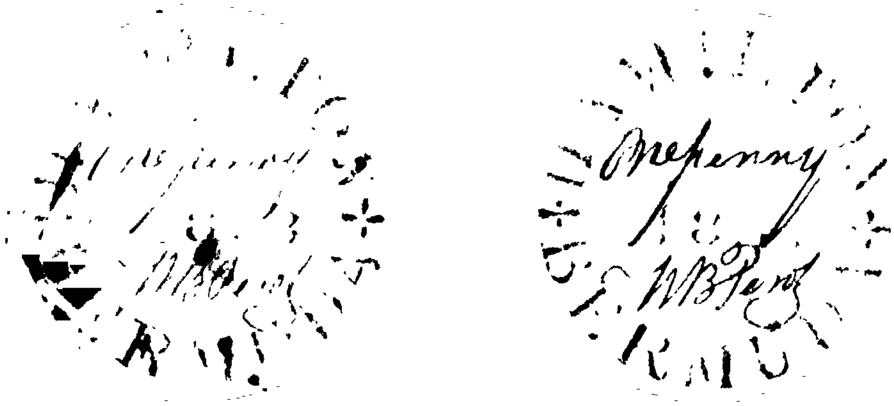
پہلی مارچ کو لوگ بارہ بجے سے اوکھلے میں جمع ہونے لگے۔ جامعہ کے طالب علم، استاد اور دوسرے کام کرنے والے لاریوں کے ذریعے اوکھلے پہنچ گئے۔ شہر کے لوگوں کے لئے بھی سواریوں کا انتظام جامعہ کی طرف سے تھا۔ جمعہ کی نماز وہیں پڑھی گئی۔ اور تین بجے جلسہ شروع ہوا امیر جامعہ جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری صدر تھے۔ قرآن شریف پڑھنے اور جامعہ کے استاد جناب مولانا اسلم صاحب کی نظم کے بعد جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ہمارے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب نے تقریر فرمائی۔ آپ نے پہلے اُن بزرگوں کا ذکر کیا جن کے مبارک ہاتھوں سے جامعہ قائم ہوئی تھی مثلاً شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رح۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم اس کے بعد آپ نے جامعہ کی پچھلی تاریخ دہرائی کہ کس طرح لوگ پہلے خیموں میں رہتے تھے (اس کی تصویر پچھلے سال گرہ نمبر میں دی جا چکی ہے) اور اب ۱۴ سال بعد خدا کے فضل سے یہ دن نصیب ہوا ہے کہ اُس کی عمارت کے لئے سنگ بنیاد رکھا جائے مگر ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اصل چیز تو وہ مقصد ہے جس کے حاصل کرنے کی جامعہ کے لوگ باوجود ہزاروں پریشانیوں اور دقتوں کے کوشش کر رہے ہیں۔ ان عمارتوں میں آکر اگر اس مقصد کی طرف سے ہماری توجہ ذرا بھی ہٹ جائے تو ہماری یہ عمارتیں بالکل بے کار ہیں ہمیں ان عمارتوں میں آکر اپنے خیموں کو بھولنا نہیں چاہیے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہم نے اپنی عمارتوں کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے کسی بڑے مشہور آدمی کو نہیں بلایا ہے



جامعہ کی نئی عمارتوں کا نقشہ ۔ تعمیر کا کام بھی عنقریب شروع ہونے والا ہے ۔



جامعہ کا ایک چھوٹا طالب علم عبدالعزیز دارالاقامہ کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ رہا ہے ۔




دو بیش قیمت ٹکٹ

برموڈہ نے پہلے ٹکٹ جن میں قیمت ہاتھ سے لکھی جاتی تھی اور پوسٹماسٹر کے دستخط ہوتے تھے بائیں ہاتھ کا ٹکٹ دوہزار روپے اور دائیں ہاتھ کا ساڑھے چار ہزار میں فروخت ہوا ہے

بلکہ ہماری جامعہ کے چھوٹے بچوں میں سے ایک سب سے چھوٹا بچہ یہ بنیادی پتھر رکھے گا آپ کی تقریر ایسی اچھی تھی کہ تمام لوگوں پر اس کا اثر ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد محترمہ خالدہ ادیب خانم نے تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا کہ "میرے بچو جامعہ کا سنگ بنیاد تم سے رکھوایا جا رہا ہے۔ جانتے ہو کیوں! اس لئے کہ ہندوستان کی آیندہ ترقی کا دار مدار یہاں کی نئی نسل، یعنی تم پر ہے تم ہی ہو جو آگے چل کر ہندوستان کی قسمت کے مالک بننے والے ہو۔ جامعہ نے تم سے بڑی بڑی امیدیں قائم کی ہیں اور اے بچو مجھے یقین ہے کہ تم ان کے اہل ثابت ہوگے"۔ یہ تقریر بھی بہت پسند کی گئی۔ اور سننے والوں پر بڑا اثر پڑا۔ آخر میں امیر جامعہ جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری نے تھوڑی دیر تک تقریر کی اور پھر چندوں کا اعلان ہونے لگا جلسے ہی میں کوئی ۱۳ ہزار روپے کے چندوں کا اعلان ہوگیا جلسہ ختم ہونے پر سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ادا ہوئی عبدالعزیز سلمہٗ نے جو جامعہ کے استاد جناب مولنا شرف الدین صاحب کا پوتا اور جامعہ کے ایک پرانے طالب علم جناب سید محمد ٹونکی بی اے جامعہ کا لڑکا ہے۔ کچھ اور چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ مل کر یہ رسم ادا کی فوٹوگرافروں نے اس موقع پر بہت سے فوٹو بھی لئے ان میں سے ایک تصویر اس پرچے میں دی جا رہی ہے۔

اس رسم کے ادا ہونے کے بعد عصر کی نماز ہوئی اور پھر چائے پی گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ جلسہ خوب کامیاب رہا تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے شرکت کی۔ چندہ دینے والوں میں محترمہ خالدہ ادیب کا نام خاص طور پر اہم ہے انھوں نے ایک ہزار روپیہ چندہ دیا۔

دوسرے روز ۲ مارچ کو کوئی دس بجے جامعہ کے پرانے طالب علموں کی انجمن کا جلسہ ہوا۔ اس میں یہ طے ہوا کہ انجمن کے لئے بھی اوکھلے میں ایک مکان بنایا جائے جس میں جامعہ کے پرانے طالب علم کبھی کبھی آکر ٹھہرا کریں۔ زمین خریدنے اور عمارت بنانے کے لئے چندوں کا اعلان ہوا۔

شام کو ساڑھے چار بجے کھیل کے میدان میں ورزشی کھیلوں کا مقابلہ ہوا۔ اس میں کالج، اسکول اور ابتدائی مدرسے کے لڑکے شریک تھے۔ بہت سے دلچسپ مقابلوں میں لڑکوں نے حصہ لیا۔ جامعہ کے استادوں، پرانے طالب علموں اور نوکروں کی بھی دلچسپ دوڑیں ہوئیں۔ بہت سے معزز مہمان اس موقع پر تشریف لائے تھے۔ انعام محترمہ خالدہ ادیب خانم کے ہاتھ سے تقسیم کرایا گیا۔ محترمہ خالدہ خانم نے تھوڑی دیر تک لڑکوں کے سامنے تقریر بھی کی جس میں کامیاب ہونے والوں کو مبارک باد دی گئی تھی۔ اور ناکام رہنے والوں کو ہمت دلائی گئی تھی اس کے علاوہ اور بہت اچھی اچھی نصیحتیں کیں۔ مہمانوں کو چائے بھی پلائی گئی۔

شام کو ۸ بجے مشاعرہ تھا۔ اس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مشہور شاعر حضرت صفی، ثاقب، ظریف اور جگر تشریف لائے تھے۔ خود دہلی کے بہت سے اچھے اچھے اور مشہور شاعر موجود تھے۔ جامعہ کے مشاعرے میں ایک خاص بات یہ

ہوتی ہے کہ ہر شاعر اپنا بہترین کلام سناتا ہے اس مرتبہ بھی شاعروں نے صرف اپنی بہت ہی اچھی اچھی نظمیں اور غزلیں سنائیں۔ سب سے آخر میں حضرت ظریف کا ظریفانہ کلام سن کر تو لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے آپ نے آج کل کے شاعروں کا خاکہ اڑایا تھا۔ شاعرے میں شریک ہونے کے لئے انگریزی کی مشہور شاعرہ بیگم سروجنی نائڈو بھی تشریف لائی تھیں آپ نے بھی اپنی ایک بہت ہی اچھی انگریزی نظم سنائی رات کے کوئی ایک بجے یہ دلچسپ صحبت ختم ہوئی۔ تیسرے دن صبح کو محترمہ خالدہ ادیب خانم جو محض جامعہ کی سال گرہ میں شرکت کے لئے دوبارہ دہلی تشریف لائی تھیں حیدرآباد روانہ ہونے والی تھیں اس لئے جامعہ کے استاد اور طالب علم انھیں پہنچانے کے لئے اسٹیشن گئے۔ دس بجے سے تعلیمی مرکز (بچوں کے مدرسے) کے ہال میں تقریری مقابلہ تھا۔ یہ مقابلہ ہر سال ہوتا ہے اور اس کی اطلاع ہم پیام تعلیم میں برابر دیتے رہے ہیں۔ مقابلہ تقریر اور تحریر دونوں میں ہوتا ہے باہر کے مدرسوں کے طالب علم بھی اس میں شریک ہوتے ہیں اور جس مدرسہ کے نمبر سب سے زیادہ ہوتے ہیں اسے محمد علی ٹرافی کے نام سے چاندی کی نہایت خوب صورت بنی ہوئی جامع مسجد ملتی ہے جسے وہ ایک سال تک اپنے یہاں رکھ سکتا ہے۔

اس مرتبہ دہلی اور دہلی سے باہر کے بارہ مدرسے مقابلے میں شریک ہوئے۔ اور کل ۴۶ لڑکوں نے مقابلے میں حصہ لیا۔ مضمون لکھنے کا مقابلہ ۸ تاریخ کو ہوچکا تھا صرف تقریری مقابلہ باقی تھا وہ آج شروع ہوا پہلے مشاہدے کے ذریعے بچوں کی تقریریں ہوئیں۔ مشاہدے کا مطلب یہ ہے کہ بچے کے سامنے کسی جانور کی تصویر رکھ دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اس جانور کے بارے میں جو کچھ وہ جانتا ہے بیان کرے۔ اس مقابلے میں پنجابی اسکول کا ایک لڑکا محمد نقی اول، جامعہ کی ایک بچی قدسیہ صدیق دوم اور فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کا لڑکا محمد طاہر خاں سوم آئے۔ محمد نقی کی تقریر بہت پسند کی گئی پھر بڑے لڑکوں کی تقریروں کا مقابلہ شروع ہوا اس میں فتحپوری مسلم ہائی اسکول دہلی کا لڑکا خورشید الاسلام اول آیا۔ پنجابی اسکول دہلی کا لڑکا عبد المتین دوم اور فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کا لڑکا عثمان الرحمن سوم آئے تقریروں کا سلسلہ کوئی ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا۔ چوں کہ تقریریں ابھی باقی تھیں اور وقت بہت گذر گیا تھا۔ اس لئے جلسہ آٹھ بجے شام کے لئے ملتوی ہوا۔ تیسرے پہر کو بیگم صاحبہ مولانا محمد علی مرحوم کی صدارت میں عورتوں کا ایک جلسہ ہوا۔ بیگم صاحبہ اور دوسری عورتوں نے جامعہ کے بارے میں تقریریں کیں۔ جامعہ کی عمارت کے لئے چندہ بھی ہوا۔ ساڑھے چار بجے کالج کے طالب علموں کی طرف سے جامعہ کے پرانے طالب علموں کی چار کی دعوت تھی۔ چار کے بعد سب کا فوٹو بھی لیا گیا۔

۸ بجے شام کو پھر تقریروں کے مقابلے کا جلسہ ہوا اس مرتبہ فی البدیہ تقریریں ہوئیں یعنی لڑکے کو وقت کے وقت کوئی عنوان دینے کے بعد پانچ منٹ تک اسے سوچنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ اور پھر پانچ منٹ تقریر کے لئے دئے جاتے تھے۔ کوئی نو بجے یہ تقریریں ختم ہوئیں۔ چونکہ فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کے نمبر سب سے زیادہ تھے۔ اس لئے ٹرافی کا مستحق وہی سمجھا گیا۔

انعام مشہور قومی شاعر شمس العلما خواجہ سید الطاف حسین صاحب کے صاحبزادے جناب خواجہ سجاد حسین صاحب بی اے علیگ کے ہاتھ سے تقسیم کرائے گئے محترم خواجہ صاحب نے انعام دینے کے بعد بچوں کو بہت اچھی اچھی نصیحتیں بھی کیں۔ اسی درمیان میں جامعہ کے چھوٹے بچوں کی قوالی بھی ہوئی۔ ان ننھے ننھے بچوں نے قوالوں کی نقل کچھ اس خوبی سے اتاری کہ سب سننے والے حیران تھے۔ خصوصاً ایک بہاری لڑکے نے تو کمال ہی کر دیا یہ بتانا ہم بھول گئے کہ تحریری مقابلے میں اینگلو عربک ہائی اسکول دلی کا طالب علم تقیین الدین اول تعلیمی مرکز جامعہ کا طالب علم عبدالوحید دوم اور فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کا طالب علم ابن فاروق سوم آئے۔

تعلیمی مرکز کی عمارت میں جامعہ کے کاموں کی نمائش بھی تھی۔ اس میں بچوں کی ڈرائنگ، نجاری، (بڑھئی کا کام) اور خوش خطی کے نمونے تھے جغرافیہ کا بھی بہت عمدہ کام تھا۔ بچوں نے لکڑی کے جانور اور پرندے بنائے تھے اور اُن پر بہت عمدہ رنگ کیا تھا۔ بعض تصویریں بھی بہت عمدہ تھیں جغرافیہ کے نقشے بڑی مہارت اور سلیقے سے بنائے گئے تھے۔ بعض لڑکوں نے ہندوستان کے مختلف پیشوں کے لوگوں کی تصویریں جمع کی تھیں۔ بعض طالب علموں نے ہندوستان کی تاریخی عمارتوں کی تصویروں کا البم تیار کیا تھا۔ بعض نے جانوروں کی تصویریں جمع کی تھیں مختلف درجے کے طالب علموں نے اپنے اپنے درجے کے قلمی رسالوں کا سالگرہ نمبر نکالا تھا۔ کالج کے لڑکوں نے اپنے رسالے میں طالب علموں کے علاوہ باہر کے مشہور لکھنے والوں کے مضمون بھی جمع کئے تھے اسکول کے لڑکوں کا رسالہ چمن بھی بہت اچھا نکلا تھا۔ نمائش میں جامعہ کے مکتبہ کی کتابیں بھی رکھی گئی تھیں۔ ان میں سے اکثر خود مکتبہ کی چھپی ہوئی تھیں اور کچھ باہر یعنی حیدرآباد، لاہور، اعظم گڈھ، علی گڈھ وغیرہ کی بھی۔ غرض ہر اعتبار سے یہ نمائش کامیاب اور تعریف کے قابل تھی اس لئے اور بھی کہ اکثر چیزیں خود لڑکوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں۔




(ماہر تعلیم)

بھائی، ہمیں تو خیال بھی نہ تھا کہ لوگوں کو ہمارے 'انوکھے عددوں' سے اتنی دلچسپی ہو جائے گی اور ان کا ایسا چرچا ہوگا۔ ابھی کل ایک صاحب دفتر میں آئے اور کہنے لگے "کہیے، آپ کے 'انوکھے عدد' ختم ہو گئے یا ابھی اور کچھ لکھیے گا" ہم نے کہا "دیکھیے۔ ابھی تو کچھ اور بھی ہیں۔ مگر آپ کہیے۔ آپ کو بھی کچھ انوکھے عدد معلوم ہوں تو بتائیے" فرمانے لگے۔ "جی ہاں۔ معلوم کیوں نہیں ہیں۔ یونہی خالی خولی آپ کے پاس تھوڑے ہی آیا ہوں" ہم نے کہا "تو بسم اللہ فرمائیے" بولے:

"جناب ایسی انوکھی چیز آپ کو بتاؤں کہ آپ بھی حیرت میں رہ جائیں۔ اچھا لیجئے یہ پنسل اور کاغذ اور کوئی تین عدد لکھ دیجئے" ہم نے پوچھا "کیسے عدد، ایک ایک ہندسہ والے یا دو دو والے یا اس سے بڑے؟" جواب دیا "جتنے ہندسوں کے عدد چاہیے لکھ دیجئے" جی میں تو آیا کہ لکھ دیں۔

آٹھ آٹھ نو نو ہندسوں کے عدد۔ مگر پھر جی نے کہا نہیں نہ بہت چھوٹے عدد ہوں نہ بہت بڑے اور ہم نے کاغذ پر یہ تین عدد لکھ دیئے۔

۲۳۷۶

۴۱۵۲

۳۸۰۴

اور کہا "لیجیے جناب لکھ دیے۔ اب فرمائیے"۔ بولے فرمانا ورمانا کیا میں ابھی جھٹ ان کے نیچے تین عدد لکھے دیتا ہوں سب کو جوڑیئے تو ۲۹،۹۹ ہوں گے"۔

ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیسے کریں گے مگر بھائی انھوں نے دیکھتے دیکھتے ان عددوں کے نیچے تین عدد لکھ ہی تو دیئے، یوں :-

۲۳۷۶

۴۱۵۲

۳۸۰۴

۷۶۲۳

۵۸۴۷

۶۱۹۵

اور کہا "جوڑ لیجیے وہی نتیجہ نکلے گا ۲۹،۹۹"۔ ہم نے جوڑا تو بات ٹھیک نکلی۔ بہت سوچا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ تم تیز لوگ ہو شاید سمجھ گیے ہو۔ ہم نے تو ان صاحب سے یہ کہا "آپ نے عجیب بات دکھائی۔ مگر ہم سمجھے نہیں ہمیں سمجھا دیجیے"۔ بولے "نہیں۔ حضرت میں ایسے نرم چارے کا قائل نہیں۔ میں یوں بتاتا وتاتا نہیں۔ خود سوچیے"۔

میں نے کہا "تو اچھا اب کی میں چھوٹے چھوٹے عدد لکھوں گا۔ اور تین نہیں دو ہی لکھوں گا"۔ فرمایا۔ "بہت اچھا۔ دو ہی عدد لکھیے۔ کتنے کتنے ہندسے کے لکھیے گا؟"

میں نے جواب دیا دو دو ہندسے کے عدد ہوں گے" فرمایا تو اچھا لکھیے آپ

کے دو عدد اور میرے دو عدد کا مجموعہ ۱۹۸ ہوگا۔" میں نے کہا "یہ خوب رہی میں نے ابھی عدد لکھے بھی نہیں اور آپ نے جوڑ کر نتیجہ بھی بتا دیا۔" "کہنے لگے "جی ہاں۔ لکھئے، لکھئے"۔

میں نے لکھا ۷۶

۸۷

انھوں نے نیچے لکھ دیا ۲۳ اور ۱۲

اب جو جوڑا ۷۶

۸۷

۲۳

۱۲

تو وہی ۱۹۸

ہم نے غور سے دیکھا کہ یہ حضرت کس طرح جلدی سے یہ عدد لکھ دیتے ہیں۔ ہم نے لکھا ۷۶، اُنھوں نے لکھ دیا ۲۳۔ ہم نے لکھا ۸۷، اُنھوں نے لکھ دیا ۱۲۔ سوچا سوچا ۶ اور ۳ = ۹۔ پھر ۷ اور ۲ = ۹۔ دوسرے میں ۷ اور ۲ وہ بھی ۹، ۸ اور ۱ وہ بھی ۹۔ اپنے پہلے اور ان کے پہلے عدد کو جوڑا تو ۹۹۔ اپنے دوسرے اور ان کے دوسرے عدد کو جوڑا تو ۹۹۔

بات کچھ سمجھ میں آئی۔ تو ہم نے کہا 'اچھا' جناب اب ہم ایک ہی ایک ہندسے کا عدد لکھیں گے اور ۴ عدد لکھیں گے۔" اُنھوں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ سمجھ گئے' مگر خیر لکھئے۔" ہم نے پوچھا "جوڑنے سے کیا آئے گا" کہا ۲۶ آئے گا اور کیا آئے گا۔"

ہم نے لکھا

۷

۲

۵

۴

اُنھوں نے لکھ دیا ۲، ۷، ۴، ۵

جوڑا

۷

۲

۵

۴

---

۲

۷

۴

۵

---

۳۶

تو وہی

ہم نے پھر نظر ڈالی تو وہی ۹ کا معاملہ نکلا

۷ اور ۲، ۹ ، ۲ اور ۷، ۹

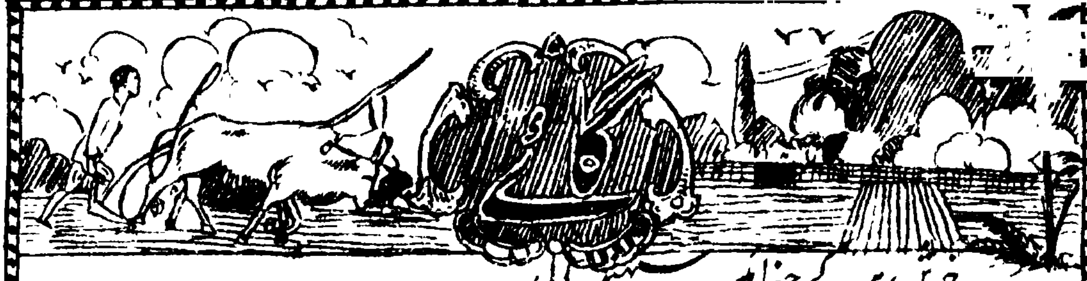
۵ اور ۴، ۹ ، ۴ اور ۵، ۹

ہم یہ ہُوں ہُوں کہہ ہی رہے تھے کہ وہ ہنس پڑے اور بولے "بھائی تم سمجھ گئے" یہ ہر اسی ۹ کا کرشمہ۔ دیکھئے آپ نے ایک ایک ہندسے کے عدد لکھے تو ہم نے لیا ایک ۹

اور آپ نے ۴ عدد لکھے تھے تو ہم نے ۹ کو ۴ سے ضرب دے کر جھٹ کہہ دیا ۳۶۔ آپ نے ۷ لکھا تھا تو ہم نے جھٹ ۲ لکھے کہ ۹ ہو جائیں۔ آپ نے ۲ لکھا تھا ہم نے ۷ لکھے کہ ۹ ہو جائیں۔ آپ نے ۵ لکھا ہم نے ۴ لکھ دیا کہ ۹ ہو جائیں۔ آپ نے ۴ لکھا ہم نے ۵ لکھ دیا تاکہ وہی ۹ ہو جائیں اور یوں جوڑنے سے وہی آیا ۳۶۔

آپ نے دو دو ہندسے کے عدد لئے تو ہم نے بھی دو نوّے لئے یعنی ۹۹۔ آپ نے جو عدد لئے تھے ہم نے بھی اپنے ۹۹ کو دو سے ضرب دے دیا اور کہہ دیا کہ حاصل جمع ہوگا ۹۹ × ۲ یعنی ۱۹۸۔ اور آپ نے لکھا تھا ۶۷ ہم نے ۹ میں سے ۶ گھٹا ۳ اور ۹ میں سے ۷ گھٹا ۲ لکھے یعنی ۳۲۔ اسی طرح آپ نے ۸۷ لکھا تو ہم نے ۱۲ لکھ دیا۔

بس یہی ترکیب ہے۔ آپ نے چار چار ہندسے والے عدد لکھے۔ ہم نے بھی ۹۹۹۹ چار نوے لئے تین عدد آپ نے لکھے تھے ہم نے بھی ایسے تین عدد لکھ دیئے کہ ہمارے عدد کا ہر ہندسہ آپ کے عدد کے اسی مقابلہ والے ہندسہ سے ملا کر ۹ ہو جائیں اور بس اس ۹۹۹۹ کو ۳ سے ضرب دے کر کہہ دیا کہ حاصل جمع ۲۹۹۹۷ ہوگا۔ بس اب سمجھے۔" ہم نے کہا "شکریہ۔ آپ نے خوب چیز بتائی۔ اگر اجازت ہو تو اپنے پیام بھائیوں کو بھی یہ چیز بتا دیں۔ وہ لوگ بھی آپ کے شکر گذار ہوں گے۔" فرمایا "ضرور بھائی ضرور، پیام بھائیوں کے لئے ہی تو آپ کو یہ سب قصہ سنا کر آپ کا وقت خراب کیا۔" "نہیں نہیں صاحب یہ تو آپ کی بڑی نوازش تھی۔" "اچھا تو چلئے السلام علیکم" "وعلیکم السلام۔" ☆




خوش ہو کے جفائیں سہنے والی
ہر حال میں مست رہنے والی

سچ ہے کہ عجیب چیز ہے گائے
دل سے سب کو عزیز ہے گائے

رسی سے بندھی ہے چپ کھڑی ہے
گویا کہ زمین میں گڑی ہے

چر چر کے ہرے بھرے بنوں میں
امرت بھر لائی ہے تھنوں میں

گھی، دودھ، دہی، ملائی، ربڑی
حاصل ہوئیں سب بدولت اس کی

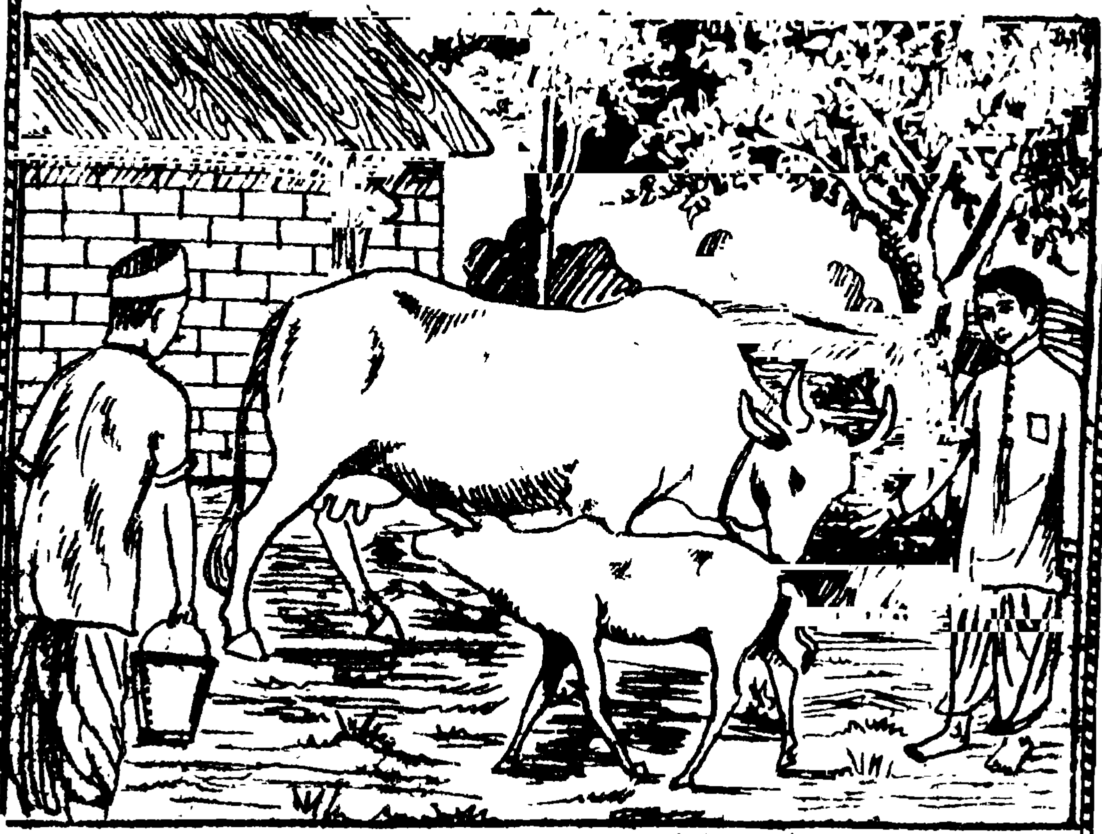
دوری میں تمام دن تھا کاٹا
بچے کو گھر آ کے خوب چاٹا

رخصت ہوا دن کا جب اُجالا
آیا دوہنے کو دودھ گوالا

سانی بس اک ذرا سی کھا کر
دے دیتی ہے دودھ بالٹی بھر

بچھڑے نے تھنوں میں سر جو مارا
دودھ اُس کے لئے پھر اور اُترا

سر اپنا ہلاتی جا رہی ہے
دودھ اس کو پلاتی جا رہی ہے



بڑھ کے بچھڑا جواں ہوا جب
ماں سے اُسے کچھ رہا نہ مطلب

محنت سے کبھی نہ جی چُراتا
دِن بھر کھیتوں میں ہل چلاتا

کندھے پہ جوا خوشی سے رکھ کر
وہ کھینچتا کچّے راستوں پر
اپنی روزی وہ خود کماتا
ماں سے کبھی مانگنے نہ جاتا

ماں بیٹوں کا کام اب ہے خدمت
خدمت سے ملی ہے ان کو عظمت

سچ ہے خدمت ہے سب کو پیاری
خدمت سے ہے آبرو ہماری

# لطیفہ

استاد۔ اچھا تو اب بتاؤ یہ کاہے کی تصویر ہے۔
رام :۔ بندر کی۔
استاد:۔ ٹھیک! اور یہ کرتا کیا ہے۔
رام:۔ درخت پر چڑھتا ہے۔
استاد:۔ بالکل ٹھیک ہے اور کیا کرتا ہے۔
رام :۔ اور (سوچ کر) اور پھر نیچے اترتا ہے۔



# جامع مسجد

(از جناب محمد مسلم خاں صاحب جامعی)

دلی کی جامع مسجد ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ باہر کے ملکوں میں بھی مشہور ہے۔ دور دور کے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں اور پرانے زمانے کے لوگوں کی کاری گری دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ مسجد بہت بڑی اور بہت لمبی چوڑی ہے لیکن اگر ذرا دور سے کھڑے ہو کر دیکھو تو مسجد کا اصل دالان اس کے مینار۔ اس کے گنبد۔ اس کے پھاٹک سب کا کچھ ایسا جوڑ ملا ہوا ہے کہ ساری مسجد ایک خوب صورت کھلونا سا معلوم ہوتی ہے۔

مغل بادشاہوں میں اکبر کا نام تو تم نے ضرور سنا ہوگا شاہ جہاں بادشاہ اس کا پوتا تھا۔ اب سے کوئی پونے تین سو برس پہلے دلی میں شاہ جہاں ہی کی حکومت تھی۔ اس بادشاہ کو اچھی اچھی عمارتیں بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ دلی کی جامع مسجد بھی اسی بادشاہ نے بنوائی ہے۔

شاہ جہاں کے ایک وزیر تھے سعد اللہ خاں اور ایک خان ساماں تھے فضل خاں۔ آج کل انگریز بھی اپنے کھانا پکانے اور کھلانے والے کو خان ساماں کہتے ہیں لیکن مغل بادشاہوں کے زمانہ میں یہ بہت بڑا عہدہ تھا۔ اس زمانہ میں خان ساماں بادشاہ کے خاص کاموں کا انتظام کیا کرتا تھا۔ ہاں تو یہ مسجد ان ہی دونوں شخصوں کی نگرانی میں بنی تھی۔ پہلے اس جگہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ اسے بھوجلا پہاڑی کہتے تھے۔ بادشاہ نے اسی جگہ کو مسجد کے لئے پسند کیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ چھ ہزار راج۔ بیلدار۔ مزدور۔ سنگ تراش[1] وغیرہ چھ برس تک روزانہ اس کے بنانے

---

[1] پتھر کا کام کرنے والے۔

میں لگے رہے اور لاکھوں روپیہ ان کی مزدوری پر خرچ ہوا۔ ہر قسم کا پتھر بہت سے راجاؤں اور نوابوں نے بادشاہ کی نذر کیا تھا۔ مسجد میں زیادہ تر لال پتھر لگا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب مسجد بن کر تیار ہوئی تو عید بالکل قریب تھی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہم عید کی نماز یہیں پڑھیں گے اس پر وزیر بہت گھبرائے کیوں کہ ہزاروں من ملبہ[۱] پڑا ہوا تھا۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا تو حکم دے دیا کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے اٹھا لے جائے۔ پھر کیا تھا چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ اور دیکھتے دیکھتے سارا ملبہ اٹھ گیا۔ مسجد صاف ہو گئی فوراً فرش فروش۔ شیشہ آلات سے مسجد کو سجا کر دلہن بنا دیا گیا پھر سارے شہر نے اپنے بادشاہ کے ساتھ اس مسجد میں عید کی نماز پڑھی اور خوب خوشی منائی۔

جامع مسجد خوب صورت تو ہے ہی لیکن اس کی خوب صورتی اس وجہ سے اور زیادہ نکھر گئی ہے کہ اس کی کرسی بہت اونچی ہے۔ کرسی کی اونچائی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسجد کے پورب۔ دکھن اور اُتر کی طرف ایک ایک بڑا پھاٹک ہے اور اس پھاٹک تک پہنچنے کے لئے تیس چالیس سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ یہ سیڑھیاں بہت لمبی اور کافی چوڑی ہیں۔ سب سیڑھیاں مل کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑا بھاری چبوترہ بنا ہوا ہے۔ ان سیڑھیوں پر ہر قسم کے سینکڑوں دکان دار بیٹھتے ہیں اور شام کے وقت یہاں بڑی رونق ہوتی ہے اندر مسجد کا صحن بہت وسیع ہے اور بیچوں بیچ میں وضو کرنے کے لئے بڑا سا حوض بنا ہے۔ سامنے تو مسجد کا اصل دو ہرا دالان ہے اور باقی تین طرف اکہرے دالان ہیں جن کے در دو طرفہ کھلے ہوئے ہیں۔ ان دالانوں کے بیچ میں تینوں طرف تین بڑے بڑے پھاٹک ہیں جن کی عمارت بھی بہت خوب صورت ہے۔ اتر اور دکھن کے پھاٹک تو ہمیشہ کھلے رہتے ہیں لیکن

---

[۱] مٹی، پتھر، لکڑی وغیرہ۔

پورب کی طرف کا پھاٹک جس کا رخ لال قلعہ کی طرف
ہے عام طور پر بند رہتا ہے۔ اسی پھاٹک سے
بادشاہ داخل ہوتے تھے۔

مسجد کے اصل دالان کی چھت بہت اونچی
ہے اور محرابیں خوب بڑی بڑی ہیں۔ اندر کا فرش
سفید پتھر کا ہے اور کالے پتھر سے مصلے کے نقشے
بنائے گئے ہیں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے
خوب صورت ریشمی مصلے بچھے ہوئے ہیں خاص
دالان کے اوپر تین بڑے بڑے نارنگی کی شکل کے
گنبد ہیں اور ان کی بناوٹ ٹرک کی طرح کی ہے۔
ان میں ایک پٹی لال پتھر کی اور ایک کالے پتھر
کی ہے۔ اوپر سنہرے کلس ہیں۔ جس سے یہ اور بھی
خوب صورت معلوم ہوتے ہیں دالان کے دونوں
طرف دو بڑے اونچے مینار ہیں۔ یہ بھی لال پتھر کے
ہیں اور ان میں سفید پتھر کی کھڑی کھڑی پٹیاں پڑی
ہیں۔ ان گنبدوں کے اندر چکردار زینہ ہے۔ بہت
سے لوگ اس پر چڑھ کر ساری دہلی کا نظارہ دیکھتے
ہیں ان کے تین کھنڈ ہیں اور ہر کھنڈ کے چاروں طرف
کھلا ہوا برآمدہ ہے اور سب سے اوپر بارہ دری برجی
ہے۔ دالان کی محرابوں پر سفید پتھر پر سیاہ پتھر کے
حرفوں سے پرانے زمانہ کی عبارتیں۔ اور قرآن شریف
کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

آج کل اس مسجد میں سب سے بڑی نماز
الوداع کے دن ہوتی ہے۔ دور دور کے شہروں
سے ہزاروں آدمی یہاں نماز پڑھنے آتے ہیں
ساری مسجد۔ دالان۔ صحن چھتیں سیڑھیاں سب
کھچا کھچ بھر جاتی ہیں۔ اور باہر دور تک میدان میں
آدمی ہی آدمی نظر آتا ہے۔ راستہ بند ہو جاتا ہے۔
سڑکوں پر۔ دوکانوں پر۔ غرض کہ آس پاس کی
چپہ چپہ زمین پر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ امام صاحب
کی آواز سب نمازیوں تک پہنچانے کے لئے بیسیوں
مکبر[۱] کھڑے ہوتے ہیں۔ سچ پوچھو تو اس دن جامع
مسجد کا لطف دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ×

---

۱ جب مجمع زیادہ ہوتا ہے اور امام کی آواز دور تک نہیں پہنچ
سکتی تو بیچ بیچ میں لوگ کھڑے ہو کر سجدے اور رکوع کے وقت
امام کی آواز دہراتے ہیں انہیں کو مکبر کہتے ہیں ×



# خوشحال اور اس کے بیٹے

(پروفیسر عطاء اللہ صاحب ایم اے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

حمید چلتا چلاتا کئی دن کی پریشانی کے بعد ایک دوسرے ملک کی سرحد پر پہنچا۔ وہاں کا بادشاہ مرچکا تھا اور اس ملک میں دستور تھا کہ بادشاہ کے مرنے پر ایک باز کو چھوڑا کرتے تھے جس شخص کے سر پر وہ باز بیٹھ جاتا وہی بادشاہ بنا لیا جاتا تھا۔

اس ملک کے لوگ دو دن سے باز کو اڑا رہے تھے۔ وہ یا تو کسی درخت پر جا بیٹھتا یا کسی کان پر کسی شخص کے سر پر نہیں بیٹھتا تھا اگرچہ بہت سے لوگ اپنی پگڑیوں پر گوشت کی بوٹیاں رکھے پھرتے تھے۔ آج جب باز کو چھوڑا گیا تو وہ فوراً حمید کے سر پر آن بیٹھا۔ لوگ نہایت حیران تھے کہ کس طرح ایک خستہ حال پیدل مسافر کو اپنا بادشاہ بنالیں انھوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ باز کو تین مرتبہ چھوڑا جائے چنانچہ جب وہ تینوں مرتبہ حمید ہی کے سر پر بیٹھا، تو سب نے متفق ہوکر تسلیم کرلیا کہ یہی ہمارا بادشاہ ہوگا۔ اچھا اب حمید نے تو اپنی مراد پالی سعید کا دیکھیں کیا حال ہوا۔

سعید دن بھر کوئی بارہ کوس چلا ایک قلعہ کے قریب آتے شام ہوگئی۔ قلعہ کے باہر بہت سے لوگ پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں پڑے تھے۔ سعید ان سے ملا اور اس قلعے کے اور خود ان لوگوں کے حالات معلوم کرنے لگا۔

اس کو بتایا گیا کہ قلعہ ایک جادو کی چیز ہے اور اس میں ایک خوبصورت شہزادی رہتی ہے جو شخص قلعہ کی سیر کرنا چاہے اسے دو سو روپیہ روزانہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ قلعہ کی مالکہ یہ رقم لے لیتی ہے قلعہ میں جاکر واپس آنے کو کسی کا جی نہیں چاہتا مگر جب روپیہ ختم ہو تو شہزادی دھکے دے کر نکلوا دیتی ہے قلعہ کے باہر سب ایسے ہی نامراد لوگ تھے جو دو سو روپیہ روزانہ لٹوا کر اب قلاش بن گئے تھے

مگر قلعہ کا جادو ایسا تھا کہ وہاں سے جا نہیں سکتے تھے اور دھوبی کے کتّے کی طرح اب نہ گھر کے تھے نہ گھاٹ کے۔ یہ سنتے ہی سعید نے سوچا قلعہ ہی کی سیر کریں۔ آیا قلعہ کے دروازہ پر دستک دی اور اندر پہنچا۔ رات تو اُس نے آرام سے بسر کی اور وہاں کی اچھی اچھی چیزیں جی بھر کر دیکھیں۔ صبح سویرے ہی ایک لونڈی پہنچی دو سو روپیہ وصول کیا اور کہا اب آپ تشریف لے جائیے سعید نے چونک کر پوچھا "کیوں"۔ لونڈی نے کہا صاحب یہاں رہنے کی روزانہ فیس دو سو روپیہ ہے آپ اپنی ساری پونجی لٹا چکے۔ سعید نے پوچھا اگر روپیہ نہ ہو اور کوئی یہاں رہنا چاہے۔ لونڈی نے کہا جب روپیہ ادا نہ ہو سکے تو مسافر کو نکال دیا جاتا ہے اگر وہ رہنے پر اصرار کرے تو شام کو قلعہ کے بُرج سے اُس کو سر کے بل نیچے گرا دیا جاتا ہے۔ سعید نے لونڈی سے کہا اچھا تو شہزادی سے کہدو جس دن صبح کو میں دو سو روپیہ نہ ادا کروں مجھے قلعہ کے برج پر سے نیچے گرا دیا جائے میں تو جب تک قلعہ کی ہر چیز کو نہ دیکھ لوں جانے کا نہیں۔"

ہر صبح سعید اپنے تکیہ کے نیچے سے خادمہ کو دو سو روپیہ نکال دیا کرتا تھا۔ وہ کئی مہینے اسی طرح قلعہ میں رہا اور دنیا کے سب رنج بھول گیا۔ آخر قلعہ کی شہزادی نے سوچا کہ یہ معاملہ کیا ہے جب اُس نے بھید پا لیا تو چپکے سے ایک رات اُس کے گلے سے وہ تعویذ اتار لیا جس میں پرندے کا دل تھا اور جس کی بدولت صبح کو دو سو روپیہ آجاتا تھا۔ تعویذ کھول لینے کے بعد شہزادی نے سعید کو بے ہوشی کی دوا پلا کر قلعہ کے باہر پھنکوا دیا۔ صبح میاں سعید جب ہوش میں آئے تو اپنے آپ کو قلعہ کے باہر پایا اور جب تعویذ بھی نہ ملا تو اپنا سر پیٹ کر اور قلعہ والیوں کی جان کو رو کر رہ گئے۔

اب میاں سعید چلتے چلتے کئی منزلیں قلعہ سے آگے نکل آئے۔ سفر بھی کرتے اور محنت مشقت سے پیٹ بھی پالتے۔ پندرہ دن کے بعد وہ ایک شہر کے باہر پہنچا جہاں تین بھائی بیٹھے اپنے باپ کی جائداد تقسیم پر جھگڑ رہے تھے۔ ایک مسافر کو آتے دیکھ کر اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ اپنا جھگڑا اس مسافر سے طے کرالیں۔ جب سعید اُن کے قریب پہنچا تو

اُن تینوں میں سے بڑے نے کہا "میاں مسافر ذرا ہمارا جھگڑا چکاتے جائیے۔ یہ تین چیزیں ہمیں باپ کی جائداد سے ملی ہیں۔ اور ہم آپس میں ان کی تقسیم نہیں کر سکے" سعید نے کہا "اچھا بھائی تم تینوں میرا فیصلہ مان لو تو میں ابھی تقسیم کئے دیتا ہوں" سب نے جواب دیا "ہم مان لیں گے" سعید نے کہا "مگر یہ تو معمولی چیزیں ہیں معلوم ہوتا ہے اُن میں کچھ خوبیاں ہیں مجھے سمجھا دو تا کہ میں فیصلہ ٹھیک کر سکوں" سب سے بڑے بھائی نے کہا۔ "صاحب یہ جو دری آپ دیکھتے ہیں یہ تو ایسی ہے کہ اگر اس پر کوئی بیٹھ جائے اور کہے مجھے فلاں مقام پر پہنچا دو تو یہ ہوا میں اُٹھے گی۔ اُڑے گی اور جہاں چاہے وہاں پہنچا دے گی۔ اور یہ جو تھیلا آپ دیکھتے ہیں اس میں یہ کرامت ہے کہ اس میں ہاتھ ڈالو اور جو مانگو سو حاضر پاؤ۔ اور یہ جو چھوٹی سی سرمہ دانی آپ دیکھتے ہیں اس میں ایک سرمہ ہے جس کی ایک سلائی جو آنکھوں میں لگائے وہ سب کو دیکھے لیکن خود کسی کو نظر نہ آئے" سعید نے کہا بھائی جبھی تو میں اچھا تھا یہ تو نہایت عمدہ چیزیں ہیں ان کی تقسیم تو سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے میں تو تم سب کا تھوڑا سا امتحان لوں گا اور جو جس چیز کے لایق ہوگا وہی اس کو دوں گا تم سب یہاں سے دوڑو اور وہ جو درخت سامنے کھڑا ہے اس کا پتّا توڑ کر لاؤ۔ پہلے آنے والے کو دری۔ دوسرے کو تھیلا اور تیسرے کو سرمہ دانی مل جائے گی۔ مگر یاد رکھو یہ تو صرف تمہاری طاقت اور پھرتی کا امتحان ہے یہ چیزیں اس طرح تقسیم کرنے سے پہلے میں تمہاری عقل اور لیاقت کا امتحان بھی لوں گا۔ اچھا تیار ہو جاؤ۔ اس درخت کا ایک ایک پتّا لاؤ۔ ایک۔ دو۔ تین۔

جونہی وہ تینوں بے وقوف درخت کا پتّا لانے دوڑے سعید نے سرمہ دانی جیب میں ڈالی تھیلا ہاتھ میں لیا۔ دری بچھا اُس پر بیٹھا اور کہا دو چل شہزادی دلفریب کے قلعہ میں۔ دری ہوا میں بلند ہوئی اور سعید نے اوپر سے پکار کر کہا "ارے بے وقوفو اب نہ دوڑو تم میں سے کسی کو اتنی عقل نہ تھی کہ ان میں سے کسی چیز کا مالک بنتا۔ یہ میرا مال تھا سو لئے جا رہا ہوں" ؛ باقی آیندہ



# ہندوستان کے ٹکٹ



(جناب شمیم صاحب جامعی)

کیوں بھائی اب تو تمھارے مرقع (البم) میں بہت سے ٹکٹ جمع ہو گئے ہوں گے۔ اور تمھاری کوششیں بھی دن پر دن بڑھتی جاتی ہوں گی۔ نئے ٹکٹ ملنے پر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اور اگر کچھ دنوں تک نئے ٹکٹ نہیں ملتے تو کیسی مایوسی ہونے لگتی ہے۔ لیکن پھر جب کوئی نیا ٹکٹ ہاتھ آجاتا ہے تو نئے سرے سے جوش تازہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر آدمی نئے جوش سے کام کرنے لگتا ہے۔ ہر کام کا یہی دستور ہے۔ ہر مایوسی کے بعد کامیابی اپنا چمکتا دمکتا چہرہ دکھاتی ہے۔ اور اس طرح "کئے جاؤ کوشش مرے دوستو" کا سبق تازہ ہوتا رہتا ہے۔

تم میں سے جن بھائی کے پاس کافی ٹکٹ جمع ہو گئے ہوں گے ان کو خوب لطف آتا ہوگا اور وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ شغل کتنا دلچسپ ہے اور اس میں کیسی تفریح ہوتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی ہے انھیں بھی ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ فوراً ہی بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو جانے سے وہ لطف نہیں آتا۔ جو آہستہ آہستہ جمع کرنے سے آتا ہے اس لئے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں کوشش کئے جاؤ آگے چل کر اللہ نے چاہا تو تمھیں ضرور کامیابی ہوگی۔

آج ٹکٹوں کی تعداد بڑھانے کی ایک نئی ترکیب بتاتے ہیں اس کو ٹکٹوں کا مبادلہ کہتے ہیں۔ مبادلہ کے معنی ہیں ایک چیز کے بدلے میں دوسری چیز لینا۔ ٹکٹوں کا مبادلہ اس طرح ہوتا ہے کہ فرض کرو دو ٹکٹ جمع کرنے والے ایک جگہ ہیں ایک کے پاس جو ٹکٹ زیادہ ہیں وہ دوسرے کے پاس بالکل نہیں۔ اور دوسرے کے پاس جو ٹکٹ زیادہ ہیں وہ پہلے کے مرقع میں نہیں اب

دونوں آدمی ایک دوسرے سے ٹکٹ بدل لیتے ہیں۔ اس طرح دونوں کا کام بن جاتا ہے اور زائد ٹکٹ کارآمد ہو جاتے ہیں۔ ٹکٹوں کی تعداد بڑھانے کی یہ بہترین ترکیب ہے اس طرح بغیر خرچ کے ٹکٹ ملتے رہتے ہیں۔

لیکن دو ٹکٹ جمع کرنے والوں کا ایک جگہ یا ایک ساتھ رہنا ہمیشہ تو ممکن نہیں۔ اس لئے اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ خط کتابت کے ذریعے ٹکٹ کا مبادلہ کیا جائے اور وہ اس طرح کہ جو لوگ ٹکٹ کا مبادلہ کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنا پتہ پیامِ تعلیم کے ایڈیٹر صاحب کے پاس بھیج دیں ایڈیٹر صاحب ان کے پتے پیامِ تعلیم میں شائع کردیں گے اور ٹکٹ جمع کرنے والے ان پتوں کی ذریعہ خط کتابت کر کے ٹکٹوں کا مبادلہ کرتے رہیں گے۔ پتہ شائع کرانے والے ان باتوں کا خیال رکھیں۔

۱۔ خط کا جواب جلد اور پابندی کے ساتھ دیں۔

۲۔ خط پر پورے ٹکٹ لگائیں تاکہ بیرنگ نہ ہونے پائے۔

۳۔ نہایت ایمانداری سے کام لیں اور قیمتی ٹکٹوں کے بدلے۔ میلے ردّی اور معمولی ٹکٹ نہ بھیجیں۔ کہیں سے ٹکٹ منگا کر خاموش نہ ہو جائیں اس کا بھی خیال رکھیں کہ بغیر طلب کئے کسی کے پاس ٹکٹ نہ بھیجیں۔

میں کسی ایسی ریاست کے رہنے والوں سے ٹکٹوں کا مبادلہ کرنا چاہتا ہوں جن کے یہاں اپنا ٹکٹ استعمال ہوتا ہے یا انگریزی ٹکٹ پر ان کی ریاست کا نام چھپا ہوتا ہے۔ میں پچاس ٹکٹوں کے بدلے میں پچاس ہندوستان سے باہر کے ملکوں کے ٹکٹ دوں گا۔ صرف نئے جمع کرنے والے خط کتابت کریں اور جہاں تک ممکن ہو مختلف قیمتوں کے ٹکٹ روانہ کریں میں بھی ان کے بدلے میں انھیں مختلف قیمتوں کے ٹکٹ بھیجوں گا۔[1]

میں نے پچھلے مضمون میں ہندوستان کے ٹکٹوں کی بہت سی قسموں کا ذکر کیا تھا۔ لیکن وہ فہرست پوری نہیں ہوئی تھی اور میں نے وعدہ کیا تھا

---

[1] میرا پتہ یہ ہے:۔ شمیم جامعی۔ ڈاک خانہ دسنہ ضلع پٹنہ۔

کہ آیندہ اور قسمیں بتاؤں گا۔ آج وہ بھی سن لو

ہندوستان کا نقشہ تو تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔ نہ دیکھا ہو تو کسی سے لے کر دیکھ لو۔ یہ بہت بڑا ملک ہے اور قریب قریب سارا حصہ انگریزوں کی حکومت میں ہے لیکن کچھ تھوڑی سی جگہ فرانسیسیوں کے قبضے میں بھی ہے اور کچھ حصہ پر پرتگیزوں کی بھی حکومت ہے۔

جو حصہ انگریزوں کے قبضے میں ہے اس کے بھی دو حصے ہیں ایک تو وہ ہے جس پر انگریز افسر حکومت کرتے ہیں اسے برطانوی ہند کہتے ہیں یہاں ڈاک کے جو ٹکٹ رائج ہیں۔ ان کو برطانوی ہند کے ٹکٹ کہتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جن پر بادشاہ کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ اور "انڈیا پوسٹج" لکھا ہوا ہے ان کی قسمیں پچھلے پرچے میں بتائی جا چکی ہیں۔

دوسرا حصہ ریاستوں کا ہے ان پر کوئی نواب یا مہاراجہ حکومت کرتا ہے۔ اور انگریزی حکومت کو سالانہ رقم ادا کرتا ہے۔ یہ ریاستیں ہندوستان میں بہت سی ہیں۔ اب ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو بڑی ریاستوں کی ہے۔ جیسے ریاست حیدرآباد، کشمیر، میسور، ٹراونکور، بڑودہ، کوچین وغیرہ۔ ان بڑی ریاستوں میں سے بعض اپنے یہاں ٹکٹ تیار کرتی ہیں جو انگریزی ٹکٹوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں یہ ریاست کے اندر چل سکتے ہیں، ریاست کے باہر کہیں خط بھیجنا ہوتا ہے تو انگریزی یعنی برطانوی ہند کے ٹکٹ لگانے پڑتے ہیں ایسی ریاستیں ہندوستان میں کافی ہیں خصوصاً راجپوتانہ اور وسط ہند میں لیکن ان کے یہاں صفائی کا خیال نہیں کیا جاتا۔ نہایت معمولی کاغذ پر ٹکٹ چھاپے جاتے ہیں۔ مگر تعداد میں کم چھپتے ہیں اس لئے مشکل سے ملتے ہیں اور اسی لئے ٹکٹ جمع کرنے والوں کے یہاں ان کی بہت مانگ ہوتی ہے۔ اگرچہ ہندوستان سے باہر کے ٹکٹ جمع کرنے والے اس قسم کے ٹکٹوں کو کچھ ایسا زیادہ پسند نہیں کرتے۔

ان میں سے بعض ریاستیں اپنے ٹکٹ استعمال نہیں کرتیں اور بعض نے اب چھوڑ دیا ہے۔ وہ بس اب انگریزی ڈاک خانہ کے ٹکٹوں پر اپنی ریاست کا نام چھاپ دیتی ہیں۔ ایسے ٹکٹ

ریاست سے باہر انگریزی علاقے میں بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ لیکن انگریزی علاقے سے ریاست میں نہیں بھیجے جا سکتے۔

ریاستوں کی دوسری قسم وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں جو ہندوستان میں بے شمار ہیں۔ ان میں سے بھی بعض انگریزی ڈاک خانہ کے ٹکٹوں پر اپنی ریاست کا نام چھاپ دیتی ہیں جیسے ریاست چمبہ وغیرہ۔

نیچے ہم ان تمام ریاستوں کا ذکر کرتے ہیں جو یا تو خود اپنے ٹکٹ تیار کرتی ہیں یا انگریزی ڈاک خانہ کے ٹکٹ پر اپنی ریاست کا نام چھاپ دیتی ہیں۔ ان کے نام الف۔ با۔ کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔

۱۔ اروچھ :۔ یہ ریاست وسط ہند میں ہے یہاں ۱۹۱۳ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

۲۔ الور :۔ یہ راجپوتانے کی ایک مشہور ریاست ہے اس کا دارالحکومت شہر الور ہے۔ یہاں ۱۸۷۷ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

۳۔ اندور :۔ یہ وسط ہند کی مشہور ریاست ہے یہاں ۱۸۸۶ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

۴۔ بامڑہ :۔ یہ بھی ایک چھوٹی ریاست ہے یہاں ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۴ء تک اپنے ٹکٹ چلتے رہے۔

۵۔ بروانی :۔ یہ وسط ہند کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے یہاں ۱۹۲۱ء میں اپنے ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔

۶۔ بُشہر :۔ یہ پنجاب کی پہاڑی ریاست ہے یہاں ۱۸۹۶ء سے مارچ ۱۹۰۱ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

۷۔ بوندی :۔ یہ راجپوتانہ کی ریاست ہے یہاں ۱۸۹۴ء سے اپنے ٹکٹ جاری تھے ۱۹۰۲ء میں بند ہوگئے اب ۱۹۱۵ء سے پھر جاری ہوئے ہیں۔

۸۔ بھوپال :۔ یہ وسط ہند کی مشہور ریاست ہے اس کے والی آج کل نواب حمید اللہ خاں صاحب ہیں یہاں ۱۸۷۶ء سے اپنے ٹکٹ جاری تھے لیکن اب بند ہوگئے ہیں۔ اگر کوئی بھوپالی بھائی یہاں کے کچھ ٹکٹ تلاش کرکے بھیج دیں گے

تو میں ممنون ہوں گا۔

۹۔ بھور:۔ یہ صوبۂ بمبئی میں ستارا ایجنسی کے ماتحت ایک چھوٹی ریاست ہے۔ یہاں ۱۸۷۹ء سے ۱۹۰۱ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

۱۰۔ پٹیالہ:۔ یہ پنجاب کی مشہور ریاست ہے یہاں سب سے پہلے ۱۸۸۴ء میں اپنے ٹکٹ جاری ہوئے۔ لیکن اب انگریزی ٹکٹ پر پٹیالہ اسٹیٹ لکھا رہتا ہے۔

۱۱۔ پونچھ:۔ یہ آزاد ریاست، بھوٹان کا ایک ضلع ہے یہاں ۱۸۷۶ء سے ۱۸۹۴ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے تھے۔

۱۲۔ ٹراونکور:۔ یہ جنوبی ہند کی مشہور ریاست ہے یہاں ۱۸۸۸ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں یہاں کے بعض سکوں کے نام بہت دلچسپ ہیں مثلاً

۱۶۔ کیش = ۱۔ چکرام

۱۶۔ چکرام = ایک روپیہ

۱۳۔ جیند:۔ یہ پنجاب کی ریاست ہے یہاں ۱۸۷۴ء سے ۱۹۰۵ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔ اس کے بعد سے انگریزی ٹکٹ پر ریاست کا نام ہوتا ہے۔

۱۴۔ جھالاواڑ:۔ یہ راجپوتانہ کی ایک ریاست ہے یہاں ۱۸۸۶ء سے ۱۹۰۰ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

۱۴۔ جے پور:۔ یہ راجپوتانہ کی مشہور ریاست ہے یہاں ۱۹۰۴ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

تم کہیں پڑھتے پڑھتے اُکتا نہ گئے ہو اچھا تو اب باقی ریاستوں کے نام اگلے پرچے میں لکھیں گے۔

# لطیفہ

گوپال:۔ رام کل جو تم نے مجھ سے روپیہ لیا تھا وہ کب واپس کرو گے

رام:۔ جناب مجھے نہیں معلوم۔ میں کوئی نجومی نہیں ہوں کہ میں آپ کو کل کی بات بتا دوں۔

# حضرت ابراہیم علیہ السلام

اختر آرا بیگم صاحبہ شمیم گو، دعا ہاؤس

حضرت ابراہیم علیہ السلام (ان پر اللہ کی سلامتی ہو) کا نام تو تم نے ضرور سنا ہوگا یہ بہت بڑے پیغمبر گذرے ہیں۔ مکے میں جو خانہ کعبہ ہے اُسے ان ہی نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بنایا ہے۔ ہر سال مسلمان ہزاروں کی تعداد میں حج کرنے اور اس خانہ کعبہ کی زیارت کرنے مکہ جاتے ہیں۔

یہ جس زمانے میں پیدا ہوئے لوگ بتوں کو پوجتے تھے ان کے باپ بھی بہت بڑے پجاری تھے۔

بعض بچوں میں بچپن سے سوچنے اور چیزوں پر غور کرنے کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ تو تم جانو پیغمبر ہونے والے تھے اس لئے انھیں اور بھی چیزوں کے جاننے پہچاننے کی کرید رہتی تھی ایک دفعہ کیا ہوا کہ انھوں نے ایک ستارہ دیکھا جو خوب جگمگا رہا تھا انھوں نے اپنے جی میں کہا کہ ہو نہ ہو یہی میرا خدا ہے مگر ارے یہ تو چھپ گیا چھپ جانے والی چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ پھر چاند نظر آیا۔ انھیں خیال آیا کہ یہی خدا ہوگا مگر یہ بھی آخر وہ بھی غائب ہو گیا۔ غائب ہو جانے والی چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد سورج نکلا، یہ سب سے بڑا تھا آخر اس نے بھی دن بھر روشنی پہنچانے کے بعد اپنا منہ چھپا لیا۔ اب انھیں یقین آگیا کہ ان میں سے کوئی چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ خدا تو وہی ہے جس نے اس زمین، آسمان۔ چاند، سورج ستاروں غرض ساری دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اب انھوں نے اپنی قوم کو بھی یہی بات بتائی۔ مگر توبہ کرو وہ تو ضدی لوگ تھے کسی نے ان کی نہیں سنی باپ تک دشمن ہو گئے مگر یہ بھی اپنی سچائی پر قائم رہے۔ کوئی مانے نہ مانے انھیں سچی بات بتلانے

اور سیدھا راستہ دکھانے سے کام - ایک دفعہ کیا ہوا کہ تمام لوگ کوئی تیوہار منانے شہر سے باہر چلے گئے - انھیں جو موقع ملا تو سارے بتوں کو توڑ پھوڑ برابر کر دیا - جب لوگ لوٹ کے آئے تو بہت چکرائے لیکن آخر سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو یہ ابراہیم کی حرکت ہے - بلایا اور کہا کہ یہ تمھارا ہی کام معلوم ہوتا ہے انھوں نے جواب دیا کہ اپنے انھیں بتوں سے پوچھو - وہ لوگ لاجواب تو ہو گئے مگر کھسیانے ہو کر بولے یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تو پھر ایسی چیزوں کے پوجنے سے کیا حاصل جو نہ اپنے کو فائدہ پہنچا سکیں نہ غیروں کو تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جنھیں تم ایک اکیلے اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو - یہ سن کر ان لوگوں کو اور بھی طیش آیا اور سب نے کہا کہ انھیں آگ میں ڈال دو مگر تم نے وہ مثل سنی ہوگی کہ جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے تو بس اللہ کے حکم سے آگ نے اُن پر ذرا بھی اثر نہ کیا اور اللہ کا یہ بندہ اس آگ میں سے صحیح سلامت نکل آیا - مگر چونکہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے انھیں - نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی اس لئے وہ اللہ کے حکم سے یہاں سے چلے گئے اور ایسے ملک میں داخل ہو گئے جہاں اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے ہر قسم کی برکتیں رکھی تھیں اک دفعہ ایک بادشاہ نے بھی اُن کو بلا کر بحث کی اسے اپنی حکومت پر بڑا گھمنڈ تھا - مگر وہ تو تم جانو پیغمبر تھے انھوں نے اسے ایسے جواب دئے کہ کچھ کہتے سنتے بن نہ پڑا اور لاجواب ہو گیا کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ نمرود تھا -

---

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت دنوں تک اپنے اللہ کا دین لوگوں میں پھیلاتے رہے بڑھاپے میں اللہ نے انھیں دو اولادیں دیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام -

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا - وہ خواب انھوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے بیان کیا اور فرمایا کہ اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں

کہو تمھارا کیا خیال ہے۔ سعادت مند اور نیک بیٹے کو یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا حکم ہے انھوں نے کہا کہ آپ کو جو حکم ہوا ہے اُسے پورا کیجئے، غرض باپ اور بیٹے دونوں اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اللہ میاں کو ان کی یہ بات بہت پسند آئی۔ اور حضرت ابراہیم سے کہا کہ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اس سے ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہم تمھیں بڑے مرتبے دیں گے۔ اس کے بعد انھیں حکم ہوا کہ مکے میں جا کر اللہ کا گھر بنائیں۔ چنانچہ باپ بیٹوں نے مل کر مکے میں جہاں ہمارے رسولؐ پیدا ہوئے تھے یہ گھر بنایا۔ یہی گھر ہے جو خانہ کعبہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں اور پوتوں کو وصیت کی کہ اللہ نے تمھارے لئے دین اسلام پسند کیا ہے۔ اس لئے تم مسلمان ہی رہنا اور اسی پر جان دینا۔

اللہ نے آپ کی اولاد میں یہ برکت عطا فرمائی کہ ان میں سے اکثر کو نبی کیا ہمارے رسول حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ کا درود و سلام ان پر) بھی انھیں کی اولاد میں ہیں اسی لئے ہمارا دین اسلام دین ابراہیمی بھی کہلاتا ہے۔ کعبہ کا حج۔ بقر عید کی قربانی۔ اور دوسرے بہت سے مذہبی طریقے جن پر مسلمان عمل کرتے ہیں اصل میں حضرت ابراہیمؑ ہی کی سنت ہیں۔ انھیں طریقوں کو ہمارے رسول نے دوبارہ صحیح طور پر جاری فرمایا۔

# لطیفہ

استاد:۔ ایک سال میں کتنے موسم ہوتے ہیں

شاگرد:۔ جناب دو

استاد:۔ اچھا! دو!! وہ کیسے ؟

شاگرد:۔ ایک کرکٹ کا موسم اور ایک فٹ بال کا



# آخری فتح

(از جناب اقبال الدین احمد صاحب صدیقی رڑول ضلع میرٹھ)



نادر اور حشمت کی لڑائی بھی عجیب دلچسپ لڑائی تھی اور پھر اُس کا اُمید کے خلاف انجام تو ماسٹر نصیر کے شاگردوں کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ بات یہ تھی کہ حشمت سب سے زیادہ خاموش، سست اور بدصورت لڑکا۔ اور تھا بھی غریب۔ اس کا باپ معمولی دکان دار تھا اور بساطی کی دکان کرتا تھا۔ وہ ماہوار فیس کی جگہ ہر مہینہ ماسٹر صاحب کو چار، موم بتیاں، اور صابن وغیرہ دیا کرتا تھا۔

یہ بات لڑکوں کو کچھ عجیب معلوم ہوتی تھی اور وہ اس وجہ سے بے چارے حشمت کا اور بھی مذاق اُڑاتے تھے۔ اس کے خلاف نادر ماسٹر نصیر کے تمام شاگردوں کا سردار مانا جاتا تھا وہ اچھے اچھے کپڑے پہنتا تھا۔ اس کے پاس ایک سنہری گھڑی تھی، بڑے اچھے فل بوٹ تھے اور وہ ڈرامے میں بہت اچھا کام کرتا تھا۔ اسکول میں جب ڈراما ہوتا تھا تو سب سے مشکل کام اُسی کو دیا جاتا تھا۔ اور وہ بڑی خوبی سے اُسے انجام دیتا تھا۔ سنتے ہیں ماسٹر نصیر بھی اس کا بہت لحاظ کرتے تھے یوں سمجھو کہ نادر اسکول کا بادشاہ تھا۔ لڑکوں پر اس کی حکومت تھی۔ وہ ان بے چاروں سے زبردستی طرح طرح کے کام لیتا جو نہ کرتا اسے مارتا پیٹتا حشمت سے تو اُسے سخت نفرت تھی وہ کبھی اسے بُرا بھلا کہتا اور کبھی اس کا منہ چڑاتا۔

ایک دن چھٹی کے بعد نادر اسکول کے میدان میں گیند بلّا (کرکٹ) کھیل رہا تھا پاس ہی حشمت ایک درخت کے نیچے بیٹھا الف لیلہ کے مزے مزے کے قصے پڑھ رہا تھا اتنے میں اُسے ایک بچہ کے رونے کی آواز آئی اور وہ چونک پڑا اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو نادر ایک چھوٹے لڑکے کی مرمت کر رہا تھا۔ اور ایک زرد رنگ کا وکٹ۔ گھما کر کہہ رہا تھا

"بتاؤ تمھیں بوتل توڑنے کی کیسے ہمت ہوئی" بات یہ تھی کہ اس لڑکے کو حکم دیا گیا تھا کہ آدھے میل پر جو دکان ہے وہاں سے شربت اُدھار لے آئے۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو اتفاق سے میدان کی دیوار پر چڑھتے وقت بوتل اُس کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر گئی۔ بے چارے کا پاجامہ بھی خراب ہو گیا۔ اور اب وہ ایک مجرم کی صورت بنائے نادر کے سامنے کھڑا تھا۔ نادر اُس سے بڑے غصہ سے کہہ رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں بوتل کیسے ٹوٹی ہے۔ تم نے شربت خود پی لیا ہے اور اب بوتل ٹوٹنے کا دھوکا دیتے ہو۔ تم چور ہو ہاتھ پھیلاؤ" وکٹ بڑے زور سے اُس غریب بچے کے ہاتھ پر پڑا اور وہ بلبلا اٹھا اب حشمت کتاب رکھ، فوراً کھڑا ہو گیا اور چلا کر بولا۔ "دیکھو نادر اس بچے کو مت مارو ورنہ ------" نادر (ازتعجب سے) "تم کیا کر لو گے"

یہ کہہ کر اس نے پھر بچے سے اُسی تیزی سے حکم دیا کہ "ہاتھ پھیلاؤ"

اب کے حشمت نے بھی ذرا تیزی سے کہا۔ میں تمھیں ایسا دھکا دوں گا کہ عمر بھر کسی نے نہ دیا ہو گا"

چھوٹا لڑکا احسان مندی کی نظر سے حشمت کو دیکھنے لگا۔

نادر کو ابھی تک حیرت تھی کہ یہ کیا کہہ رہا ہے اُس نے حشمت سے کہا۔ اچھا تم ذرا اپنے دوستوں کے سامنے اپنا وصیت نامہ لکھوا لو۔ آج ہماری تمھاری لڑائی ہو گی" حشمت نے بہت متانت سے جواب دیا۔ "جیسی تمھاری مرضی"

---

لیجئے صاحب یہ مشہور لڑائی آخر کار شروع ہو گئی۔ لڑائی سے پہلے نادر نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ ظاہر کی اور بڑی آسانی اور پھرتی سے حشمت غریب پر گھونسوں کا مینہ برسا دیا۔ اس نے تین مرتبہ حشمت کو گرایا۔ ہر مرتبہ جب حشمت گرتا تھا تو خوشی کا نعرہ بلند ہوتا تھا نادر حشمت کو حملہ کرنے کا موقع ہی نہ دیتا تھا۔ مگر تیسری بار گرنے کے بعد حشمت نے فیصلہ کیا کہ اب اُسے خود حملہ کرنا چاہئے۔ اس کا داہنا ہاتھ بے کار تھا اس لئے اس نے اُلٹے ہاتھ سے نادر کے گھونسے مارنے شروع کئے۔ کبھی تو وہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں پر مارتا تھا اور کبھی اس کی خوبصورت

ل پر۔ اس مرتبہ لڑکوں کو بڑا ہی تعجب ہوا۔ کیوں کہ ان کا سردار گر پڑا تھا۔ حشمت کے اُلٹے ہاتھ نے واقعی خوب کام کیا۔ اُس نے نادر کو چھ بار زمین پر گرایا۔ اور جس طرح حشمت کے گرنے پر لڑکے خوش ہوتے تھے اسی طرح اب وہ نادر کے گرنے پر خوشی کے نعرے لگاتے تھے نادر کے چہرے پر غصہ اور جھلاہٹ ظاہر ہونے لگی تھی مگر حشمت بالکل خاموش اور مطمئن تھا۔ اور اب کے اس نے نادر کی ناک پر ایسا گھونسہ مارا کہ وہ گرنے کے بعد پھر نہ اُٹھ سکا یا شاید اس نے اب حشمت کا مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اس مرتبہ لڑکوں نے اس زور کا نعرہ لگایا کہ ماسٹر نصیر صاحب کو جو اپنے کمرے میں کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ناگوار معلوم ہوا۔ اُنھوں نے باہر آکر دیکھا تو لڑائی کا بازار گرم تھا حشمت سے انھیں بھی کچھ نفرت سی تھی انھیں جب معلوم ہوا کہ حشمت نے نادر کو اس طرح مارا ہے تو اُسے سزا دینے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر اس وقت نادر نے واقعی بڑی شرافت سے کام لیا۔ وہ اپنے زخم دھو رہا تھا مگر ماسٹر صاحب کی بات سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ "ماسٹر صاحب حشمت نے میرے ساتھ بالکل ٹھیک سلوک کیا ہے اس لئے کہ میں ایک لڑکے کو مار رہا تھا" یہ کہہ کر اتنا ہی نہیں کہ اس نے حشمت کو سزا سے بچا لیا بلکہ وہ کھوئی ہوئی عزت بھی حاصل کر لی جو ہار جانے کی وجہ سے لڑکوں کے دل سے نکل گئی تھی۔

اس شان دار فتح کی وجہ سے ماسٹر نصیر کے شاگردوں میں حشمت کا نام بھی اُسی عزت سے لیتے ہیں جس عزت سے کہ خوب صورت اور شریر نادر کا۔

(انگریزی کہانی کا ترجمہ)

# لطیفہ

استاد: (لڑکوں سے) استاد کو ہمیشہ اپنا باپ سمجھو۔

ایک لڑکا:۔ مگر ماسٹر صاحب میرے ابا تو مجھے روز دو آنے پیسے دیتے ہیں۔



# بسنت کی بہار

بسنت رت میں ایک دن ہم آئے ایک کھیت پہ ✽ بہت سے کھیت اور بھی قریب تھے اِدھر اُدھر
برس کے کھل چکا ہے مینہ، زمیں پہ ہے ابھی تری ✽ عجب سماں دکھا رہی ہیں یہ پتیاں ہری بھری
زمیں پہ سبز مخملوں کے فرش سے بچھے ہوئے ✽ اور ان میں زرد زرد پھول ہر طرف کھلے ہوئے
کہیں مٹر کے کھیت ہیں، کہیں ہیں جو، کہیں چنے ✽ یہ دانے ننھے ننھے سے، بتاؤ کس طرح بنے
ہیں زرد پھول شلغموں کے، اک طرف کھلے ہوئے ✽ سفید مولیوں کے پھول انھیں میں ہیں ملے ہوئے
یہ سرسوں پھول پھول کر دکھا رہی ہے کیا بہار ✽ زمین نے پہن کے پھول، کر لیا عجب سنگھار
ہیں سبز سبز پتیوں پہ قطرے اوس کے پڑے ✽ بہار دے رہے ہیں موتیوں کی طرح سے جڑے
یہ دیکھ کر کہ ہر طرف بہار ہی بہار ہے ✽ کھلے خوشی سے سب کے دل، بسنت کی پکار ہے
ہیں پیلی پیلی پگڑیاں، ہیں ساریاں رنگی ہوئی ✽ اور ان پہ رنگ رنگ کی کناریاں ٹکی ہوئی

ہر اک بشر کے اس گھڑی زباں پہ بار بار ہے
بسنت کی بہار ہے، بسنت کی بہار ہے



# اہم اعلان

خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کے نئے خریدار دن پر دن بڑھ رہے ہیں پھر بھی ان کی رفتار اتنی تیز نہیں ہے جتنی کہ ہم چاہتے ہیں اس لیے ہم اعلان کرتے ہیں کہ پیام بھائیوں میں سے جو صاحب ایک مہینے میں پیام تعلیم کا ایک خریدار دیں گے انھیں جناب سعید انصاری صاحب کی کتاب بچوں کے اسماعیل انعام میں دی جائے گی۔ علاوہ اس کے جو صاحب مہینے میں سب سے زیادہ خریدار دیں گے انھیں پانچ روپے کی کتابیں دی جائیں گی۔ سب سے زیادہ سے مراد یہ ہے کہ تین سے زیادہ ہوں۔ صرف تین خریدار دینے والے بھائی اس مقابلے میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس اعلان کو دیکھتے ہی سب بچے اپنی اپنی کوششوں میں لگ جائیں گے۔ دیکھیں کون اس مقابلے میں اول آتا ہے۔

(مینیجر)

# بچوں کی کوششیں

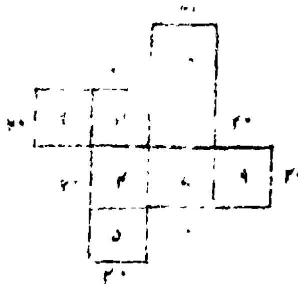
جنوری کے پرچے میں ہم نے بچوں کی کوششوں کے عنوان سے ایک بچے کا مضمون چھاپا تھا ہمارے بزرگوں نے اسے پسند کیا ہے۔ اور اس کے لئے ایک بہت اچھی تجویز پیش کی ہے تجویز یہ ہے کہ جن بچوں کے مضمون دفتر میں آئیں ان سب کے نام شائع کئے جائیں جس بچے کا مضمون سب سے اچھا ہو اُسے پانچ روپیے کی کتابیں انعام میں دی جائیں۔ ہمارے ان بزرگوں نے اپنی طرف سے انعام دینے کا بھی وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ اپریل کے مہینے ہمارے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب۔ ایم، اے پی ایچ ڈی نے ہمیں اعلان کرنے کی اجازت دی ہے۔ امید ہے کہ چھوٹے بچے بہت جلد اپنے اپنے مضمون بھیجنا شروع کر دیں گے تاکہ انعامات کا یہ دلچسپ سلسلہ اگلے مہینے سے ہی شروع کر دیا جائے۔

(ایڈیٹر)




جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔

جنوری کے انوکھے عدد ۱۰۱ ... پڑھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا ... تقسیم ... ہو کہ ان کی مہربانی سے ہمیں ایسا ایک مضمون پڑھنے کو ملا آپ ہمیشہ ایسے اچھے اچھے مضمون چھاپا کیجئے۔ ایسے مضمون کو ہر ایک ... سے پڑھنا ہے آپ ... دو نقش بنا ... ہیں۔





(محمد غوث حیدرآباد)

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

جنوری کے پیام تعلیم میں انوکھے عدد والا مضمون پڑھ کر میں نے غور کیا تو اس طرح کے کئی نقش بن گئے اس کا قاعدہ میرے خیال میں یہ ہے کہ ایسے عدد سے یہ نقوش بن سکتے ہیں جو بارہ سے زیادہ ہو۔ اور تین سے برابر تقسیم ہو سکے جس عدد کا ایسا نقش بنانا ہو اسے تین سے تقسیم کیا جائے حاصل تقسیم یعنی خارج قسمت کو بیچ میں رکھا جائے اور اندازے سے دوسرے خانوں میں ہندسے لکھے جائیں۔ تاکہ ہر طرف سے جوڑنے میں اتنا ہی آئے جتنے کا نقش بنانا ہو۔ مثال کے طور پر نیچے کے تین نقش ملاحظہ کیجئے جو ۲۷، ۱۸ اور ۲۴ کے ہیں۔ امید ہے کہ آپ انھیں شائع کر دیں گے۔

(۱)

| | | |
|---|---|---|
| ۵ | ۴ | ۹ |
| ۱۰ | ۶ | ۲ |
| ۳ | ۸ | ۷ |

(۲)

| | | |
|---|---|---|
| ۹ | ۴ | ۱۱ |
| ۱۰ | ۸ | ۶ |
| ۵ | ۱۲ | ۷ |

(۳)

| | | |
|---|---|---|
| ۸ | ۷ | ۲ |
| ۲ | ۹ | ۵ |
| ۴ | ۱۱ | ۱۰ |

پہلا ۱۸ کا ہے دوسرا ۲۴ کا اور تیسرا ۲۷ کا

(حامد رضا۔ درجہ پنجم۔ مجوبیہ اسلامیہ ہائی اسکول الہ آباد)

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔

انوکھے عدد کا ایک نقش بھیجتا ہوں۔ مہربانی فرماکر شائع کر دیجئے۔ ہر طرف سے جوڑنے سے ۶۵ ہوتے ہیں۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۷ | ۲۴ | ۱ | ۸ | ۱۵ |
| ۲۳ | ۵ | ۷ | ۱۴ | ۱۶ |
| ۴ | ۶ | ۱۳ | ۲۵ | ۱۲ |
| ۱۰ | ۱۲ | ۱۹ | ۲۱ | ۱۳ |
| ۱۱ | ۱۸ | ۲۵ | ۲ | ۹ |

ابوالفضل محمد علوی

XIII کلاس انٹرمیڈیٹ کالج

الہ آباد

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

آپ کے ماہرین تعلیم کے فرمانے کے مطابق میں بھی انوکھے عدد کا ایک نقش بھیج رہی ہوں مہربانی فرماکر شائع کر دیجئے۔

| | | |
|---|---|---|
| ۹ | ۲ | ۷ |
| ۴ | ۶ | ۸ |
| ۵ | ۱۰ | ۳ |

مس نفیس گل محمد سے جمن
(کراچی)

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

جنوری کے پیام تعلیم میں انوکھے عدد والے مضمون کو دیکھ کر دل چاہا کہ میں بھی ایک ایسا ہی نقش لکھ کر روانہ کروں اس لئے یہ نقش روانہ ہے مہربانی فرماکر اسے چھاپ دیجئے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ | ۸ | ۳ | ۸ |
| ۵ | ۶ | ۳ | ۶ |
| ۷ | ۲ | ۹ | ۲ |
| ۷ | ۴ | ۵ | ۴ |

محمد شفیع طالب علم جماعت چہارم
اسلامیہ اسکول بھیوں
(...)

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

پیام تعلیم میں ایک کمی ہے اور وہ یہ کہ معلومات نہیں ہوتے۔ آپ جب بچوں سے باتیں کر چکیں تو ایک صفحے پر معلومات دے دیا کیجئے۔ آپ اگر یہ بات اچھی سمجھیں تو میں آپ کا بہت شکریہ ادا کروں گا

خاکسار

(سمیع اللہ قریشی)

# لطیفہ

استاد:۔ کون سا ملک سب سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔

ایک لڑکا:۔ جنت؟

استاد:۔ یعنی!

لڑکا:۔ جغرافیہ کے ماسٹر صاحب نے بتایا ہے کہ جتنے اوپر جاؤ ٹھنڈ معلوم ہوئی اور جنت تو ماسٹر صاحب بہت ہی اونچائی پر ہے۔




(مولوی جمیل احمد صاحب قنوجی)

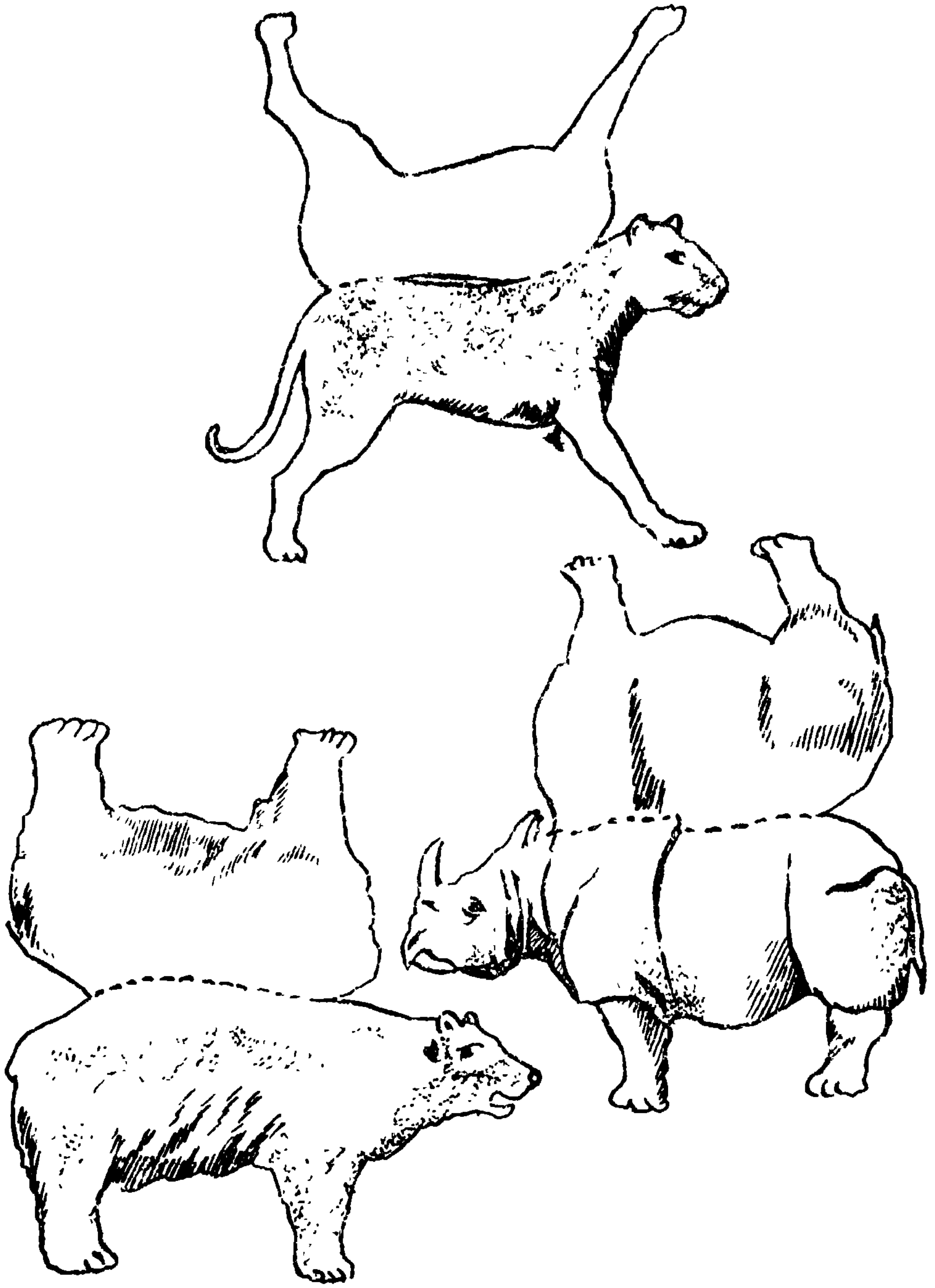
کبھو بھی تم نے کاٹھ کا الو بنایا؟ وہی جس کی پچھلے مہینے ہم نے تمھیں ترکیب بتائی تھی۔ سچ کہنا کتنا لطف آیا
اچھا آؤ آج ہم تمھیں ایک نئی چیز بنانے کی ترکیب بتائیں۔ اگر تم نے ہمارے کہنے کے مطابق کام
کیا تو گھر بیٹھے تمھارے یہاں ایک عجائب خانہ بن ہو جائے گا اور تم اس عجائب خانے سے
اپنی مرضی سکتے ہو۔ ذرا سلیقہ تو تم اپنے اسکول میں سکتے ہوگے اور خوب اچھی تصویر بنا
بنا لیتے ہوگے۔ لیکن اگر تمھیں زیادہ مہارت نہیں ہے تب بھی کوئی حرج
نہیں۔ کرنا تمھیں یہ ہے کہ کسی جانور کا عکس اتار لو۔ یہ بہت آسان کام ہے
تصویریں تمھیں اچھی سے اچھی اور دلچسپ
کتابوں میں مل جائیں گی



اس کام کے لئے تم کاغذ بھی استعمال کر سکتے ہو۔ مگر دفتی
زیادہ موزوں ہوگی۔ اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ سادے کارڈ کی ایک
گڈی دو ایک آنے میں بساطی کی دوکان سے خرید لو۔

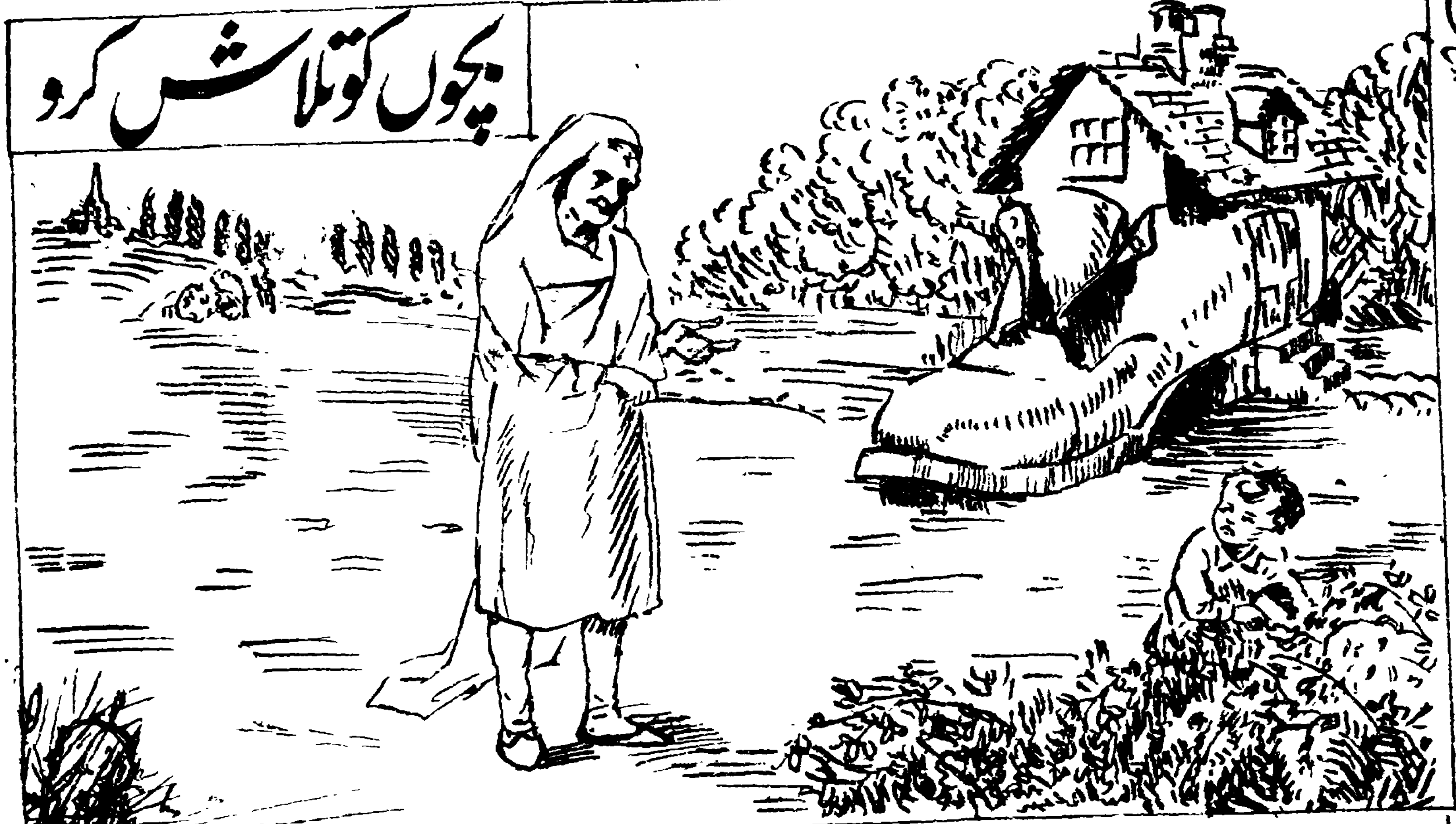
عکس اتارنے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹریسنگ کا کاغذ یا ٹریسنگ پیپر
کتاب پر رکھ کر نرم پنسل سے خاکہ کھینچ لو۔ پھر اس ٹریسنگ کے کاغذ کو کارڈ پر الٹ کر
رکھو، اور اوپر سے اسے رگڑ دو پنسل کا ہلکا نقش کارڈ پر اتر آئے گا۔ اس ہلکے نقش کو پھر
چمکا لو۔ اور اب جانور کی پیٹھ پر اس کے جسم کا الٹا خاکہ بنا لو جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے اس کے
بعد اس تمام خاکے کو کاٹ لو۔ پھر پیٹھ کے پاس سے جیسے تصویر میں نشو شدار لکیر سے
دکھایا گیا ہے اسے دہرا کر لو۔ اب ہر جانور کھڑا ہو جائے گا اور اس کے چاروں پاؤں نظر آئیں گے۔
تھوڑی سی مہارت کے بعد جانور زندہ جانوروں کی طرح نظر آنے لگیں گے۔ اگر چاک یا رنگ سے

شیڈ دے دو تو اور بھی اچھے معلوم ہوں گے شیڈ دینے کے معنی اپنے ڈرائنگ ماسٹر صاحب



سے پوچھ لینا۔ وہ تمہیں اچھی طرح سمجھا دیں گے۔ یہ تصویریں بناؤ تو ہمیں بھی خبر کرنا۔

# بچوں کو تلاش کرو



**دادی اماں** ۔ ”ننھے میاں چلو گھر میں چلو ۔ تم یہاں باغیچے میں کھڑے کیا کر رہے ہو؟“

**ننھے میاں** ” دادی اماں آپ مجھے تو بعد میں نکالئے گا۔ پہلے ان پانچ بچوں کو اور ڈھونڈھ لیں ۔ جو آپ کے باغیچے میں چھپے بیٹھے ہیں۔“

(مرزا جہانقدر ۔ بھوپال)

# پیامِ تعلیم

دہلی

جلد ۱۸ | اپریل سنہ ۳۵ء | نمبر ۴





پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی، جامعہ پریس

# پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

قیمت سالانہ عہ
فی پرچہ ۴ر

اسٹوڈنٹ کلب، کریم گنج، اہریا سرائے
محمد ادریس صاحب - کلکتہ
مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ دارالشفا بلدہ - حیدرآباد
مولوی سید ابراہیم ہاشمی صاحب - چاندہ
ذکرالرحمٰن صاحب - دہلی -
چودھری محمد عشرت علی صاحب - سندیلہ
مدرسہ اسلامیہ - نظام آباد
میر مصطفیٰ علی صاحب متعلم - حیدرآباد دکن
محمد سجاد انصاری صاحب - اعظم گڈھ
محمد عبدالعلی انصاری صاحب - ”
نواب زادہ نصراللہ صاحب - رمنا
بزم اتفاق - Janjra
جناب یعقوب حسن صاحب - Nandyal

خیرالنسا بیگم صاحبہ - دیول گھاٹ
مڈل اسکول - Maddoz
اسلامیہ اینگلو ورنیکلر اسکول - فاضلکا
میاں عبدالوحید علوی صاحب - لدھیانہ
ایم صباح الدین احمد صاحب سمستی پور
سید علی حیدر صاحب رضوی - ٹیکاری -
حامد علی صاحب رئیس - بچھراؤں
اعزاز حسین خاں صاحب - امروہہ
زیڈ، اے، وی، ہائی اسکول ضلع
مڈل اسکول - کوہیر
عبدالحکیم حسنی منک صاحب - مالدیپ مند
مدرسہ نظامیہ شبلی گنج - حیدرآباد
بابو سید شجاعت علی صاحب - دہلی

# بچوں سے باتیں

فروری کے پرچے میں ہم نے بدرالدین صاحب چینی بی اے جامعہ کے بارے میں ایک مضمون شائع کیا تھا اس مضمون سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ چینی صاحب دو چار دن کلکتہ میں رہ کر سیدھے جامعہ میں آگئے تھے مگر جناب محمد الیاس خاں صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ ۱۹۲۴ء میں کلکتہ آئے تھے اور ۱۹۲۶ء تک وہاں کے یتیم خانہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۲۷ء کے آخری مہینوں، اگست ستمبر میں انھوں نے دلی کا رخ کیا۔ محمد الیاس خاں صاحب کو یہ حالات اس لئے معلوم ہیں کہ اس زمانے میں وہ بھی یتیم خانے میں رہتے تھے اور میٹرک کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔

---

جناب محمد شمیم صاحب جامعی اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ "فروری کے پرچے میں، میں نے نئے ٹکٹ جمع کرنے والوں کو سو ٹکٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں میرے پاس اتنے خط آگئے کہ قریب قریب سارا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ خطوں کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اب میرے پاس بہت تھوڑے ٹکٹ رہ گئے ہیں جنھیں میں نے مبادلہ کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس لئے اب کوئی صاحب اس کے بارے میں خط کتابت نہ فرمائیں۔"

اپنے خط میں انھوں نے یہ بات بھی ظاہر کی ہے کہ خط لکھنے والوں میں سب سے زیادہ تعداد حیدر آباد والوں کی ہے۔

---

بڑی خوشی کی بات ہے کہ رنگ بھرنے کی تصویر کے مقابلے میں اس مرتبہ بہت سے بچوں نے حصہ لیا ہے اگرچہ بہت سی تصویریں چند خرابیوں کی وجہ سے مقابلے میں شامل نہیں کی گئیں۔ مثلاً بعض میں کوپن پر نام، پتہ ٹھیک نہیں لکھا تھا یا بعض تصویروں میں بہت بے احتیاطی سے رنگ بھرا گیا تھا۔ پھر بھی کوئی ۲۱ تصویریں ایسی تھیں جن میں بڑی صفائی اور احتیاط سے رنگ بھرا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ تو اتنی اچھی تھیں کہ جناب مسٹر اختر حسن صاحب فاروقی آرٹسٹ جامعہ کو بہترین تصویر کے انتخاب میں بہت دقت ہوئی پہلے ہمارا ارادہ ایک ہی انعام دینے کا تھا مگر اب ہم نے ایک کے بجائے تین انعام کر دئے ہیں۔ مقابلے میں شریک ہونے والوں کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں۔

خواجہ اکرام احمد درجہ ہشتم امراؤتی۔ محمد حسن جماعت پنجم کشٹگی ضلع رائچور۔ محمد صابر الدین خاں درجہ دوم۔ حیدر آباد دکن۔ وارث امین خاں درجہ ہشتم بنوں (سرحد) ظہور الحق درجہ چہارم الف جامعہ ملیہ۔ سید ولی الحق درجہ چہارم جہاں آباد (گیا) محمد شعیب الرحمٰن درجہ پنجم جامعہ ملیہ۔ مس طاہرہ سلطان درجہ پنجم پالن پور (ریاست) ابوخالد ہنوی درجہ ہشتم مراد پور۔ پٹنہ۔ ایشور حیدر درجہ ہشتم غازی پور۔ عبدالرؤف درجہ چہارم جامعہ ملیہ، عمر ہدایت اللہ درجہ ششم حیدر آباد دکن۔ سید زاہد حسین کانپور۔ محمد عبدالوالی درجہ ششم حیدر آباد دکن، مرزا رحمت اللہ بیگ درجہ ہفتم دریا پور۔ افتخار احمد درجہ ششم مظفر نگر۔ فرید احمد درجہ حافظ بہار شریف۔ غلام محمد یعقوب درجہ ششم حیدر آباد دکن۔ نقی اشرف درجہ چہارم اعظم گڈھ۔ محمد ارشد حمید درجہ چہارم اعظم گڈھ۔ محمد حنیف خان درجہ ہشتم۔ جودھپور۔ عبید الحق درجہ ششم جامعہ ملیہ ثروت بیگم درجہ چہارم سہارنپور۔ عبداللطیف اعظمی درجہ ہفتم لکھنؤ محمد ابراہیم عمر درجہ ہم اول (ر گ) کھام گاؤں (برار) جسونت سنگھ درجہ ہفتم اودے پور۔ مختار محمودہ خانم درجہ ہشتم — لاہور

مس حسینہ عبداللہ درجہ ہفتم لاہور ۔ عزیز احمد درجہ ہفتم ہانگ کانگ جنوبی چائنا۔ محمد یعقوب درجہ اول برن ساندہ ۔

جناب ماسٹر اختر حسن صاحب نے انتخاب کے مطابق لڑکوں میں سب سے اچھی تصویر محمد ابراہیم عمر صاحب کھام گاؤں برار کی ہے اس کے بعد جسونت صاحب اودے پور کی ۔ لڑکیوں کی تصویروں میں سب سے اچھی تصویر مس جمیلہ عبداللہ لاہور کی تھی ۔ ہم ان تینوں کو ان کی کامیابی پر مبارک باد دیتے ہیں ان کا انعام بہت جلد ان کے پاس پہنچ جائے گا

ان کے علاوہ عبداللطیف صاحب اعظمی ، مختار محمود خانم صاحبہ عزیز احمد صاحب جنوبی چین ۔ اور محمد حسن صاحب کی تصویریں بھی خاص طور سے اچھی تھیں

---

بعض بچے انعامی مقابلے کے خط بیرنگ بھیج دیتے ہیں بعض اپنے لفافے پر ٹکٹ کم لگاتے ہیں اور ان کے خط بیرنگ ہو جاتے ہیں اور دفتر پر خواہ مخواہ کا بوجھ پڑتا ہے آئندہ سے ایسے خط واپس کر دئے جائیں گے ۔ امید ہے کہ بچے احتیاط سے کام لیں گے ۔

---

اس مہینے میں بہت اندوہ ناک حادثہ پیش آیا یعنی مشہور مسلمان لیڈر جناب نواب مشتاق احمد خاں صاحب شروانی بیرسٹر ، ممبر اسمبلی کا ۲۴ مارچ کو دہلی میں انتقال ہو گیا ۔ آپ ہندوستان کے بہت ہر دل عزیز رہنما تھے ۔ تقریباً پوری زندگی قوم کی خدمت کرتے گذری تھی اسی لئے تمام ملک میں آپ کی موت پر ماتم کیا جا رہا ہے ۔ آپ ۱۸۸۰ء میں علی گڑھ کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے ۔ علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کی پھر لندن کی کیمبرج یونیورسٹی میں بی اے کی ڈگری اور بیرسٹری پاس کی ۱۹۲۰ء میں بیرسٹری چھوڑ کر خلافت کی تحریک میں شامل ہو گئے اور اس وقت سے مرتے دم تک قومی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے[۵]

اس سلسلے میں کئی بار جیل بھی جانا پڑا ۔ ہماری جامعہ سے مرحوم کا تعلق بہت پرانا تھا ۔ جب علی گڑھ میں جامعہ قائم ہوئی ہے تو اس کے پہلے سکریٹری مرحوم ہی تھے ۔ اس لئے جامعہ میں آپ کے انتقال کی خبر سے چھوٹا بڑا ہر شخص متاثر تھا ۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو جنت میں جگہ دے اور ان کے عزیزوں کو صبر عطا فرمائے ۔ آمین

---

دسمبر ۱۹۳۴ء کے پیام تعلیم میں ہم نے ڈھاکہ کے سلیم اللہ یتیم خانے کا ذکر کیا تھا ۔ تھوڑے دن ہوئے ہمیں اس کی ایک رپورٹ اور ملی ہے ۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں ۔ اس یتیم خانے کو قائم ہوئے ۲۵ سال گذر چکے ہیں اور اس خوشی میں اگست ۱۹۳۴ء میں اس کی سلور جوبلی منائی گئی تھی ۔ اس موقع پر یتیم خانے کے ایک نئے مکان ” سر عبدالغنی وارڈ “ کا سنگ بنیاد بھی رکھا گیا تھا ۔ اس میں شک نہیں کہ اس یتیم خانے نے جناب خان صاحب مفید الدین احمد صاحب صدیقی کی کوششوں کی بدولت غیر معمولی ترقی کر لی ہے کوئی ۱۲ ، ۱۳ سال سے آپ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور دن رات اسی میں لگے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یتیم خانہ ترقی کے اس درجے پر پہنچ گیا ہے کہ ہندوستان میں بہت کم اس کی مثال ملے گی ہم اس کامیابی پر صدیقی صاحب اور ان کے ساتھ کام کرنے والوں کو مبارک باد دیتے ہیں اس پرچے میں یتیم خانے کی عمارتوں کے کچھ فوٹو بھی شائع ہو رہے ہیں

---

اس پرچے میں گنجائش کی کمی کے سبب ہمیں کئی مضمون روک دینے پڑے ۔ اللہ نے چاہا تو اگلے پرچے میں شائع ہوں گے ۔ ” معلومات “ اور ” پڑھنے کی کتابوں “ کے صفحے بھی اسی وجہ سے اس پرچے میں نہ دئے جا سکے ۔

---

[۵] شروانی صاحب بھیکم پور ضلع علی گڑھ کے رہنے والے تھے اگر تم ان کے عزیزوں کو تعزیت کا خط بھیجنا چاہو تو اس پتہ پر نثار احمد خان صاحب [redacted]

# ارشاد

## خالدہ ادیب خانم

میں اپنے چھوٹے دوستوں طلبائے جامعہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنے یہاں بلایا۔ ان میں بہت سے ڈاکٹر بننا چاہتے ہوں گے۔ یہ اچھی بات ہے ان کی مدد سے ہندوستان ایک تندرست اور طاقتور ملک ہو جائے گا۔ ان میں بہت سے حاکم بننا چاہتے ہوں گے۔ یہ بھی اچھی بات ہے کیوں کہ ہندوستان میں عدالتیں بھی قائم ہوں گی، ان میں بہت سے ایسے ہوں گے جو خلق خدا کی خدمت کرنا چاہتے ہوں گے۔ بہت سے ایسے ہوں گے جو انجنیر بن کر عمارتیں بنانی چاہتے ہوں گے۔ مگر ان میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو سپاہی بننا پسند کریں گے۔ یہی سب سے اچھے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ آدمیوں کو مارنا یا خونریزی کرنا کوئی اچھا کام ہے بلکہ اس لئے کہ ہر بڑی خدمت ایک فوجی خدمت ہے۔ ہر انسان اپنے ملک کا سپاہی ہے۔ اور ہر سپاہی اپنی ذات سے زیادہ اپنے فرض اور اپنے وطن کو عزیز رکھتا ہے اور اس کے لئے جان لڑا دیتا ہے۔ لہذا جس ملک کے سب بچے چھوٹے چھوٹے سپاہی ہوں گے اور یہ سمجھتے ہوں گے کہ فوجی خدمت کیا چیز ہے وہی آزاد اور بڑے ملک کے مالک ہوں گے۔

خالدہ ادیب



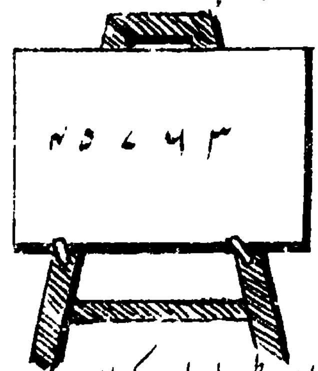

ماسٹر تعلیم کے قلم سے

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم

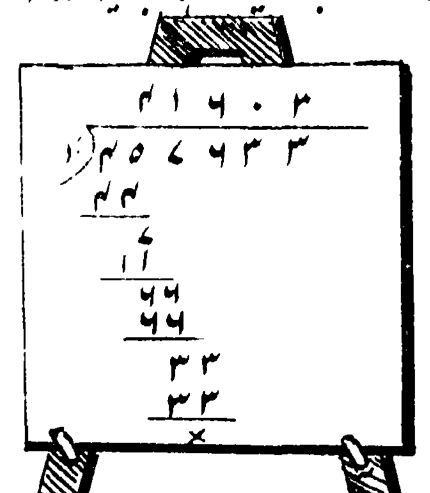
معاف فرمایئے جناب، ہم تو باز آئے آپ کے پرچے میں مضمون لکھنے سے۔ ہم نے آپ کے یہاں انوکھے عدد کیا لکھ کر بھیجے کہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ کل آپ کی جامعہ ملیہ کی ایک اقامت گاہ (بورڈنگ) میں گذر ہو گیا۔ صاف ستھرے بچے، صاف ستھرے بستر، قرینے سے اسباب رکھا دیکھ کر جی بڑا ہی خوش ہوا۔ نگراں صاحب سے ان کے انتظام کی تعریف کر رہے تھے کہ جناب ایک صاحب نے ادھر نے دوسرے سے کچھ کہا اور ہمارے کان میں صرف اتنی بھنک پہنچی "انوکھے عدد والے" ہم نے دل میں کہا یا اللہ خیر۔ یہاں بھی خبر پہنچ گئی۔ اب خیریت نہیں۔ نکل ہی چلو" نگراں صاحب سے کہا "معاف فرمایئے۔ اب اس وقت تو رخصت ہوتا ہوں۔ پھر حاضر ہوں گا" مگر اتنے میں کئی لڑکے جمع ہو گئے تھے سب نے مجھے گھیر لیا۔ اور تو سب چپ چپ سے تھے بس مسکراتے تھے لیکن وہی حضرت جنھوں نے چپکے سے پہلے خبر دی تھی آگے بڑھے اور لگے کہنے "جناب ہم لوگ ایک درخواست کرتے ہیں" میں نے کہا "فرمایئے" بولے "آپ ہی تو ہمارے پیام تعلیم میں وہ انوکھے عدد والا مضمون لکھنے والے" نہ ہاں کہتے بنتی تھی نہ نا۔ آخر سچ سچ کہہ دیا "جی ہاں، لکھتا تو ہوں" ان چھوٹے صاحب نے نہایت فاتحانہ چاروں طرف دیکھا گویا زبان حال سے فرما رہے ہیں دیکھا میں سچ نہ کہتا تھا۔ اور بولے "تو آج ہمیں بھی کچھ انوکھے عدد بتایئے۔ ہمارے بڑے کمرے میں اب تو ایک بڑا کالا تختہ بھی آگیا ہے" میں نے کہا "بھائی۔ میں پھر کسی وقت آؤں گا" مگر میرے لہجے میں شاید کچھ کمزوری تھی

سب بول اٹھے "جی نہیں۔ اسی وقت کیوں نہ بتایئے"۔ رفتہ رفتہ مجمع بھی بڑھ گیا تھا۔ ماسٹر صاحب نے بھی بچوں کی تائید کی آخر کو ماننا پڑا۔

اچھا صاحب پہونچے بڑے کمرے میں۔ اس میں نہایت سلیقے سے فرش بچھا تھا۔ کونے میں کالا تختہ ایک تپائی پر رکھا تھا۔ ایک صاحب کھریا بھی لئے موجود تھے۔ ہم نے کہا "اچھا بھائی آؤ تم میں سے کوئی لڑکا آکر اس تختہ پر کوئی بھی عدد لکھ دے" ایک ذہین لڑکا بولا "کیا ہم تھوڑے ہی انوکھے عدد بتائیں گے" میں نے کہا "کیوں کیا ہوا۔ تم لوگوں کو اگر ایسا ہی شوق رہا تو بہت سے انوکھے عدد تم بھی جان جاؤ گے مگر خیر اس وقت تو تم کوئی عدد لکھ ہی دو"۔ وہی بچہ اٹھا اور اس نے تختہ پر لکھ دیا۔




میں نے اس میں چپکے سے '۳' اور بڑھا دیا اور کہا اب یہ عدد '۱۱' سے پورا پورا تقسیم ہو جائے گا۔ کئی لڑکوں نے آزمایا۔



ایک لڑکا اٹھا۔ اس نے کہا "اب کہ میں لکھوں گا" میں نے کہا "لکھو"۔ اس نے آکر لکھا

۷۸۹۴۲

میں نے جھٹ آگے لکھ دیا ۶۔ اور کہا یہ بھی ۱۱ سے پورا پورا تقسیم ہوجائے گا اور ۱۱ ہی سے نہیں ۳۳ سے بھی، ۷۲ سے بھی، ۹۹ سے بھی، ۱۸ سے بھی۔

اب تو جناب سارا مجمع تقسیم ہی میں لگ گیا۔ اور جیسے دیکھو سر ہلا رہا ہے کہ بات تو ٹھیک ہے ایک لڑکے نے کہا کہ نہیں ۱۸ سے تقسیم نہیں ہوتا تو پاس والے لڑکے نے اس کی غلطی اسے بتادی اس نے تقسیم غلط کی تھی۔

میں نے کہا "اچھا بھائی اب کوئی اور لڑکا آئے اور جو عدد چاہے لکھ دے"۔ مگر لڑکوں نے کہا "نہیں ہمیں بتائیے کہ آپ ایسا کیسے کر لیتے ہیں؟" میں نے کہا بھائی یہ نہیں ٹھہری تھی۔ تم خود سوچ کر نکالو کہ میں کیسے کرتا ہوں" مگر وہ کہاں مانتے تھے۔ ان کے اصرار کے سامنے مجھے ہار ماننی ہی پڑی اور میں نے انھیں بتایا کہ دیکھو پہلے عدد میں میں نے ۴ کا ہندسہ بڑھایا تھا۔ اور دوسری مرتبہ ۶ کا۔ تمھیں بتاؤں کہ کیوں"

سب بولے۔ "ہاں ہاں، ضرور بتائیے"۔

میں نے پوچھا کہ "تم جانتے ہو کہ طاق کسے کہتے ہیں۔" ایک لڑکا جھٹ بولا "جی ہاں جیسے

۱، ۳، ۵، ۷۔"

"شاباش" میں نے کہا" اور جفت"؟

ایک اور لڑکا بولا "جیسے:- ۲، ۴، ۶، ۸،"

"شاباش" دیکھو جو عدد تم نے لکھا ۴ ۵ ۷ ۶ ۳ اس میں طاق جگہوں پر یعنی پہلی، تیسری اور پانچویں جگہوں پر جو عدد ہیں ان کے اوپر نشان لگاتا ہوں اور جو جفت جگہوں پر ہیں یعنی دوسری چوتھی جگہوں پر ان کے نیچے نشان لگاتا ہوں، یوں

# ۳۶ ، ۵۴

دیکھو ۳ + ۷ + ۴ کتنے ہوئے؟ ۱۴

۶ + ۵ کتنے ہوئے؟ ۱۱

دونوں کا فرق ہے ۳ ۔ میں نے ۳ ہی اس عدد میں بڑھائے تھے ۔ اور اس طرح نئے عدد میں طاق جگہ والے اور جفت جگہہ والے عددوں کا مجموعہ برابر برابر ہوگیا تھا ۔ دوسرا عدد دیکھو ۔ اس میں بھی میں نے یہی کیا تھا ۔ تم نے لکھا ۲ ۴ ۹ ۸ ۷ میں طاق جگہہ والوں کو جوڑا ۔ ۲ + ۹ + ۷ تو ہوئے ۱۸ ۔ جفت جگہ والوں کو جوڑا ۴ + ۸ تو ہوئے ۱۲ ۔ فرق ہوا ۶ میں نے یہی ۶ کا ہندسہ بڑھا دیا تو طاق اور جفت جگہہ والے عددوں کا مجموعہ برابر ہوگیا

جس عدد میں بھی طاق جگہ اور جفت جگہ والے عددوں کا مجموعہ برابر ہوگا وہ ۱۱ سے پورا تقسیم ہوجائے گا ۔ اب تم خود مثالیں لے کر اس قاعدے کو آزما لینا ۔ بس اب ختم ۔

مگر ایک ذہین سا لڑکا پیچھے بیٹھا تھا وہ اٹھ کر بولا "یہ تو آپ نے ۱۱ کا قاعدہ بتایا ۔ مگر آپ نے یہ کیسے کہہ دیا تھا کہ یہ عدد ۹۹ سے بھی تقسیم ہوجائے گا اور ۲۷ سے بھی اور ۱۸ سے بھی" ہاں بھائی کہا تو تھا ۔ اور تم نے آزما بھی لیا تھا کہ سچ بات تھی" "جی ہاں سچ تو تھی ۔ مگر یہ آپ کو پہلے سے معلوم کیسے ہوگیا ۔ آپ نے تقسیم تو کی نہیں تھی"۔

میں نے کہا "میاں صاحبزادے ۔ اس کا بھی ایک گر ہے ۔ تو تمھیں بتا دیں ۔ جس عدد کے ہندسوں کو جوڑنے سے مجموعہ ایسا آئے کہ ۹ سے تقسیم ہوجائے وہ عدد خود بھی ۹ سے تقسیم ہوجاتا ہے مثلاً

ہمارا دوسرا عدد تھا ۶ ۲ ۴ ۹ ۸ ۷

۶ + ۲ + ۴ + ۹ + ۸ + ۷ کتنے ہوئے؟ ۳۶ ۔ تم جانتے ہو ۹ چوک ۳۶

مجموعہ ۹ سے پورا تقسیم ہوتا ہے اس لئے عدد بھی ۹ سے تقسیم ہو جائے گا۔ جو عدد ۹ سے تقسیم ہوتا ہے وہ ۳ سے بھی پورا پورا تقسیم ہوتا ہے۔ اب یہ عدد ۱۱ سے بھی تقسیم ہوتا ہے۔ ۹ سے بھی، تین سے بھی اس لئے ۳ × ۱۱ یعنی ۳۳ سے بھی تقسیم ہوتا ہے۔ ۱۱ × ۹ یعنی ۹۹ سے بھی۔ ۹ × ۳ یعنی ۲۷ سے بھی۔

اس کے آخر میں ۲ ہے اور جس عدد کے آخر میں ایسا عدد ہو جو ۲ سے تقسیم ہو جاتا ہو۔ تو وہ پورا عدد بھی ۲ سے تقسیم ہو جاتا ہے۔

لہذا یہ عدد ۱۱ × ۲ یعنی ۲۲ سے، ۹ × ۲ یعنی ۱۸ سے بھی پورا پورا تقسیم ہو جائے گا۔

"بس بھائی اب بہت سے قاعدے بتا دئے۔ اب چھٹی۔" سب لڑکوں نے تالیاں بجائیں۔ اور ہم بھاگ نکلے

---

# لطیفے

استاد:۔ رام تم بتاؤ! تمہارے خیال میں امریکہ زیادہ دور ہے یا چاند؟

رام:۔ امریکہ۔ ماسٹر صاحب۔

استاد:۔ وہ کیسے۔

رام:۔ اس لئے کہ چاند تو ہم دیکھ سکتے ہیں مگر امریکہ تو نظر بھی نہیں آتا۔

باپ:۔ "شاہد بیٹے تم نے حبشی بھی دیکھے ہیں؟"

شاہد:۔ "کیوں نہیں ابا میکملن کے جغرافیے میں دیکھے ہیں۔"

# خوشحال اور اس کے بیٹے

(از جناب پروفیسر عطاء اللہ صاحب - ایم اے پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

F.S.

(۳)

سعید پھر قلعے میں آن داخل ہوا، اور شہزادی دلفریب کے پاس رہنے لگا۔ ایک دن اس نے شہزادی کو اپنے پاس بلایا اور اپنے تھیلے کی بدولت اس کو ایسی دعوت کھلائی کہ وہ حیران ہی تو رہ گئی۔ باتوں باتوں میں سعید نے اس کو اپنے پاس دری پر بٹھایا اور شطرنج کھیلنے لگا۔ ایک دم سعید نے کہا "چلو" اور دری اس کو اور شہزادی دلفریب کو لئے ہوئے قلعے سے یہ جا وہ جا۔ شہزادی بہت چلائی اور قلعے والیاں دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئیں۔ سعید نے دلفریب سے کہا "ذرا سنبھل کر بیٹھو۔ دری سے اِدھر اُدھر ہوئیں اور تمھارا خاتمہ ہے۔ شہزادی کے دل پر اس وقت جو گذر رہی تھی وہی جانتی تھی۔ دری سعید کے کہنے کے مطابق عین سمندر میں ایک جزیرے میں آن کر اتری۔ چھوٹا سا خشکی کا ٹکڑا تھا جس کے گرد میلوں تک پانی ہی پانی تھا۔ دلفریب نے کہا بُری پھنسی مگر فریبی عورتوں کی طرح سعید کے ساتھ بہت پیار اور محبت سے رہنے لگی۔ وہاں جو کچھ شہزادی مانگتی تھیلے کی بدولت سعید سب مہیا کر دیتا۔ شہزادی نے سعید سے پوچھا آخر یہ معما کیا ہے۔ سعید نے محبت کی لے میں شہزادی کو تینوں چیزوں کی خاصیتیں بتادیں۔ ایک دن سعید تو سمندر کے کنارے منہ دھونے گئے۔ شہزادی نے دری بچھائی۔ تھیلا اور سرمہ دانی سنبھالی۔ اور دری سے کہا "چل میرے قلعے کو" دری شہزادی کو لئے ہوا میں بلند ہوئی اور سعید میاں حسرت سے دیکھتے ہی رہے شہزادی نے بلندی سے پکار کہا "اچھا تو بھ

ہم چلتے ہیں۔" سعید اس ویران جزیرے میں پڑا قسمت کو رو رہا تھا ایک دن دوپہر کو ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا اور آنکھیں بند کیں تو کیا سنتا ہے کہ اس درخت پر دو کبوتر آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نے کہا یہ بے چارا تو مارا گیا۔ دوسرے نے کہا اس درخت میں یہ خاصیت ہے کہ اس کے ہر کام آسکے۔ اگر وہ اس درخت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس پر بیٹھ جائے تو جس جگہ ساحل پر جانا ہے وہ ٹکڑا اسے پہنچا دے گا۔ اگر اسی درخت کی ایک شاخ چھڑی بنا کر اپنے پاس رکھے تو یہ چھڑی دو کام دے گی۔ اگر وہ چھڑی کسی انسان کے مارے اور کہے "ہش" تو وہ انسان حیوان بن جائے گا۔ اور اس حیوان کے مارے اور کہے "آدم" تو وہ انسان بن جائے گا اگر اس درخت کے پتے اپنے پاس رکھے تو ان کے لگانے سے اندھوں کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

سعید نے یہ سب کچھ دھیان لگا کر سنا اور اٹھتے ہی ایک لکڑی توڑی۔ چند پتے جیب میں ڈالے اور ایک چھڑی توڑ لی۔

سمندر پر اس لکڑی کی بدولت وہ ایسا چلا جاتا تھا جیسا خشکی پر کوئی پیدل جائے۔ کئی دن کی تکلیفوں کے بعد وہ شہزادی دلفریب کے محل میں پھر پہنچ گیا۔ اس کو دیکھتے ہی لونڈیاں چلائیں جادوگر آگیا، جادوگر آگیا" شہزادی کے ہوش حواس بھی گم ہوئے۔ مگر اس نے دل میں سوچا۔ اب تو اس کا تمام جادو میرے پاس ہے چلو تو ذرا اس کی مرمت کریں۔ یہ کہہ کر لونڈیوں کے ساتھ وہ سعید پر پل پڑی۔ اب سعید نے اپنی چھڑی مارنا اور ہش ہش کرنا شروع کیا بس پھر کیا تھا شہزادی دلفریب اور چند لونڈیاں اچھی خاصی گدھیاں بن گئیں۔ سعید نے گدھی کے گلے سے وہ تعویذ جو شہزادی پہنے ہوئے تھی اتار لیا۔ یہ وہی پرندے کے دل والا تعویذ تھا اس کے بعد سعید نے اپنی دوسری چیزوں کے لئے قلعے کی تلاشی لی اب لونڈیاں تو دور دور بھاگی پھر رہی تھیں۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ جسے چھڑی لگی وہ گدھی بنی۔ سعید نے جب اپنی

سبھی کھوئی ہوئی چیزوں پر قبضہ پا لیا تو شہزادی
گدھی کے ایک چھڑی ماری اور کہا "آدم" گدھی
جب شہزادی دلفریب بن گئی اور سعید نے کہا
اب کہو کیا ارادہ ہے گدھی بننا چاہتی ہو یا شہزادی
اگر میرے ساتھ محبت سے رہنا چاہو تو شادی
کرلو۔ ورنہ میں قلعے میں رہوں گا اور تم میرے
اصطبل کے گھوڑوں کے لئے چارہ اٹھا کر لایا
کروگی شہزادی نے کہا تم سے بچ کر نکلنا ممکن
نہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ تم سے کبھی
دغا نہ کروں گی۔ اور ہم میاں بیوی بن کر اسی
قلعے میں رہا کریں گے۔ اس کے بعد ان کی شادی
ہوگئی اور وہ مزے سے رہنے لگے۔

---

حمید بادشاہت کے مزے لوٹ رہا تھا
مگر اس کو ماں باپ اور بھائی کی یاد بری طرح
ستاتی تھی۔ اس نے اپنے بھائی کی تصویریں بنا کر
ہر طرف آدمی دوڑائے تھے کہ اسے ڈھونڈ کر لائیں
آخر ایک گروہ سعید اور شہزادی دلفریب کو ساتھ
لے کر حمید کی بادشاہت میں داخل ہوا۔ دونوں
مدت کے بچھڑے ہوئے بھائی ایک دوسرے
سے مل کر نہایت خوش ہوئے۔ آپس میں
ملنے کے بعد ان کو ماں باپ یاد آگئے حمید نے
پہلے ہی ان کو لانے کو آدمی بھیج دئے تھے دوسرے
دن وہ بھی پہنچ گئے مگر ان سب کو اس بات سے
بڑا رنج ہوا کہ ماں باپ اپنے بچوں کو اپنی آنکھ
سے دیکھ نہیں سکتے کیونکہ بچوں کی جدائی میں رو
رو کر اپنی آنکھیں کھو چکے تھے۔ ابھی سب لوگ
اس پر رنج کر ہی رہے تھے کہ سعید بولا افسوس
کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھو میں ابھی دونوں
کی آنکھیں ٹھیک کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس
نے جزیرہ والے درخت کے پتے ان کی آنکھوں
پر ملے اور خوشحال اور مہربانو کی آنکھیں روشن
ہوگئیں۔ اب ان چاروں کو آپس میں مل کر
اتنی خوشی ہوئی جس کا اندازہ جھوٹ موٹ
کی کہانیاں سن کر خوش ہو جانے والے بچے
نہیں کر سکتے۔

کہو بھائی یہ کہانی مزے دار ہے
یا نہیں ٭



# خالدہ خانم

(از عبدالوحید متعلم ابتدائی ششم تعلیمی مرکز جامعہ)

محترمہ خالدہ ادیب خانم ابھی پچھلے دنوں جامعہ کی دعوت پر ہندوستان تشریف لائی تھیں اور ہمارے تعلیمی مرکز کے ہال میں انھوں نے آٹھ تقریریں کیں۔ یہ تقریریں سب کی سب انگریزی میں تھیں۔ میں تو انگریزی جانتا نہیں یا جو انھیں سمجھ سکتا۔ مگر ہمارے استاد اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ بہت ہی اچھی تقریریں تھیں اور محترمہ خانم صاحبہ نے بڑی خوبی سے اپنے ملک کی اگلی پچھلی تاریخ بیان کی ہے۔ سنا ہے کہ ان کی یہ تقریریں انگریزی اور اردو میں کتاب کی صورت میں بھی بہت جلد چھپیں گی۔ اگر یہ ہوگیا تو بہت اچھی بات ہوگی جو لوگ انگریزی نہیں جانتے یا اس جلسے میں موجود نہیں تھے وہ بھی خانم صاحبہ کی اچھی باتوں سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ میں بھی اس کتاب کو ضرور پڑھوں گا۔ اور جہاں کہیں سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اپنے ماسٹر صاحب سے پوچھ لوں گا۔

ہمارے ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ ان نیک بی بی نے اپنے ملک میں بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ کوئی دس بارہ سال پہلے جب میں پیدا بھی نہ ہوا تھا ان کے ملک میں بڑی آفت مچی تھی ان کا بادشاہ جو خلیفہ کہلاتا تھا اور جس کی ساری دنیا کے مسلمان عزت کرتے تھے۔ بڑی کم زوری دکھا رہا تھا اگر اس وقت اس کی قوم کے لوگ یعنی ترک اس کے خلاف نہ ہو جاتے اور پوری طاقت اور جوش سے اپنے ملک کو بچانے کی کوشش نہ کرتے تو آج ہماری تمھاری طرح یہ بھی غلام ہوتے اس وقت محترمہ خالدہ صاحبہ نے ایسی ہمت اور مردانگی سے کام لیا کہ میں تو سن کر حیران ہو جاتا ہوں۔ ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ انھوں نے

تقریریں کرکے اپنے یہاں کے مردوں کو خوب جوش اور غیرت دلائی، لڑائیوں میں شریک ہوئیں لوگوں کی حالت اور ان کے خیالات ٹھیک کرنے کے لئے اچھے اچھے مضمون اور کتابیں لکھیں۔ غرض وہ سب کچھ کیا جو ہمارے یہاں کے تو شاید مردوں سے بھی بن نہ آتا اُن کی اور ان کے ساتھیوں کی ان ہی کوششوں کی بدولت انھیں کامیابی ہوئی اور اپنے ہی ملک کے لوگوں کی آزاد حکومت قائم ہوگئی۔ جس کے سب سے بڑے حاکم آج کل غازی مصطفےٰ کمال پاشا ہیں۔ محترمہ خالدہ خانم کا مرتبہ ان کے بعد سمجھا جاتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ حکومت کے کسی بڑے عہدے پر بھی رہ چکی ہیں

---

جامعہ والوں نے انھیں جامعہ دکھانے کا بھی انتظام کیا تھا اور محترمہ خانم صاحبہ نے جامعہ کی ہر چیز شوق اور دلچسپی سے دیکھی جامعہ کے کاموں کو دیکھ کر اور استادوں سے مل کر وہ بہت خوش ہوئیں اور اپنا اطمینان ظاہر کیا۔

وہ باری باری سے تمام بورڈنگوں میں بھی گئیں، ان کے انتظام اور بچوں کے رہنے سہنے کے طریقے اور صاف ستھرائی کی باتوں کو خوب غور سے دیکھا۔ ہر بورڈنگ کے لڑکوں نے اپنی اپنی طرف سے ان کی خدمت میں تحفے بھی پیش کئے۔ ہماری محترم خانم نے ہر ایک بورڈنگ میں بہت اچھی اچھی اور مفید نصیحتیں کیں جن پر انشاء اللہ ہم ضرور عمل کریں گے جو ہر منزل کے بورڈنگ کے لڑکے ہم سب سے میری رہے انھوں نے محترم خانم صاحبہ سے بہت اچھا پیام لکھوایا ہے۔ مجھے یہ پیام بہت پسند ہے میں نے سنا ہے کہ ایڈیٹر صاحب اس پیام کو کہیں دوسری جگہ بہت اہتمام سے چھاپ رہے ہیں۔ ورنہ میں اسے یہاں ضرور نقل کرتا

اور سب بورڈنگوں کی طرح خانم صاحبہ ہمارے بورڈنگ محمود منزل میں بھی تشریف لائیں یہاں انھیں سب چیزیں دکھانے کا کام میرے ذمے کیا گیا تھا۔ جب وہ جناب شیخ الجامعہ کے ساتھ موٹر پر تشریف لائیں تو میں نے دروازے

پھران کا استقبال کیا ۔ پھر اندر لایا ہر لڑکے سے ملاقات کرائی اور اس کے کچھ مختصر حالات بیان کئے ۔ وہ بھی ان سے بہت محبت سے ملیں سب کے بستر غور سے دیکھے ۔ خاص کر میرا بستر تو بہت ہی الٹ پلٹ کر دیکھا ۔ پھر ہمارے سجے سجائے ہال کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں ۔ ہمارے بورڈنگ کی طرف سے ان کی خدمت میں کشمیر جنت نظیر کا بنا ہوا ایک پیڈ پیش کیا گیا ۔

ہمیں ان سے مل کر جو خوشی ہوئی وہ ہم بیان نہیں کرسکتے ۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ بھی ہم سے مل کر بہت خوش ہوئیں ۔

لوگ کہتے ہیں کہ خالدہ خانم میں بہت سی خوبیاں ہیں اور اس میں شک بھی کیا ہے خوبیوں اور اچھائیوں کی وجہ سے تو آدمی بڑا بنتا ہے کہ سب اس کی عزت کرتے ہیں ۔ مگر جناب مجھے تو ان کی ایک بات سب سے اچھی لگی اور وہ یہ کہ وہ ہم بچوں سے بڑی ہی محبت اور پیار سے ملتی ہیں ۔ بس یہی چیز ہے جس کی وجہ سے ہم انھیں ہمیشہ یاد رکھیں گے

# لطیفے

لڑکا :۔ اماں اگر کوئی تمھارا آئینہ توڑ دے تو تم اسے کیا سزا دوگی

ماں :۔ (غصہ سے) میں اسے خوب پیٹوں گی

لڑکا :۔ تو اماں ابھی بابا نے تمھارا آئینہ توڑ دیا ہے

---

بہن :۔ موتی موتی ۔ دیکھ بھیا باغ میں گائے گھس آئی ۔

موتی :۔ تو بہن جلدی کرو دودھ دوہ لیں ۔




ایک گاؤں میں ایک ہی نام کے دو آدمی رہتے تھے۔ ایک کا نام تھا چھوٹا کلاز اور دوسرے کا نام بڑا کلاز۔ چھوٹا کلاز ایک غریب آدمی تھا اور اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا بڑا کلاز بہت امیر تھا اور اس کے پاس چار گھوڑے تھے۔ ہر ہفتے چھوٹا کلاز کھیت بونے کے واسطے اپنا گھوڑا بڑے کلاز کو دیتا تھا۔ اور بڑا کلاز صرف ایک دن کے لئے اپنے چاروں گھوڑے چھوٹے کلاز کو دے دیتا تھا۔

جب چھوٹا کلاز ہل چلاتا تو گھوڑوں سے کہتا "بڑھے چلو میرے پانچوں گھوڑو" بڑا کلاز اس بات پر ناراض ہو کر کہتا کہ یہ مت کہو کیوں کہ تمھارا تو صرف ایک ہی گھوڑا ہے" لیکن چھوٹے کلاز کی زبان سے پھر یہی نکلا۔ اس پر بڑے کلاز کو غصہ آیا اور اس نے ایک ہتھوڑی لے کر چھوٹے کلاز کے گھوڑے کو مار ڈالا۔

چھوٹے کلاز کو اپنے گھوڑے کے مرنے کا بہت رنج ہوا، مگر بے چارا کر ہی کیا سکتا تھا اس نے گھوڑے کی کھال اتار کر ایک تھیلے میں رکھی اور اسے بیچنے چلا کہ شاید اسی کے کچھ دام اُٹھ آئیں۔ چلتے چلتے رات ہو گئی۔ اور وہ راستہ بھول گیا۔ اس نے سوچا کہ یہیں گھاس کے جھونپڑے میں سو جاؤں۔ چنانچہ وہ وہاں لیٹ رہا۔ وہاں پاس ہی اسے ایک کسان کا گھر نظر آیا جس میں ایک عورت ایک پادری کے ساتھ بیٹھی مچھلی اور گوشت کھا رہی تھی۔ مزے دار چائے بھی بنی ہوئی سامنے رکھی تھی۔

اتنے میں کسان واپس آ گیا۔ اس عورت کو معلوم تھا کہ کسان کی پادری سے لڑائی ہے اس لئے اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے پادری کی کیتلی

الماری میں چھپادی کھانے کی سب چیزیں الماری میں رکھ دیں اور پادری کو ایک بڑے سے صندوق میں بند کردیا

چھوٹا کلاز یہ سب باتیں سن کر ہنس پڑا۔ کسان نے اس کی آواز سن لی اور اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی دعوت دی۔ جب چھوٹا کلاز اور کسان کھانا کھانے بیٹھے تو وہ عورت ایک بہت بڑی رکابی میں دلیا لائی۔ چھوٹے کلاز کو دلیا اچھا معلوم نہ ہوا۔ اس لئے اس نے یہ ترکیب کی کہ اپنے گھوڑے کی کھال کے تھیلے کو پاؤں سے دبایا اس میں سے بہت زور کی آواز نکلی۔

کسان نے گھبرا کر پوچھا " یہ کیا ہے "

چھوٹے کلاز نے جواب دیا " اس بوری میں ایک جادوگر ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس نعمت خانے میں ہمارے لئے بہت اچھا کھانا رکھا ہے " کسان نے کہا یہ بڑی عجیب بات ہے اور نعمت خانہ کھولا۔ اس میں سے جو اچھی چیزیں اس عورت نے چھپائی تھیں وہ سب اسے مل گئیں۔ چھوٹے کلاز نے پوچھا " کہ جادوگر اب کیا کہتا ہے "

چھوٹے کلاز نے کہا " وہ کہتا ہے کہ الماری میں ہمارے لئے بہت عمدہ چار بھی رکھی ہے "

کسان نے پھر کہا عجیب بات ہے اور الماری کھول کر جو چار اس عورت نے چھپائی تھی وہ نکال لایا

جب دونوں کھا پی کر فارغ ہوئے اور چار کا دور چلنے لگا تو باتوں باتوں میں کسان نے پوچھا۔ کیوں میاں ہم اس جادوگر کو دیکھ بھی سکتے ہیں

چھوٹے کلاز نے کھال کو پیر سے دبا کر کہا۔ بے شک وہ کہتا ہے کہ اگر تم اس بڑے صندوق کے اندر جھانکو تو تم اسے پادری کے بھیس میں دیکھ لوگے۔

کسان نے صندوق میں جھانکا اور پادری کو اس میں دیکھ کر ڈر کے مارے جلدی سے ڈھکنا بند کر دیا۔

کسان نے چھوٹے کلاز سے کہا " تمھارا جادوگر کیسا کراماتی ہے۔ اگر یہ میرے پاس ہو تو پھر میں ہرگز کوئی کام نہ کروں۔ کیا تم اشرفیوں

کی ایک تھیلی لے کر اسے میرے ہاتھ بیچنے کو تیار ہو؟ اور چاہو تو ساتھ میں اس صندوق کو بھی لے جاؤ اور ندی میں پھینک دو۔

چھوٹا کلاز اس پر راضی ہو گیا اور کسان نے ایک گاڑی پر اشرفیوں کی تھیلی اور صندوق کو رکھ دیا۔ چھوٹا کلاز اسے ڈھکیلتا ہوا ندی پر لایا۔ اور وہاں پہنچ کر بلند آواز سے کہا۔ اب میں اس صندوق کو ندی میں پھینکتا ہوں۔ اندر سے پادری گھبرا کر بولا۔ خدا کے واسطے ایسا نہ کرو مجھے باہر نکال دو میں بھی تمھیں اشرفیوں کی تھیلی دوں گا۔

چھوٹے کلاز نے اسے باہر نکال دیا اور دو تھیلیاں اشرفیوں کی لے کر خوش خوش گھر واپس آگیا۔

جب بڑے کلاز نے اسے دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ تمھیں اس قدر اشرفیاں کہاں سے مل گئیں۔

چھوٹے کلاز نے کہا۔ میں نے اپنے گھوڑے کی کھال بیچی تھی۔

بڑے کلاز بے وقوف نے یہ سنتے ہی فوراً اپنے چاروں گھوڑوں کو مار ڈالا۔ اور کھال لے کر موچیوں کے پاس گیا۔ جب انھوں نے قیمت پوچھی تو اس نے کہا کہ ہر کھال کی قیمت اشرفیوں کی دو تھیلیاں ہوگی۔

موچیوں نے کہا چلو ہوش کی دوا کرو ہم ایسے بے وقوف نہیں ہیں۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو انھوں نے بڑے کلاز کو اتنا مارا کہ اس کا بدن نیلا ہو گیا۔

گھر واپس آکر بڑے کلاز نے چھوٹے کلاز کو پکڑ کر ایک تھیلے میں بند کر دیا اور کہا کہ اب تم میرے ساتھ کوئی چال نہ کر سکوگے میں تمھیں جا کر ندی میں ڈبوتا ہوں۔

ندی بہت دور تھی۔ بڑا کلاز تھیلا اٹھائے ہوئے لیے جا رہا تھا وہ بہت تھک گیا اور ایک سرائے کے باہر تھیلا رکھ کر خود پانی پینے اندر گیا۔

اتنی دیر میں ایک بوڑھا چرواہا بہت سے ریوڑ کے ساتھ وہاں سے گذرا۔ اور اس نے چھوٹے کلاز کو یہ کہتے سنا کہ اب میرا آخری وقت آگیا ہے اور میں جنت کو جا رہا ہوں۔

بوڑھے آدمی نے یہ سن کر کہا۔ کاش میں جنت کو جا سکتا کیونکہ میں زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔"

چھوٹا کلاز تھیلے کے اندر سے بولا کہ اگر یہی بات ہے تو تم تھیلا کھول کر میری جگہ اندر آ جاؤ پھر تم سیدھے جنت کو چلے جاؤ گے۔

بوڑھے چرواہے نے تھیلا کھول کر چھوٹے کلاز کو نکال لیا اور خود تھیلے میں گھس گیا اور کہا کہ مجھے باندھ دو اور یہ سب جانور تم لے لو۔ چھوٹے کلاز نے بوڑھے کو باندھ دیا اور خود ریوڑ لے کر چل دیا۔ تھوڑی دیر میں بڑا کلاز سسرال سے نکلا اور تھیلا لے جا کر ندی میں پھینک دیا۔ واپس لوٹا تو اس نے دیکھا کہ چھوٹا کلاز بہت سے جانور لئے چلا آ رہا ہے۔ اس نے تعجب سے چلا کر کہا ارے کمبخت تجھے تو میں نے ندی میں پھینک دیا تھا تو یہاں کہاں؟

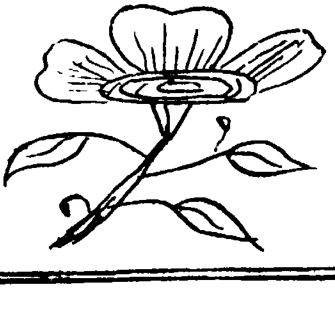
چھوٹے کلاز نے کہا ہاں تم نے پھینکا تو تھا مگر میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ میں دریا کی تہ میں نرم گھاس پر جا گرا۔ وہاں ایک پری نے مجھے تھیلے سے نکالا اور میں نے دیکھا کہ میں ایک بہت خوب صورت چراگاہ میں کھڑا ہوں۔ جہاں جانوروں کے بہت سے ریوڑ چر رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے وہاں سے یہ ریوڑ لے لیا اور اب اسے گھر پہنچا کر اور لینے جا رہا ہوں۔

بڑے کلاز نے کہا کہ اگر میں ندی میں گر جاؤں تو کیا مجھے بھی ایک ریوڑ مل جائے گا۔

چھوٹے کلاز نے سر ہلا کر کہا" ہاں ضرور مل جائے گا۔"

بڑا کلاز یہ سن کر ندی میں کود پڑا، اور پھر............ بھلا بتاؤ تو سہی اس کا کیا انجام ہوا؟

عزیز جہاں بیگم صاحبہ۔ علی گڑھ





# ہندوستان کے ٹکٹ



(از جناب شمیم احمد صاحب جامعی)

ٹکٹ جمع کرنے والے بھائیوں نے یہ خبر دلچسپی سے سنی ہوگی کہ ۶ مئی ۱۹۳۵ء کو ہندوستان میں نئے یادگاری ٹکٹ جاری ہوں گے۔

انگلستان، ہندوستان اور دوسرے برطانوی ملکوں کے موجودہ بادشاہ جارج پنجم ۶ مئی سنہ ۱۹۱۰ء کو تخت پر بیٹھے تھے۔ اب ۶ مئی ۱۹۳۵ء کو انھیں تخت پر بیٹھے پورے ۲۵ سال ہوجائیں گے یہ بڑی خوشی کی بات سمجھی جاتی ہے اور اس تقریب کو جو اس موقع پر منائی جاتی ہے انگریزی میں سلور جوبلی کہتے ہیں۔ انگریزوں کے یہاں تو خاص طور سے اس کی خوشی منائی جاتی ہے بس اس موقع پر انگلستان اور دوسرے تمام ملکوں میں جو برطانیہ کے ماتحت ہیں۔ یادگاری ٹکٹ جاری ہوں گے۔ اور ان کی قیمتیں یہ ہوں گی ۔ ؍، ۹؍، ۶؍، ۱؍، ۲؍، ۳؍ اور عہ؍ ٹکٹ جمع کرنے والے بھائیوں کو چاہئے کہ جتنے ٹکٹ جمع کرسکتے ہوں جمع کریں۔ ممکن ہو تو ہر قیمت اور ہر نمونے کے کچھ ایسے ٹکٹ بھی خرید لیں جو استعمال نہ ہوئے ہوں۔

پچھلے پرچے میں ہم نے ان ریاستوں کا ذکر کیا تھا جو یا تو خود اپنے ٹکٹ تیار کرتی ہیں یا انگریزی ڈاک خانے کے ٹکٹوں پر اپنا نام چھاپ دیتی ہیں کچھ ریاستوں کا حال باقی رہ گیا تھا وہ ہم یہاں لکھتے ہیں۔

**چرکھاری**:۔ یہ حکومت ہند کے ماتحت بندیلکھنڈ کی ایک ریاست ہے۔

سنہ ۱۸۹۴ء سے یہاں ٹکٹ جاری ہیں یہاں کے ٹکٹوں پر دو تلواروں کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

**چمبہ:۔** یہ ریاست پنجاب میں کشمیر کے جنوب مشرق (دکھن پورب) واقع ہے ۱۸۴۶ء میں حکومت ہند کے ماتحت ہو گئی۔

یہاں ۱۸۸۶ء سے برطانوی ٹکٹ پر ریاست کا نام چھپتا ہے۔

**حیدرآباد:۔** یہ دکن کی مشہور اسلامی ریاست ہے جس کے فرماں رواسا تویں آصف جاہ عثمان علی خاں ہیں

یہاں ۱۸۶۹ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں یہاں کے ٹکٹ بہت معمولی ہوتے تھے مگر اب بہت خوبصورت ہوتے ہیں مختلف ٹکٹوں پر مختلف عمارتوں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں اور اوپر سرکار آصفیہ لکھا ہوتا ہے۔

**دتیا:۔** اس ریاست کے راجہ ہندو ہیں یہاں ۱۸۹۳ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

**دھار:۔** یہ بھوپاور ایجنسی کے ماتحت وسط ہند میں ایک ریاست ہے۔

یہاں ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۱ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے

**راج پیپلا:۔** یہ بمبئی کی ایک ریاست ہے جو ریوا کانٹا پولیٹیکل ایجنسی کے ماتحت ہے اس کا دارالسلطنت شہر نندود ہے۔

یہاں صرف ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۶ء تک ٹکٹ جاری رہے۔

**نندگام:۔** یہ صوبہ متوسط کے ضلع رائے پور کی ایک چھوٹی ریاست ہے

یہاں صرف فروری ۱۸۹۲ء سے جولائی ۱۸۹۵ء تک ٹکٹ جاری رہے۔

**سرمور:۔** یہ پنجاب کی ایک ریاست ہے یہاں ۱۸۷۹ء سے ۱۹۰۲ء تک ٹکٹ جاری رہے۔

**سورٹھ:۔** یہ کاٹھیاواڑ کی ایک اسلامی ریاست ہے۔ اس کا دارالسلطنت شہر جوناگڈھ ہے۔

یہاں ۱۸۶۴ء سے ٹکٹ جاری ہیں۔ یہاں کے ٹکٹ اچھے ہیں۔ ایک آنے والے ٹکٹ پر نواب سر رسول خاں والیٔ ریاست کی تصویر ہے

**فرید کوٹ** :- یہ پنجاب کی ایک ریاست ہے اور حکومت پنجاب کے ماتحت ہے۔

سنہ ۱۸۷۹ء سے سنہ ۱۸۸۶ء تک ٹکٹ جاری رہے۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۰۱ء تک انگریزی ٹکٹ پر ریاست کا نام چھپتا رہا اس کے بعد یہ بھی ختم ہو گیا۔

**کشمیر اور جموں** :- شمالی ہند کی مشہور ریاست ہے اسے پنجاب کی پہلی لڑائی سنہ ۱۸۴۶ء کے بعد گلاب سنگھ نے لارڈ ہارڈنگ کو دے دیا تھا اس کا دار السلطنت شہر سری نگر ہے۔

یہاں سنہ ۱۸۶۶ء سے سنہ ۱۸۹۴ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

**کشن گڈھ** :- یہ راجپوتانہ کی ایک دیسی ریاست ہے جو حکومت ہند کے ماتحت ہے اس کا دار السلطنت شہر کشن گڈھ ہے۔

یہاں سنہ ۱۸۹۹ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

**کوچین** :- صوبہ مدراس کی مشہور ریاست ہے اور حکومت ہند کے ماتحت ہے۔ اس کا دار السلطنت شہر ارنا کالم ہے۔

یہاں کا سکہ حسب ذیل ہے:-

۱۲ پائی = ۱ پتن = ایک آنہ

یہاں سنہ ۱۸۹۲ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں

**گوالیار** :- یہ وسط ہند کی ایک مشہور ریاست ہے جو حکومت ہند کے ماتحت ہے۔

یہاں سنہ ۱۸۸۵ء سے انگریزی ٹکٹ پر ریاست کا نام چھپتا ہے۔

**لاس بیلہ** :- یہ بلوچستان کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس کا دار السلطنت شہر بیلہ ہے۔

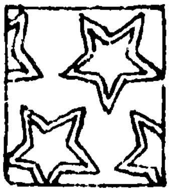
یہاں سنہ ۱۸۹۷ء سے سنہ ۱۹۰۷ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

**نابھا** :- یہ پنجاب کی ایک دیسی ریاست ہے جو حکومت ہند کے ماتحت ہے۔ اس کا دار السلطنت شہر نابھہ ہے۔

یہاں سنہ ۱۸۸۵ء سے انگریزی ٹکٹ پر ریاست کا نام چھپتا ہے۔

**نوانگر** :- یہ کاٹھیاواڑ کی ایک دیسی ریاست ہے۔ یہاں کے والی ریاست جام صاحب کہلاتے ہیں۔ اور کرکٹ کے مشہور کھلاڑی ہیں۔ اس کا دار السلطنت شہر نوانگر ہے۔

یہاں ۱۸۷۷ء سے ۱۸۹۵ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔



**دادھون** :- یہ بھی کاٹھیاواڑ کی ایک ریاست ہے۔

یہاں ۱۸۸۸ء میں اپنے ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ اور کسی ریاست میں کبھی ٹکٹ جاری نہیں ہوئے۔ ہم نے ریاستوں کا حال بہت مختصر لکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کو تفصیل سے لکھا جائے۔ اس لئے ٹکٹ جمع کرنے والے بھائی اگر کسی ریاست میں رہتے ہیں تو وہ اپنی ریاست کے حالات تفصیل سے لکھ کر ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم کے پاس بھیج دیں۔ مضمون لکھتے وقت ان باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیں۔

ریاست کب سے قائم ہے۔ کب اور کس طرح انگریزوں کے اثر میں آئی۔ موجودہ فرماں روا کا نام، مشہور مشہور شہر کون ہیں۔ کس کس قیمت کے اور کس رنگ کے ٹکٹ جاری ہیں۔




صوبہ متحدہ اور صوبہ بہار اڑیسہ کے شمال میں ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کو نیپال کہتے ہیں۔ یہ ہمالیہ کی ترائی میں واقع ہے۔ ہمالیہ کی سب سے بلند چوٹیاں ماؤنٹ ایورسٹ اور دھولاگری اسی میں واقع ہیں۔

یہ ایک قسم کا آزاد ملک ہے اگرچہ برطانوی اثر سے یہ بھی بچا ہوا نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ بہت طاقتور اور وفادار ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہاں سے ہر سال ہندوستانی فوج میں بھرتی

کئے جاتے ہیں۔ ان کو گورکھا پلٹن کہتے ہیں ۔

جنگ عظیم کے زمانے میں نیپال نے اپنی ساری فوج برطانیہ کو پیش کردی تھی۔ ان باتوں کے معاوضے میں انگریزی حکومت نیپال کی حکومت کو ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرتی ہے

اس ملک کا ایک بادشاہ ہوتا ہے اور وہ ایک وزیر اعظم مقرر کرتا ہے۔ جو حکومت کے کام چلاتا ہے۔ اس کی راج دھانی کھٹمنڈو ہے (شہر کے نام پر ہنس نہ پڑنا)

یہاں بھی ڈاک کے ٹکٹ ۱۸۸۱ء سے جاری ہیں۔ گرچہ ٹکٹ معمولی ہوتے ہیں لیکن کمیاب ہونے کی وجہ سے قیمتی ہوتے ہیں، ان پر ہندی میں ملک کا نام اور قیمت لکھی ہوتی ہے

ہندوستان میں تھوڑا سا حصہ پرتگیزیوں کا اور اس سے کم فرانسیسیوں کا بھی ہے

شروع میں یعنی تقریباً دو سو برس پہلے ان کے قبضے میں انگریزوں کے مقابلے میں ہندوستان کا بہت سا علاقہ تھا مگر یہ برابر انگریزوں سے ہارتے رہے اسی لئے اب بہت ذرا سا ٹکڑا ان کے پاس رہ گیا ہے۔

پرتگیزیوں کا قبضہ ایک ہزار مربع میل سے کچھ زیادہ ہے۔ جن جگہوں پر ان کی حکومت ہے ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) گوا۔ بمبئی سے دکھن واقع ہے (۲) ڈیو۔ ایک جزیرہ ہے (۳) ڈمن۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ دونوں گلف آف کیمبے کے پاس ہیں۔ ان کو نقشے میں ڈھونڈو۔ حکومت پرتگال نے ان جگہوں میں بھی علیحدہ ٹکٹ ۱۸۷۱ء سے جاری کر رکھے ہیں۔

فرانسیسیوں کا قبضہ صرف دو سو مربع میل پر ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:-

(۱) چندرنگر۔ دریائے ہگلی (بنگال) پر واقع ہے

(۲) ینائوں۔ دریائے گوداوری کے ڈیلٹا میں ساحل پر۔ (۳) پانڈیچیری۔ صوبہ مدراس میں ساحل پر۔ یہاں فرانسیسی گورنر رہتا ہے۔ (۴) کاریکال یہ بھی صوبہ مدراس میں ساحل پر واقع ہے۔ (۵) ماہی ساحل مالابار پر میسور سے جنوب، مغرب (دکھن، پچھم) میں واقع ہے۔

یہاں بھی ۱۸۹۲ء سے ڈاک کے ٹکٹ جاری ہیں



# اپریل فول

[illegible]یم الدین۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

رشید اور مشتاق دونوں ایک ہی درجے میں پڑھتے تھے۔ رشید شہر کے سب سے مال دار سوداگر کا اکلوتا لڑکا تھا۔ خوب عیش سے زندگی گذرتی تھی۔ ہزاروں روپے خرچ کردینا اس کے لئے معمولی بات تھی۔ مال دار ہونے کی وجہ سے اس میں طرح طرح کی خرابیاں بھی پیدا ہوگئی تھیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اسے اپنے دولت مند ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا اس کے مقابلے میں مشتاق ایک غریب آدمی کا لڑکا تھا مگر بڑا ہنس مکھ اور خوش مزاج پڑھنے لکھنے میں بھی اسکول بھر میں سب سے اچھا۔ ہر امتحان میں اول آتا۔ ان ہی اچھائیوں کی وجہ سے وہ تمام مدرسے میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز تھا۔ تمام استاد اور طالب علم اس سے دل سے محبت کرتے تھے رشید کو مشتاق پر بہت رشک آتا تھا۔ رشید اس قدر تو مال دار تھا پھر بھی اسکول میں جتنے دوست مشتاق کے تھے رشید کے اس سے آدھے بھی نہیں تھے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے اب وہ مشتاق سے جلنے لگا۔ ہمیشہ اس فکر میں رہتا کہ کسی طرح مشتاق کو ذلیل کرے۔ مگر ہر دفعہ اس کو منہ کی کھانی پڑتی۔

ایک دن صبح کی دعا کے بعد ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب نے تھوڑی دیر کے لئے ہم سب کو روک لیا اس زمانے میں بہار کے زلزلے کا واقعہ بالکل نیا تھا اور بہار کے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے ہر جگہ چندہ ہو رہا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے پہلے تو بہاریوں کی مصیبتوں کا ذکر کیا جن پر زلزلے نے یہ آفت ڈھائی تھی کہ گھر سے بے گھر کردیا تھا پھر ان کی مدد کے لئے چندہ مانگا۔ ہم میں سے

ہر ایک نے اپنی اپنی جیبوں کی تلاشی لی۔ اکثر نے تو جو کچھ ان کے پاس تھا سب دے دیا۔ بہت سوں نے دوسرے دن کا وعدہ کیا اس طرح جو کچھ رقم جمع ہوئی وہ بہت کم تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے پھر کھڑے ہو کر فرمایا۔ عزیزو! تم روزانہ اچھی خاصی رقم اپنی تفریحوں میں خرچ کر ڈالتے ہو مگر جب تم سے بہار کے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے چندہ مانگا گیا تو تمھارے ہاتھ جیبوں سے باہر نہیں نکلتے یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ آٹھ سو طالب علم پچاس روپے بھی جمع نہیں کر سکتے۔ اس پر تھوڑی سی رقم اور جمع ہوئی رشید نے ابھی تک کچھ نہیں دیا تھا۔ حالانکہ اس کے پاس اس وقت بھی کئی نوٹ تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر چاہے تو اکیلا رشید اس رقم کو دگنا کر سکتا ہے انھوں نے رشید کی طرف اشارہ کیا اس نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر ان کی طرف پھینک دیا۔ روپے کو دیکھ کر ہیڈ ماسٹر صاحب جل ہی تو گئے۔ انھوں نے کہا۔ رشید تمھیں ایک روپیہ دیتے شرم نہیں آتی۔ مشتاق کو دیکھو اس غریب نے ایک مہینے کا پورا وظیفہ چندے میں دے دیا ہے مشتاق کو نیچا دکھانے کا یہ بہت اچھا موقع تھا۔ وہ جلدی سے بول اٹھا "میں مشتاق سے دگنا دینے کے لئے تیار ہوں" مشتاق بھی وہاں موجود تھا اس نے رشید کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں بالکل تیار ہوں تم بھی اپنے وعدے پر قائم رہنا" رشید نے کہا۔ ہاں ہاں میں اپنا وعدہ پورا کروں گا' مشتاق خاموش رہا۔ اور جلسہ ختم ہو گیا۔ اس دن ۱۳ مارچ تھی۔

---

پہلی اپریل کی صبح کو تمام شہر میں دیواروں پر بڑے بڑے اشتہار لگے تھے جن میں اس بات کا اعلان تھا کہ آج رات کو ۸ بجے ہمارے اسکول میں ڈرامہ ہوگا۔ اور داخلے کا ٹکٹ ۸ر ہوگا۔ ڈرامہ کرنے میں ہمارا اسکول بہت کافی شہرت رکھتا تھا اور چونکہ بہت دنوں سے ڈراما ہوا بھی نہیں تھا اس لئے لوگوں نے اس اعلان کو بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھا۔ سب کو اس اعلان سے بڑی حیرانی ہوئی۔ کیونکہ

اسکول میں ڈرامے کی جو انجمن ہے اس کا میں بھی ممبر تھا مگر مجھے اس ڈرامے کی بالکل خبر نہ تھی نہ تو کسی قسم کی مشق کی گئی تھی اور نہ کوئی خاص تیاری ہوئی تھی بہت سے طالب علم اس اعلان کے بارے میں پوچھنے کے لئے میرے پاس آتے ہیں انھیں ماسٹر چند لال کے پاس لے گیا وہ اس انجمن کے صدر تھے مگر انھوں نے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اس پر ہمیں اور بھی تعجب ہوا انھوں نے کہا کہ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ کل چھٹی کے بعد مشتاق میرے پاس آئے تھے اور آج رات کے لئے تھیٹر ہال استعمال کرنے کی اجازت چاہی تھی" اب ہم سب مشتاق کے گھر چلے۔ مگر وہ گھر پر موجود نہ تھا راستے میں رشید سے ملاقات ہوئی اس سے ہم نے مشتاق کا پتہ نشان پوچھا وہ کہنے لگا جس وقت سے میں نے اس کی خبر لی ہے وہ مجھ سے نہیں ملا ہے یہ کہہ کر وہ اکڑتا ہوا چلا گیا۔ ہم حیران تھے کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔

---

شام آپہنچی اور ہم سب تھیٹر ہال کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہم لوگ بہت پہلے سے پہنچ گئے تھے۔ پھر بھی تمام ہال بھرا ہوا تھا اور لوگ برابر چلے آرہے تھے۔ ہال سے ملے ہوئے کمرے کھول دئے گئے تھے۔ رشید سب سے اگلی صف میں بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ منہ میں سگار دبا ہوا تھا اور خوب دھوئیں اڑا رہا تھا۔

لیجئے پہلی گھنٹی بجی اور ہم لوگ تیار ہوگئے دوسری گھنٹی پر تمام ہال میں سناٹا چھا گیا تیسری پر پردہ آہستہ آہستہ اٹھنا شروع ہوا مشتاق اسٹیج پر کھڑا تھا۔ ہاتھ میں لمبی سی لکڑی تھی اس سے وہ ایک کپڑے کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس پر موٹے موٹے حرفوں میں **اپریل فول** لکھا تھا ہال تالیوں اور قہقہوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ مشتاق آگے بڑھا اور جب خاموشی چھا گئی تو جھک کر حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور اعلان کیا کہ "آج کی آمدنی تقریباً ۵۰۲ روپیے ہوئی ہے۔ یہ سب کی سب بہار کے زلزلے کے چندے میں بھیج جائیگی"

لوگوں نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے تالیاں بجائیں۔ آخر میں مشتاق نے یہ بھی اعلان کیا کہ اپنے وعدے کے مطابق میرے معزز دوست مسٹر رشید اس کی دوگنی رقم اس چندے میں دیں گے" یہ سن کر ہر شخص رشید کی طرف دیکھنے لگا۔ رشید پر یہ بہت سخت حملہ تھا۔ اس کا منہ سفید پڑ گیا۔ اور سگار ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔

(ترجمہ)



# لال قلعہ

(ازجناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

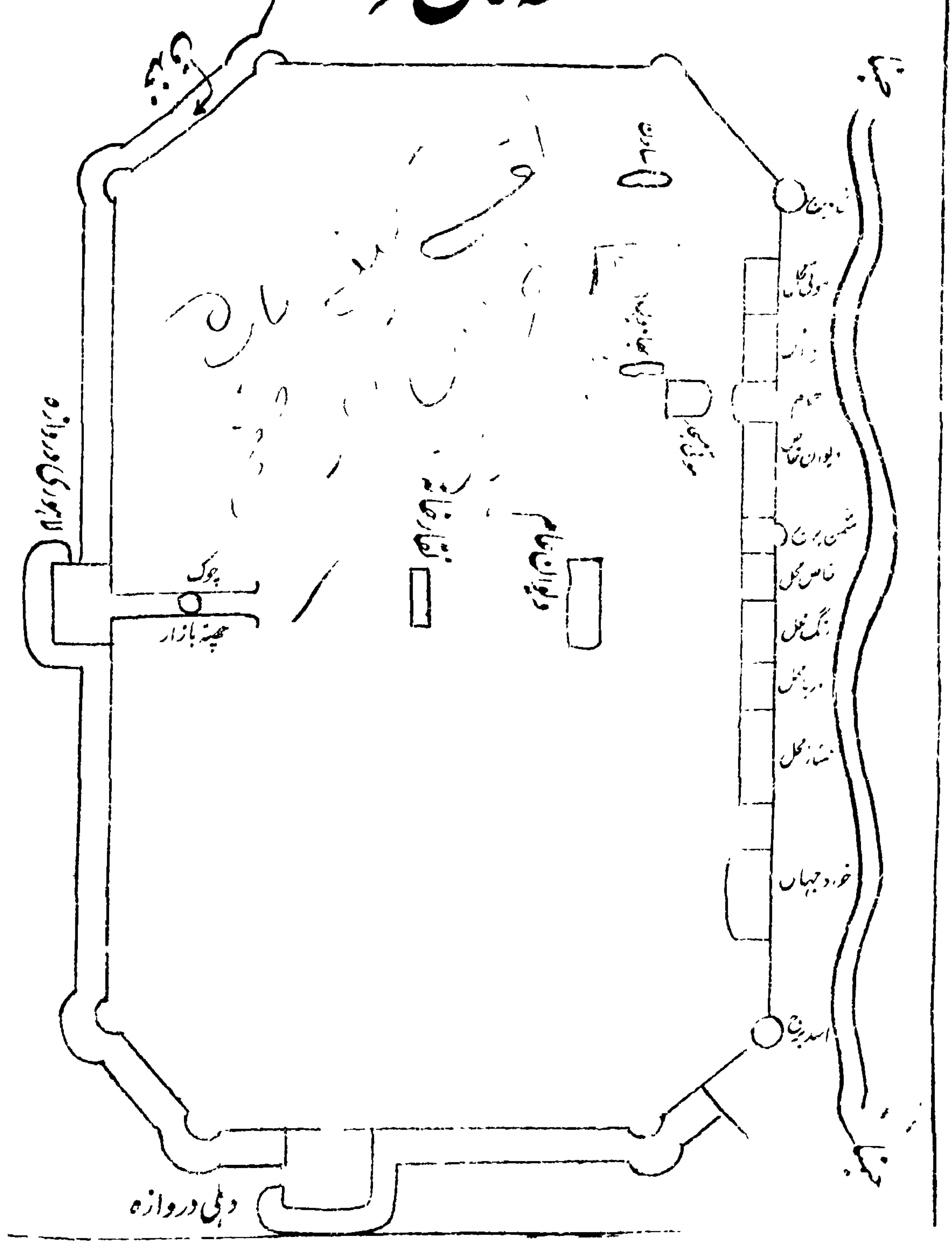
دلی کی جامع مسجد کی سیر تو تم نے کر لی اب آؤ، آج ذرا لال قلعہ کی سیر کرائیں۔ اس قلعہ میں بڑی خوب صورت عمارتیں ہیں۔ یقین ہے انھیں دیکھ کر تم بہت خوش ہو گے

دلی شہر کے بیچ میں ایک مشہور مسجد ہے اسے مسجد فتح پوری کہتے ہیں یہیں سے دلی کا مشہور بازار چاندنی چوک شروع ہوتا ہے یہ بازار بالکل سیدھا چلا گیا ہے۔ کسی زمانے میں اس کے بیچ میں سے ایک نہر نکلتی تھی۔ نہر کے دونوں طرف بڑے بڑے درخت لگے تھے۔ سڑکیں اور دکانیں تھیں اب یہ نہر بند کر دی گئی ہے۔ درخت کاٹ دئے گئے ہیں۔ اور سڑک خوب چوڑی نکل آئی ہے۔

جہاں یہ بازار ختم ہوتا ہے بس وہیں سامنے لال قلعہ نظر آتا ہے۔ یہ قلعہ اب سے کوئی تین سو برس پہلے شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا تھا۔ وہی بادشاہ جس نے جامع مسجد بنوائی کہتے ہیں یہ قلعہ ساڑھے گیارہ برس میں بن کر تیار ہوا تھا۔ کام کی نگرانی عزت خان اللہ وردی خاں اور مکرمت خاں کے سپرد تھی اور کاری گروں میں استاد احمد اور استاد حامد نے سب کام کرایا تھا۔ باہر کی فصیلوں اور اندر کی عمارتوں پر سب ملا کر کوئی ایک کرور روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کی فصیلیں اور اکثر عمارتیں لال پتھر کی بنی ہیں۔ اسی لئے اس کو لال قلعہ کہتے ہیں۔

اگر تم اس قلعہ کے چاروں طرف چکر لگاؤ تو ایسا معلوم ہوگا جیسے تم ڈیڑھ میل چلے بس سمجھ لو کہ یہ کتنا لمبا چوڑا ہے۔ شکل میں یہ ہشت پہلو ہے یعنی اس کے آٹھ کونے ہیں۔ اس مضمون کے

# نقشہ لال قلعہ



ساتھ ہم نے ایک نقشہ بھی دیا ہے ۔ اس نقشے
دیکھ کر ہشت پہلو تمھاری سمجھ میں آجائے گا ۔
قلعہ کی فصیل کے دو طرف بڑا گہرا اور بہت چوڑا
خندق ہے جس میں پہلے پانی بھرا رہتا تھا ۔ تاکہ
دشمن قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر اندر نہ گھس آئیں
اس قلعہ کے دو بڑے بڑے اور مشہور پھاٹک
ہیں ۔ ایک کا نام دہلی دروازہ ہے اور دوسرے
کا نام لاہوری دروازہ ۔ دہلی دروازہ کا رُخ پرانی
دہلی کی طرف ہے ۔ اور لاہوری دروازہ کا رُخ
چاندنی چوک کی طرف ۔ اب اسی دروازہ سے
لوگ زیادہ آتے جاتے ہیں ۔

ہاں تو پہلے دو آنے کا ٹکٹ تو خرید لو ۔
جب تو اندر جاکر سب کچھ دیکھ سکوگے ۔ کیوں کہ
بلا ٹکٹ کوئی اندر نہیں جا سکتا ہے ٹکٹ
خرید کر جس دروازہ سے تم داخل ہوگے ۔ وہ
گھونگٹ کا دروازہ کہلاتا ہے ۔ یعنی جیسے عورتیں
چہرے کے سامنے گھونگٹ کر لیتی ہیں ۔ اسی طرح
اصل پھاٹک کے سامنے ایک جانب کو جو دروازہ
بنا ہے اسے بھی گھونگٹ کا دروازہ کہتے ہیں

اس دروازہ کے بعد قلعہ کا اصل پھاٹک
پڑتا ہے یہ پھاٹک بڑا خوب صورت اور شاندار
بنا ہے ۔ اور اس کی تین منزلیں ہیں ۔ اس پھاٹک
کے بعد ایک بازار پڑتا ہے ۔ اسے چھتہ بازار کہتے
ہیں ۔ یہ بازار اچھا خاصا لمبا ہے ۔ دونوں طرف
دکانیں ہیں اور سڑک کی چھت پٹی ہوئی ہے
البتہ بازار کے بیچوں بیچ روشنی کے لئے ایک
کھلا ہوا چوک ہے

اس بازار سے نکل کر ہم کھلے میدان میں
پہنچ جاتے ہیں ۔ کسی زمانے میں اس میدان کے
چاروں طرف بہت سی عمارتیں تھیں لیکن غدر
کے بعد یہ سب عمارتیں گرا دی گئیں ۔ بس سامنے
نقار خانے کی عمارت نظر آتی ہے اس پر کسی
زمانے میں پانچ وقت نوبت بجا کرتی تھی آج
کل اس کے اوپر کے حصے میں فوجی سامان کی نمائش
ہوتی ہے ۔ طرح طرح کی توپیں ، بندوقیں ، تلواریں
گولے ، کارتوس غرض کہ لڑائی کا ہر طرح کا
سامان یہاں موجود ہے ۔ اور سب لوگوں
کو دکھایا جاتا ہے

نقار خانے کے سامنے ہی دیوانِ عام کی عمارت نظر آتی ہے۔ بیچ میں کھلا ہوا میدان ہے جس پر سبزہ اُگ رہا ہے پہلے اس میدان کے دونوں طرف بھی اچھی اچھی عمارتیں تھیں لیکن اب اُن کا نشان بھی نہیں ملتا۔

اچھا اب چلو دیوان عام کی سیر کریں اس میں بادشاہ عام دربار کیا کرتے تھے اور ہر فریادی کو اس میں آنے کی اجازت ہوتی تھی۔ یہ ایک بڑا سا ہال ہے۔ جو تین طرف سے کھلا ہوا ہے صرف پیچھے کو دیوار ہے۔ سامنے بڑے بڑے اور خوب صورت در ہیں۔ کرسی بہت اونچی ہے اور اندر بیسیوں در اور کھمبے ہیں۔ جس زمانے میں یہاں دربار ہوتا تھا تو فرش پر قیمتی قالین بچھے ہوتے تھے۔ دیواروں، چھتوں اور کھمبوں پر ریشم کے تھان لپٹے ہوتے تھے اور سامنے کے دروں پر مخمل کے پردے پڑے ہوتے تھے غرض کہ خوب سجاوٹ ہوتی تھی۔ لیکن اب تو بس خالی عمارت ہی عمارت ہے۔ سجاوٹ کا کہیں نام بھی نہیں ہے۔

پیچھے کی دیوار کے بیچوں بیچ آگے کو نکلا ہوا ایک بہت اونچا چبوترہ ہے اور اس چبوترے پر پتھر کی بڑی خوب صورت چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس کو نشیمن کہتے ہیں یہیں دربار کے وقت بادشاہ بیٹھا کرتے تھے۔ اس چبوترے کے پیچھے ایک دروازہ ہے اسی دروازے سے وہ دربار میں داخل ہوتے تھے چبوترے کے نیچے ایک بہت بڑا سنگ مرمر (سفید پتھر) کا تخت پڑا ہے کہتے ہیں کہ اس تخت پر کھڑے ہو کر وزیر لوگوں کی عرضیاں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

خوب صورتی اور کاری گری کے لحاظ سے یہ چبوترہ دیکھنے کے قابل ہے۔ سفید پتھر میں دوسرے رنگوں کے پتھر جڑ کر ایسے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں کہ ہو بہو اصلی معلوم ہوتے ہیں۔ اس قسم کے کام کو پچی کاری کہتے ہیں چھتری میں بھی ایسے ہی پھول بیل بنے ہیں۔ انھیں دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ بس ایسا لگتا ہے جیسے چاروں طرف ایک باغ کھلا ہو۔



[illegible] [illegible] مسلم یتیم خانہ ڈھاکہ کے دالان اور مکانوں کے احاطے -



مدرسۃ الاسلام یتیم خانے کے بچوں کی دوائے اسلاوت کی جماعت

لیکن اس سے بڑھ کر پیچھے کی دیوار میں پچی کاری کی گئی ہے اس میں سنگ موسی (کالے پتھر) کی تختیاں جڑی ہیں۔ اور ان تختیوں میں طرح طرح کی چڑیوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ تصویریں ایسی عمدہ ہیں کہ چڑیاں بالکل زندہ معلوم ہوتی ہیں اور یہ خیال ہوتا ہے کہ اِس ڈالی پر سے یہ چڑیا اب پُھر سے اُڑی اور اُس ڈالی پر سے وہ چڑیا اب پُھر سے اُڑی ، ایک تصویر اس میں اور بھی بہت عمدہ ہے۔ ایک آدمی کھڑا کوئی باجا بجا رہا ہے شیر اور جنگل کے دوسرے جانور اس کے باجے سے اتنے مست ہوگئے ہیں کہ اس کے پاؤں میں لوٹ رہے ہیں یہ تصویر لوگ اکھاڑ کر لندن لے گئے تھے، لیکن بعد میں پھر وہاں سے منگاکر یہیں جڑ دی گئی۔

اچھا اب تم تھک گئے ہوگے اس لئے قلعے کی باقی سیر پھر کرائیں گے۔



# کام کی باتیں



(از محمد عبدالعظیم عظیم متعلم جماعت دہم مدرسہ فوقانیہ کم منڈہ)

۱۔ دھندلی روشنی میں پڑھنے سے نظر کمزور ہوجاتی ہے اور چہرے پر جھریاں پڑجاتی ہیں

۲۔ کسی کو غش آجائے تو پیٹ کے بل لٹاکر کپڑے ڈھیلے کر دو۔

۳۔ جن لوگوں کو دل کی بیماری ہو۔ ان کے لئے باتیں کرنا مفید ہے۔

۴۔ غصے کی حالت میں پانی پینا یا بیٹھ جانا چاہیے۔

۵۔ شہد اور گھی ملاکر کھانے سے مرض فالج کا اندیشہ رہتا ہے۔



# بلی خالہ

(سید غلام زین العابدین فرسٹ ایر، مارس کالج۔ ناگپور)

کالج سے میں ۲ بجے مکان آیا۔ کتابیں رکھیں۔ کپڑے بدلے اور ناشتہ کیا۔ تکان کی وجہ سے طبیعت کچھ پریشان معلوم ہورہی تھی۔ اس لیے صحن میں کیرم کھیلنے بیٹھ گیا۔ ابھی دو ہی بورڈ کھیلے تھے کہ باورچی خانے سے کچھ آواز آئی اور دیر تک آتی رہی اس کے بعد کسی بڑی چیز کے گرنے کا شور ہوا۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں اقبال دوڑتا ہوا آیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا" ماموں جان۔ بلی کی جان بچایئے بلی کی جان بچایئے" میں فوراً باورچی خانے کی طرف گیا۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ بلی کی کھوپڑی لوٹے کے اندر! یا اللہ، یہ کیا مصیبت!

ہمارے ہاں کئی بلیاں ہیں اور انھوں نے ہمیں بہت پریشان کر رکھا ہے۔ جب دیکھو گھر میں موجود۔ اور اس بات کی منتظر کہ کوئی کھانے کی چیز ہاتھ لگ جائے۔ اگر کبھی غلطی سے باورچی خانے کا دروازہ کھلا رہ جائے یا کوئی کھانے کی چیز باہر رکھ دی جائے تو ان کمبختوں کی عید ہوجاتی ہے۔ آج مجھے ناشتہ دینے کے بعد باورچی خانے کا دروازہ غلطی سے کھلا رہ گیا بس پھر کیا تھا بلی خالہ فوراً اندر داخل ہوگئیں۔ الماری کے ایک کونے میں الومنیم کے لوٹے میں کچھ دودھ تھا ان خالہ کی ناک تک اس کی خوشبو پہنچ گئی۔ اور وہ الماری پر چڑھ گئیں۔ اس لوٹے کا منہ کافی چھوٹا تھا انھیں اس وقت یہ بھی خیال نہ ہوا کہ اس میں منہ آسانی سے جا بھی سکتا ہے یا نہیں۔ لالچ میں انھوں نے بڑی تیزی سے اپنا سر لوٹے میں داخل کر دیا اور غٹاغٹ سارا دودھ چڑھا گئیں۔ جب دودھ ختم ہوگیا تو بلی خالہ نے اپنی کھوپڑی باہر نکالنا چاہی مگر توبہ کرو وہ کب

نکلتی ہے۔ بہت کوشش کی مگر بے کار۔ پھر تو وہ گھبرائیں اور ادھر ادھر کودنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے کئی برتن گرا دیئے اور بعد میں خود بھی نیچے گر پڑیں یہی آواز تھی جسے سن کر میں کیرم کھیلتے وقت چونکا تھا۔

ہم لوگ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خالہ اپنی کھوپڑی لوٹا سمیت زمین پر پٹک رہی ہیں کہ لوٹا کوئی شیشے یا چینی کا تو تھا نہیں کہ پٹکنے سے ٹوٹ جاتا اور وہ آزاد ہو جاتیں۔ سوائے اس کے کہ اس منظر کو دیکھ کر ہنستے اور کیا ہو سکتا تھا تمام گھر والے ہنس رہے تھے اور ان میں میں بھی شریک تھا۔ جب بلی زیادہ گھبرانے لگی تو مجھے بہت برا معلوم ہوا اور اس کی پریشانی دیکھ کر مجھے اپنا آٹھ برس پہلے کا واقعہ یاد آگیا اور وہ یہ تھا کہ:۔

بچپن میں میں بہت شریر تھا، میری شرارتوں سے تمام گھر بہت پریشان رہتا تھا۔ ایک دن کیا ہوا کہ صحن میں ایک چھوٹی دیگ رکھی ہوئی تھی میں نے اس میں بیٹھنا چاہا اور بیٹھ گیا۔ لیکن جب نکلنا چاہا تو لاکھ کوشش کی مگر ہل تک نہ سکا بلکہ اور بری طرح پھنس گیا۔ اب تو میں بہت گھبرایا اور اماں کو آواز دی۔ انھوں نے آتے ہی مجھے اس حالت میں دیکھ کر ہنسنا شروع کیا مجھے اس پر غصہ آیا اور میں زور زور سے رونے لگا۔ انھوں نے مجھے نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن میں ان سے بھی نہ نکل سکا۔ اب تو وہ بھی گھبرائیں اور والد صاحب کو بلایا۔ دونوں نے میرے نکالنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی میں نہ نکلا۔ اب تو والد صاحب کو غصہ آگیا اور انھوں نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کیا ان کا ایک جملہ جو انھوں نے اس وقت کہا تھا مجھے اب تک یاد ہے کہ "چولھے میں آگ جلا کر اس دیگ کو اس پر رکھ دو۔ نالائق اپنی شرارت کا مزہ چکھ لے گا" القصہ میں بڑی کوششوں کے بعد اس میں سے نکالا گیا۔

اس وقت یہ واقعہ اور اپنی پریشانی مجھے یاد آگئی اور مجھے محسوس ہوا کہ بلی بھی آخر کار جان دار چیز ہے۔ میری طرح نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ وہ گھبرا رہی ہوگی آخر میں بلی ہم لوگوں کی آہٹ پا کر وہاں سے نکلی اور ادھر ادھر لوٹا سمیت بھاگنے لگی۔

میں بھی ایک کپڑا لے کر اس کے پیچھے دوڑا کہ موقع پاکر اسے پکڑوں اور اس کی جان بچاؤں۔ پھر یہ ڈر ہوا کہ غصہ کی حالت میں مجھے نوچ نہ ڈالے اس کشمکش میں کوئی دس منٹ گذر گئے۔ اس کی تکلیف بڑھتی گئی۔ لیکن میری ہمت پھر بھی نہ پڑتی تھی اتنے میں آپا بولیں کہ ”آپ کے انتظار ہی انتظار میں اس بے چاری کا انتقال ہو رہا ہے“ یہ کہہ کر وہ دوڑیں اور اسے کپڑے سے مضبوط پکڑ لیا۔ بلی بھی بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ غالباً یہ سمجھی کہ یہ اس کی نجات کا سامان ہے۔ میں نے اس کے سر سے لوٹا کھینچا۔ لیکن وہ نہ نکلا۔ دوبارہ پھر کوشش کی لیکن بے کار۔ اب تو بلی اور بھی گھبرائی اور بھاگنا چاہا۔ مجھے اس وقت ایک ترکیب سوجھ گئی ایک ہاتھ سے تو میں نے لوٹا کھینچنا شروع کیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پیچھے ہٹانی شروع کی جس طرح ایک چوڑی والی چوڑی پہناتے وقت دھیرے دھیرے پہننے والی کے چمڑے کو ہٹاتی ہے۔ اس طرح بڑی مشکل سے میں نے اس کی گردن سے لوٹا نکالا۔ جوں ہی اس کا سر لوٹے میں سے نکلا۔ وہ بے تحاشا بھاگی۔ اور ابھی تک اس کا پتہ نہیں۔

ٖ

# لطیفہ

لڑکا:- ابا آپ گنجے کیوں ہیں۔

باپ:- بات یہ ہے کہ بیٹا میں بچپن میں بڑا ہی نیک اور اچھا لڑکا تھا اور اماں جان خوشی اور پیار میں ہر وقت میرے سر پر ہر وقت ہاتھ سے تھپتھپاتی رہتی تھیں

# آئینہ

از جناب ریحانی متعلم ڈسٹ بوائز اسکول　　حیدرآباد دکن

اے آئینے! تیری تعریف ہو کیا　　نہیں ہے صفائی میں کوئی بھی تجھ سا
تجھے صاف ایسا بنایا خدا نے　　نہیں ہے ذرا بھی کہیں داغ دھبا
نہیں گرد کا نام تک تیرے گھر میں　　ہمیشہ نظر آتا ہے صاف ستھرا
نہیں کوئی چیز ایسی روشن جہاں میں　　مری رائے میں تو ہی سورج کا ٹکڑا
گرا ہے کبھی ٹوٹ کر آسماں سے　　کیا تجھ کو دنیا کی سردی نے ٹھنڈا
کیا جب تجھے آسماں کے مقابل　　ستاروں نے حسن اپنا تجھ میں دکھایا
نکالا کبھی تجھ کو جب چاندنی میں　　خوشی سے تری گود میں چاند اترا
ہنسا میں تو پایا تجھے میں نے ہنستے　　چڑایا جو منہ تو نے بھی منہ چڑایا
کسی کی رعایت سے نفرت ہے تجھ کو　　دکھا دیتا ہے کوئی ہوتا ہے جیسا
چلا مدرسے جب کتابوں کو لے کر　　اٹھا کر تجھے اپنے چہرے کو دیکھا
ذرا پونچھ کر منہ کو رومال سے پھر　　کیا الجھے بالوں میں جلدی سے کنگھا

جماعت کے لڑکے لگے منہ کو تکنے
صفائی کا انعام جب میں نے پایا



# کتے کا خیال

( - رشید الدین صاحب طالب علم اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور )

گرمیوں کے دن تھے۔ دھوپ اور پھر جون کی دھوپ تو تم جانو کتنی تیز ہوتی ہے۔ گویا سورج بادشاہ ان دنوں خوب نہا دھو کر گھر سے نکلتے ہیں۔ ایک دن اسی تپتی دھوپ میں ایک گرمی اور پیاس کا مارا کتا پانی کی تلاش میں ندی کے کنارے چلا آیا۔ پانی کی صورت دیکھتے ہی اس طرح ہڑبڑا کے منہ ندی میں ڈال دیا کہ معلوم ہوتا تھا برسوں کا پیاسا ہے۔ پی چکنے کے بعد بھی سبز گھاس پر لیٹا ہوا للچائی نظروں سے پانی کو تکتا رہا اتنے میں اس نے ایک مچھلی پانی میں تیرتی دیکھی اور اپنے جی میں کہنے لگا۔ کیا اچھا ہوتا جو میں بھی پانی میں رہتا۔ اس قدر تیز دھوپ اور پیاس کی شدت تو برداشت نہ کرنا پڑتی یہ کہہ کر اپنی آنکھیں میچ لیں اور لیٹ گیا اس وقت ایک ملائم سی آواز اس کے کانوں میں آئی "کاش زمین کی سبز گھاس پر لیٹتی تو کیسا اچھا لگتا"

یہ سن کر کتا وہاں سے چل دیا راستے میں اس نے ایک پرند کو اڑتے دیکھا جو کہہ رہا تھا :- "کاش میں زمین پر رہتا اور اس کتے کی طرح کھیلتا اب مجھے تنکے اکٹھے کرنے پڑیں گے اور بڑی دیر کے بعد جب گھونسلا بن چکے گا تو کہیں چین آئے گا" یہ سن کر کتے کو کچھ صبر سا آگیا اس نے اپنے جی میں سوچا اس دنیا میں تکلیف و آرام اور خوشی و غم ہر ایک کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور میں بھی انھیں میں سے ایک ہوں" یہ سوچ کر خوش خوش اپنے گھر کو چل دیا۔

# خط کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

اب ہمارا پیام تعلیم روز بروز اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ دہلی کی سیر والا مضمون مجھے بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ مجھے دہلی دیکھنے اور یہاں کی پرانی عمارتوں کی سیر کرنے کا بڑا شوق ہے اپنے ابا جان سے برابر کہتا رہتا ہوں کہ دہلی دکھلا دیجئے مگر انھیں نوکری سے چھٹی ہی نہیں ملتی اب مضمونوں سے اللہ نے کیا تو دلی کی گھر بیٹھے سیر ہو جائے گی جامع مسجد والا مضمون بہت دل چسپ ہے۔ اور تصویر کے تو کیا ہی کہنے۔ امید ہے کہ اس سلسلے کو آپ آیندہ پرچوں میں بھی جاری رکھیں گے فقط

غیاث الدین۔ بمبئی۔

(یہ سلسلہ آیندہ بھی جاری رہے گا اطمینان رکھئے (ایڈیٹر)

---

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے پیام تعلیم کے ٹکٹوں والے مضمونوں کو میں بہت دل چسپی اور غور سے پڑھتا ہوں۔ ان سے مجھے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں جو پہلے معلوم نہ تھیں۔ خاص کر ریاستوں کے متعلق اگر آپ یا آپ کے مضمون نگار جناب شمیم صاحب یا اور کوئی پیام بھائی یہ بھی بتا دیں کہ ان ریاستوں کے ٹکٹ کس طرح حاصل کئے جا سکتے ہیں تو میں اُن کا بہت بہت شکریہ ادا کروں گا۔ میں ٹکٹوں کا مبادلہ بھی کرتا ہوں

عبدالعزیز۔ اٹاوہ

امید ہے کہ شمیم صاحب یا اور کوئی پیامی بھائی اس معاملے میں عبدالعزیز صاحب کی مدد کریں گے (ایڈیٹر)

---

گنجائش کم ہونے کی وجہ سے دوسرے خط اگلے پرچے میں شائع ہوں گے۔ معلومات اور پڑھنے کی کتابوں کے صفحے بھی اسی وجہ سے نہ دئے جا سکے اس کے لئے اگلے پرچے کا انتظار کیجئے (ایڈیٹر)

# جنگلی جانوروں کا عجائب خانہ



یہ نبھے میاں بڑے سیلانی ہیں۔ رات دن گھومتے رہتے ہیں۔ سارنگی بجانے کا شوق ہے۔ شوقین لوگ دو چار پیسے دے دیتے ہیں۔ اسی پر ان کی گذر ہے۔ اس وقت یہ تھکے ہارے ایک سڑک کے کنارے بیٹھے ہیں۔ کچھ دنوں پہلے وہ ٹھیک اسی جگہ رہ بھی چکے ہیں۔ اس وقت انھیں اپنے پرانے ساتھی جنگلی جانور یاد آ رہے ہیں جن کی وجہ سے ان کا گھر ایک چھوٹا موٹا عجائب خانہ بن گیا تھا۔ اب ان میں سے صرف ایک کتا رہ گیا ہے۔ انھوں نے اپنے جی میں کہا کیسا اچھا ہوتا جو اس وقت پرانے دوستوں سے ملاقات ہو جاتی۔ یہ دعا انھوں نے کچھ ایسی گھڑی سے مانگی کہ فوراً قبول ہو گئی۔ ذرا غور سے دیکھو تو تصویر میں تمھیں۔ دو طوطے، دو بندر، ایک ہاتھی، ایک اونٹ، ایک لومڑی، ایک شیر اور ایک مگرمچھ نظر آئے گا۔

# پیامِ تعلیم
دہلی

| نمبر ۵ | مئی ۳۵ء | جلد ۱۸ |
|---|---|---|


## فہرست مضامین




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی۔ جامعہ پریس

# پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

قیمت سالانہ عاؔ فی پرچہ ۴ر

| | |
|---|---|
| زینت اسلام گرلز اسکول | میمیو |
| ایس، ایم ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی | لکھنؤ |
| میاں عبدالوحید علوی صاحب | لدھیانہ |
| ابوالاحرار ضیاء الحسن صاحب | عطا سرائے |
| احتشام الرحمٰن صاحب | علی گڑھ |
| مولوی سید ابراہیم صاحب ہاشمی | چاندہ |
| غوث محی الدین۔ صاحب | دیوبند |
| سید شاہ شرف عالم و منظر حسین صاحبان | بھاگل پور |
| یوسف علی خاں یعقوب علی خان صاحبان | پربھنی |
| مولوی شاہ محمد خاں صاحب | چیتوپور |
| فردوس محمد خاں صاحب | شنگرام |
| یوسف عمر جیا صاحب | رنگون |
| مرزا احمد علی بیگ صاحب | ناندیڑ |
| مولوی عبدالغنی صاحب | پشاور سٹی |

# بچوں سے باتیں

مارچ کے پیام تعلیم میں دو اہم اعلان شائع کئے گئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ تم نے ان دونوں کی طرف بہت کم توجہ کی۔ پہلا اعلان پیام تعلیم کی اشاعت کے بڑھانے کے متعلق تھا اور اس میں تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ پیام تعلیم کا ایک خریدار دینے والے کو ایک کتاب بچوں کے اسمٰعیل اور مہینے میں سب سے زیادہ خریدار بنانے والے کو پانچ روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ ہمارا خیال تھا کہ اس مقابلے میں تم بہت دلچسپی سے حصہ لوگے اور زیادہ سے زیادہ خریدار بناکر دفتر میں بھیجوگے۔ کیوں کہ اول تو اس سے پیام تعلیم سے تمھاری دلچسپی ظاہر ہوتی ہے دوسرے پیام تعلیم کے خریداروں اور پڑھنے والوں کی تعداد بڑھتی ہے۔ اور یہ ہمارا اصلی مقصد ہے اس لئے کہ ہم تمھارے رسالے کو اتنی محنت سے اس لئے تیار کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ بچے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تیسرے یہ کہ تمھیں بھی اپنی محنت کا بہت اچھا بدلہ مل جائے گا اور تھوڑی سی محنت سے اچھی اچھی کتابیں پڑھنے کو ملیں گی۔ اور تمھارا نام بھی پرچے میں چھپ جائے گا۔ ہمیں امید ہے کہ اب تم اس کام کو فوراً شروع کردوگے

---

دوسرا اعلان "بچوں کی کوششوں" کے عنوان سے تھا۔ یہ تم میں سے بہت چھوٹے بچوں کے لئے کیا گیا تھا۔ ہمیں امید تھی کہ وہ اپنے استادوں اور والدین کی مدد سے ہمارے پاس اپنے لکھے ہوئے مضمون بھیجیں گے لیکن ابھی تک بہت کم مضمون ہمارے پاس آئے ہیں جو آئے ہیں ان میں سے بھی بعض بہت بدخط ہیں۔ بعض میں عمر نہیں لکھی ہے۔ بعض میں استاد یا والدین کی تصدیق نہیں ہے اسی وجہ سے ہم اب تک کسی کو انعام بھی نہیں دے سکے ہیں۔ امید ہے کہ چھوٹے بچے اچھے اچھے مضمون بھیج کر یہ انعام حاصل کرنے کی کوشش کریں گے بچوں کے استاد اور والدین کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہئے

---

اب سے کوئی ۱۵، ۱۶ برس پہلے پنجاب کے مشہور شہر امرتسر میں وہاں کی حکومت نے جلیانوالہ باغ میں بڑا ظلم کیا تھا۔ ہر سال اپریل کے مہینے میں قومی ہفتے کے نام سے اس واقعے کی یادگار منائی جاتی ہے۔ ہماری جامعہ میں یہ یادگار ہمیشہ کی طرح اس سال بھی منائی گئی۔ خاص ۱۳ اپریل کو جو ہفتے کی آخری تاریخ ہے، جامعہ میں چھٹی تھی۔ اس دن جامعہ کے استادوں اور طالب علموں نے سارا کام خود ہی کیا۔ نوکروں سے کوئی کام نہیں لیا گیا۔ بڑے تو بڑے ننھے ننھے بچوں نے بھی اپنے اپنے کمروں اور بورڈنگوں کی صفائی میں برابر کا حصہ لیا، پاس پڑوس کی گلیاں بھی صاف کیں شام کو ۵ بجے جلسہ ہوا اس میں دوسری تقریروں کے علاوہ شیخ الجامعہ صاحب نے بھی تقریر کی۔ اور بچوں کو ان

ہی کی زبان میں یہ سمجھایا کہ یہ یادگار کیوں منائی جاتی ہے۔ اور آزادی کیا چیز ہے۔ اور ہم آزادی کیوں چاہتے ہیں

کھانا پکانے کا کام جناب شیخ الجامعہ کے سپرد تھا انھوں نے یہ کام چند استادوں اور طالب علموں کے ساتھ مل کر کیا۔ اور شام کو استادوں، طالب علموں اور ملازموں سب نے ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔

---

منیجر صاحب کو شکایت ہے کہ پیامِ تعلیم کے خریدار بچے اپنے خط میں نمبر خریداری نہیں لکھتے جس سے اکثر خط کی تعمیل میں بہت دشواری ہوتی ہے۔ خریداری نمبر وہ ہوتا ہے جو تمھارے پتے کی چِٹ پر لکھا ہوتا ہے۔ منیجر صاحب کو امید ہے کہ اس تحریر کو پڑھ کر تم ان باتوں کا خیال رکھوگے۔

---

جناب لطیف سعید صاحب کا نام ٹکٹوں کا مبادلہ کرنے والوں کی فہرست میں لکھ لیا گیا ہے۔ ان کا پتہ یہ ہے:-
معرفت ڈاکٹر ٹی سعید۔ سعید منزل۔ بندر روڈ۔ کراچی

---

اس پرچے میں ہم رنگ بھرنے کی تصویر چھاپ رہے ہیں۔ اس مقابلے میں بڑے لڑکے بھی حصہ لے سکتے ہیں۔ تصویر ذرا بڑی ہوگئی ہے۔ اس لئے کوپن ہم یہاں شائع کرتے ہیں

۱۵ جون تک تصویر میں رنگ بھر کر بھیج دو۔ جس کی تصویر سب سے اچھی ہوگی اسے بہت اچھا انعام دیا جائے گا پچھلے مقابلے میں جو لوگ اول آئے تھے اُن کے انعام بھیجے جاچکے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| نام | عمر | درجہ |

استاد یا سرپرست کی تصدیق

پورا پتہ

# بچو! ہندوستان تمہارا ہے!

## اس کو چھوٹا بڑا سمجھو

## خالدہ ادیب

خالدہ خانم دہلی سے جاتے وقت جامعہ کے بچوں کو یہ پیغام دے گئی تھیں۔ اور مجھ سے کہہ گئی تھیں کہ بچوں کو اس کا مطلب سمجھا دوں۔

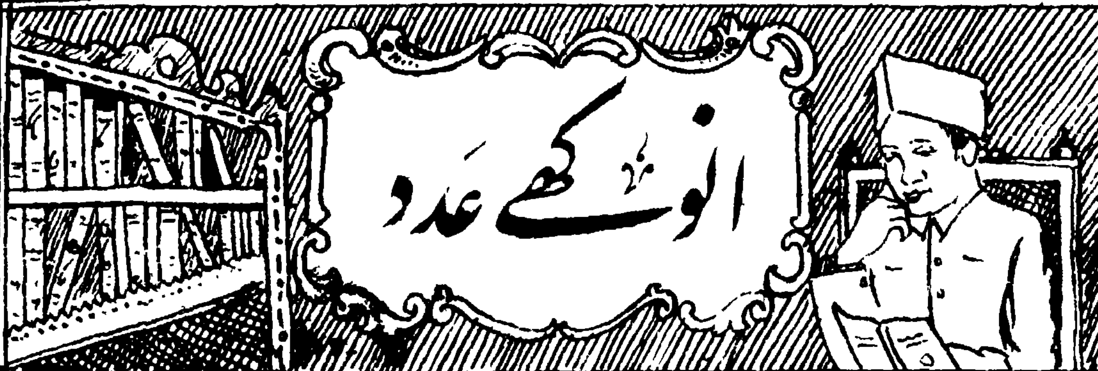
ہماری سب کی یہ عادت ہے کہ اس چیز کی سب سے زیادہ فکر رکھتے ہیں جسے ہم اپنی سمجھتے ہیں۔ اور جو پرائی چیز ہو۔ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اب اگر ہندوستان کے لوگ اپنی اپنی چیزیں الگ کرلیں تو ایک سب سے بڑی چیز رہ جاتی ہے جو کسی کی نہیں ہے۔ اور سب کی ہے۔ یعنی ہمارا ملک۔ جن لوگوں کی نظر اتنی کمزور ہے کہ وہ اپنی ناک کے آگے اور کچھ دیکھ نہیں سکتے اور عقل اتنی کم کہ وہ نہیں جانتے ان کا اصل فائدہ کس بات میں ہے۔ وہ اپنے ملک کو پرائی چیز سمجھتے ہیں اس لئے کہ وہ ان کے جوتے اور ٹوپی کی طرح ان کی چیز نہیں ہے۔ لیکن جو دوراندیش ہیں وہ جانتے ہیں کہ انھیں اپنے ملک کو اپنی سب سے عزیز ملکیت سمجھنا چاہئے کیوں کہ جب ملک اپنا نہ ہو تو ہم کسی اور چیز کو بھی اپنی نہیں ٹھہرا سکتے۔ اور اگر کوئی ہمارے ملک پر قبضہ کرلے تو ہماری عزت، آبرو، جان اور مال سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

ہندوستان کے تمام بچوں کو اور خاص طور پر مسلمان بچوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے ۔ کہ ہندوستان ان کا ملک ہے اور کسی دوسرے کا ہو نہیں سکتا ۔ انھیں عمر بھر اسی کی کوشش کرنا چاہیے کہ اسے آزاد کریں تاکہ انھیں غلامی کی ذلت سے نجات ملے ۔ ملک کی عزت اور دولت بڑھائیں تاکہ ان کی اپنی عزت اور دولت بڑھے ۔ اور یہ سوچ کر کہ ملک آخر کار ہمارا ہے اس کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار رہیں ۔ جیسے ہر سمجھ دار آدمی ضرورت کے وقت بڑی چیز کو بچانے کے لئے چھوٹی چیز سے ہاتھ دھونے پر تیار رہتا ہے ۔ ہندوستان میں بڑے بوڑھے لوگ تو بہت سے ہیں جو ہندوستان کو اپنا ملک کہتے ہیں ۔ خود اس کی خاطر قربانیاں کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں ۔ لیکن ہندوستان کے دن تب ہی پھریں گے جب یہاں کے بچے اسے اپنا ملک سمجھنے لگیں ۔ اور اس کی اسی طرح فکر رکھیں جیسے وہ اپنی چیزوں کی رکھتے ہیں ۔

ہمارا ملک وہ زمین ہے جس پر ہم اور ہمارے ہندوستانی بھائی رہتے ہیں جس پر ہمارے باپ دادا رہ چکے ہیں ۔ جسے وہ اپنی محنت سے سرسبز اور شاداب کر چکے ہیں جس کی عزت اور حفاظت کے لئے انھوں نے اپنے خون کی ندیاں بہائی ہیں ۔ اور جس کو مذاق کی خوبی اور نیک حوصلوں سے رونق بخشی ہے ۔ یہ ملک ہمارا ہے ۔ لیکن سب سے زیادہ حق اس کے اُن بچوں کا ہے جو اس کی آبرو اور ترقی کے ذمہ دار ہونے والے ہیں اسی وجہ سے خالدہ خانم ، جو ایک سچی وطن پرست ہیں ۔ بچوں سے کہہ گئی ہیں کہ بچو !

## "ہندوستان تمہارا ہے"

محمد مجیب (بی اے ، آکسن)



# انوکھے عدد

(ماہر تعلیم)

جدھر جاؤ انوکھے عدد! جہاں جاؤ یہی ذکر یہی چرچا۔ اب تو ہمیں خود سوچ کر لکھنے کی ضرورت بھی شاید نہ پڑے، آپ ہی کے پیام بھائیوں سے سن کر مضمون لکھ لیا کریں گے!

کل ہی کا ذکر ہے کچھ لڑکے جامعہ کے تعلیمی مرکز سے اپنے گھر جا رہے تھے۔ میں بھی کسی کام کو کہیں جا رہا تھا۔ لڑکے اطمینان سے آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ میں جلدی میں ذرا قدم اٹھائے لپکا جا رہا تھا۔ کہ کان میں آواز پڑی "اور دو سے تقسیم کر دو۔ اور اصلی عدد اس میں سے گھٹا دو"

میں نے کہا ہو نہ ہو کسی انوکھے عدد کا ذکر ہے۔ ذرا قدم روک میں بھی ان بچوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

دوسرے بچے نے کہا "بھائی صلاح الدین پھر سے کہو۔ میں نے ٹھیک دھیان نہیں کیا"

صلاح الدین نے کہا، "سنو۔ کوئی سا عدد لے لو لے لیا؟" "ہاں لے لیا"

"اسے دو سے ضرب دے دو" دے دیا؟ اب اس میں ۱۸ جوڑ دو۔ جوڑ دے"

"ہاں جوڑ دئے"

اچھا اب دو سے تقسیم کر کے اس میں سے اصلی عدد گھٹا دو"

ٹھیک :

"بتاؤں کیا آیا"

"بتاؤ"

"بتاؤں کیا - ۹ رہے - ۹ !"

"ہاں - بھائی ہے تو ٹھیک"

ان کی باتیں سن کر میں نے بھی دل میں ایک عدد لے لیا تھا - اور جو بچہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا وہ میں بھی کرتا جاتا تھا - بڑا ہی تعجب ہوا کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد یہاں بھی وہی ۹ رہے -

پھر تو میں نے ایک اور عدد لیا، اور اور ایک، اور اور ایک - دو سے ضرب دیا ۱۸ جوڑے تو ہوئے ۳۰ - اسے دو سے تقسیم کیا تو ہوئے ۱۵ - اس میں سے اصلی عدد ۶ گھٹا دیا تو کیا رہا - وہی ۹ -

جب یوں راہ چلتے انوکھے عدد ملیں تو کیا کہنا - ہم بھی شام کو پہنچے لڑکوں کی اقامت گاہ میں - اور وہاں لڑکوں سے اس کا ذکر کیا - سب لڑکوں نے دل میں ایک ایک عدد لیا - کسی نے کوئی کسی نے کوئی - مگر آخر میں سب کے یہاں وہی ۹ رہے ! بس ایک لڑکے نے کہا کہ آٹھ رہے، مگر اس نے گھٹانے میں غلطی کی تھی !

ہم یہ سنا سنایا قصہ کہہ کر جی میں بہت خوش تھے کہ ایک لڑکا اٹھا اور اس نے کہا میں نے انوکھی بات معلوم کی ہے - آپ کوئی عدد لے لیجئے اسے ۶ سے ضرب دیجئے - اور ۱۲ جوڑ دیجئے "

"اچھا جوڑے "

اب ۳ سے تقسیم کرکے ۲ گھٹائیے اور پھر ۳ سے تقسیم کر دیجئے"

"اچھا، اور"

"اور یہ کہ اصلی عدد گھٹا دیجئے"

"پھر"

"پھر کچھ نہیں۔ ۱۰ رہے"

اس لڑکے نے پھر یہ بات دُہرائی۔ سب بچوں نے ایک ایک عدد دلئے۔ اور آخر میں سب کے پاس وہی ۱۰ بچے۔

میں نے پوچھا کہ تم نے یہ کہاں سے معلوم کیا۔

بچے نے کہا "کل ہی ابا جان کا خط آیا ہے۔ انھوں نے پیام تعلیم کے مضمون پڑھ کر یہ بات مجھے لکھی ہے"

میں نے دل میں کہا "اب معاملہ بہت بڑھ گیا۔ پہلے تو ہمارا اور بچوں کا ہی معاملہ تھا، اب تو اس میں ابا جان کو بھی دلچسپی ہوگئی۔ خیر اچھا ہے۔ ہمیں بیٹھے بٹھائے مضمون لکھنے کے لئے انوکھے عدد معلوم ہوجایا کریں گے"

---




(از جناب مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی۔ لکچرر اردو مدراس یونیورسٹی)

دھوپ کیا ہے، جان کا جنجال ہے ؛ ہر کوئی گرمی سے اب بے حال ہے
چل سکیں پیدل ذرا بھی، ہے محال ؛ دوپہر کو گھر سے نکلیں کیا مجال
دھوپ ایسی تیز پگھلا دے ہمیں ؛ لو، کچھ ایسی گرم جھلسا دے ہمیں۔
گھر کی دیواریں چھتیں، در گرم ہیں ؛ تپ رہی ہے ریت پتھر گرم ہیں
گرم ہر کمرے کی کرسی میز ہے ؛ اللہ اللہ دھوپ کیسی تیز ہے
چل رہی ہے گرم شعلہ سی ہوا ؛ سیر کو باغوں میں کوئی جائے کیا
وہ تپک ہوتی ہے ان میں الاماں[ل] ؛ جسم پر بچوں کے پھوڑے پھنسیاں

---

ل خدا کی پناہ

صحن میں ٹھنڈک نہیں ہے نام کو ÷ ہوتے ہیں چھڑکاؤ ہر دن شام کو
کیوں نہ ہو، دن بھر کی پیاسی تھی زمیں ÷ لو اِدھر چھڑکا اُدھر سوکھی زمیں
چیخ اٹھے بوڑھے بچے اور جواں ÷ کام کیجے تو پسینہ ہے رواں
برف کا ہے زور شدت کی پیاس ÷ ٹٹیاں خس کی لگی ہیں آس پاس
کال کیا ہے ٹھنڈے پانی کا پڑا ÷ ہو گئی خالی صراحی اور گھڑا
لو لگی جس کو وہی بیمار ہے ÷ چلنا پھرنا دھوپ میں دشوار ہے
ہو گئے ہیں لوگ دُبلے کس قدر ÷ جسم ہیں گرمی سے اُملے سر بسر
تب کہیں بجھتی ہے دم بھر کو پیاس ÷ پیجیے شربت کا جب ٹھنڈا گلاس
پیتے ہی دل اس نے ٹھنڈا کر دیا ÷ فالسے کا جب ذرا شربت پیا

ہے جو کچھ گرمی کی شدت کیا کہوں
حضرتِ محوی کی حالت کیا کہوں

بھلا معلوم ہوتا ہوگا۔ لیکن اب تو یہ نہر سوکھی پڑی ہے۔ پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے۔

## خاص محل

رنگ محل کے بعد خاص محل ہے اس محل کے تین حصے ہیں:۔

تسبیح خانہ، خواب گاہ۔ اور بیٹھک یا توشہ خانہ۔ جس دالان کا رخ رنگ محل کی طرف ہے وہ بیٹھک کے نام سے مشہور ہے۔ تسبیح خانے اور خواب گاہ کے بیچ میں ایک در ہے جس میں سے نہر بہشت بہتی ہے۔ اس در میں سنگ مرمر کی ایک جالی بنی ہوئی ہے۔ دور سے دیکھنے سے یہ جالی اتنی باریک معلوم ہوتی ہے۔ جیسے تاروں کی بنی ہو۔ لیکن قریب سے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پتھر کا اتنا نفیس کام کیا گیا ہے اس جالی کے اوپر ایک ترازو کی تصویر بنی ہے اسے انصاف کی ترازو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بادشاہ سب کو برابر سمجھتے تھے اور سب کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔

خواب گاہ بادشاہ کے آرام کی جگہ ہے اس کے تین کمرے ہیں اور سب کمروں پر دروازے چڑھے ہوئے ہیں۔ اس کی پچھلی دیوار سے ملا ہوا ایک آٹھ کونوں کا برآمدہ ہے اور اس پر گنبد بنا ہوا ہے۔ اسی کو مثمن برج کہتے ہیں۔ اس برج پر سونے کا ملمع کئے ہوئے تانبے کے پتر چڑھے تھے اب تو خالی چونے کا پلاسٹر ہے اس برج کے آٹھ کونوں میں سے تین تو خواب گاہ میں شامل ہو گئے ہیں اور پانچ کونے جمنا کی طرف نکلے ہوئے ہیں منج میں ایک چھوٹا سا برآمدہ ہے جو بعد میں اکبر شاہ ثانی نے بنوایا تھا، اسے جھروکہ کہتے ہیں۔

پرانے زمانے میں لوگ روز صبح بادشاہ کی زیارت کو جمنا کے کنارے جمع ہوا کرتے تھے اور بادشاہ اسی جھروکے میں کھڑے ہو کر لوگوں کو درشن دیا کرتے تھے، اس کے علاوہ جب جمنا کے کنارے ہاتھیوں کی لڑائی یا کوئی اور تماشہ ہوتا تھا تو بادشاہ یہیں سے بیٹھ کر دیکھا کرتے تھے

---

## دیوانِ خاص

یہ محل سب سے خوب صورت ہے۔ اس میں بادشاہ دربار کیا کرتے تھے یعنی اپنے وزیروں وغیرہ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس کی چھت اور دیواروں پر بہت خوب صورت نیچے کاری اور سنہرے پھول بوٹے بنے ہیں۔ اور فارسی کا ایک شعر لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کہیں جنت ہے تو بس یہیں ہے اس کے سامنے بادشاہی زمانے میں ایک لال پردہ پڑا رہتا تھا۔ محل میں جمنا کی طرف کے دالان میں سنگ مرمر کا تخت رکھا ہوا ہے اس تخت پر بادشاہ کے بیٹھنے کا "تختِ طاؤس" رکھا جاتا تھا۔

## تختِ طاؤس

یہ تخت بے بدل خاں داروغہ نے شاہ جہاں کے حکم سے بنوایا تھا۔ اس میں ایک لاکھ تولہ سونا لگا تھا اور سات برس میں بن کر تیار ہوا تھا اس میں طرح طرح کے جواہرات مثلاً لعل یاقوت، ہیرے، موتی، زمرد، نیلم وغیرہ جڑے تھے۔ اس کی چھت پر بیچ میں ایک درخت ہیرے جواہرات کا تھا۔ اور دونوں طرف دو مور تھے۔ مور کو فارسی میں طاؤس کہتے ہیں اسی لئے اس تخت کا نام بھی تختِ طاؤس پڑ گیا۔ ایران کا بادشاہ نادر شاہ اس تخت کو دہلی سے لے گیا تھا

## حمام

دیوانِ خاص کے بعد حمام ہے یہاں بادشاہ غسل کرتے تھے اس کے تین درجے ہیں۔ جمنا کی طرف کے درجے کو "جامہ کن" کہتے ہیں۔ یعنی یہاں بادشاہ کپڑے اتارتے تھے اس کے بعد دوسرا درجہ سرد خانہ کہلاتا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک حوض ہے۔ جس میں ٹھنڈا پانی رہتا تھا۔ یہاں تخت کی شکل کی ایک سنگ مرمر کی جا نماز بھی رکھی ہے۔ تیسرا درجہ "گرم خانہ" کہلاتا ہے۔ اس کے پیچھے پانی گرم کرنے کی انگیٹھی اور حوض ہے۔

حمام میں دیواروں پر اور فرش پر اتنی زیادہ نیچے کاری کی ہوئی ہے کہ ایسی کسی عمارت میں نہیں ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے

کہ پھول بوٹوں والی بڑی اچھی مخمل کا فرش ہے اس پر پاؤں رکھتے ہوئے بھی جی دکھتا ہے کہ کہیں یہ میلی نہ ہو جائے۔ اس کے حوضوں اور نالیوں میں پتھر کی نیچے کاری کر کے اس طرح کام بنایا گیا ہے کہ جب اس میں پانی بہے تو یہ ہلتا ہوا معلوم ہو۔

## موتی مسجد

حمام کے پچھم کی طرف سنگ مرمر کی ایک چھوٹی سی خوب صورت مسجد ہے یہ مسجد اورنگ زیب بادشاہ نے بنوائی تھی، اس میں بادشاہ اور بیگمیں نماز پڑھا کرتی تھیں۔ اس کے گنبد بالکل سنہرے تھے۔ غدر میں ان پر ایک توپ کا گولا گرا تھا جس سے بہت نقصان ہوا تھا اب ان کی مرمت کر دی گئی ہے مسجد کے بیچ میں وضو کرنے کے لئے ایک حوض بنا ہے اور فرش پر مصلوں کے نقشے بنے ہیں۔

## ہیرا محل، موتی محل

حمام کے اتر کی طرف ایک بارہ دری کی شکل کا ہے، اس کو بہادر شاہ ظفر نے بنوایا تھا جو دلی کے آخری مسلمان بادشاہ تھے۔ اسی کے برابر میں کسی زمانے میں موتی محل تھا۔ لیکن غدر کے بعد اسے توڑ ڈالا گیا۔ اب صرف اس کی حدیں معلوم ہوتی ہیں کہ یہاں یہاں تک تھا۔

## ساون۔ بھادوں

ہیرا محل اور موتی محل کے سامنے ساون اور بھادوں کی دو عمارتیں آمنے سامنے بنی ہیں یہ عمارتیں سنگ مرمر کی ہیں اور بالکل ایک سی بنی ہیں۔ ان کے بیچ میں حوض ہیں جن میں نہر سے پانی کی چادر گرتی تھی اور آگے فوارے کی طرح چھوٹتی تھی۔ اسی لئے انھیں ساون اور بھادوں کہتے ہیں۔

## ظفر محل

ساون اور بھادوں کے بیچ میں حیات بخش باغ تھا۔ باغ کے بیچوں بیچ بڑا سا حوض ہے۔ اور حوض کے بیچ میں یہ لال پتھر کی عمارت ہے اسے بھی بہادر شاہ ظفر ہی نے بنوایا تھا



# شہزادی گلنار

از جناب پروفیسر عطاء اللہ صاحب ایم اے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ایران میں کسی زمانے میں خداودست نام ایک بادشاہ تھا۔ بہت نیک اور پرہیزگار جب وہ ذرا بڈھا ہوا تو اس نے بادشاہت چھوڑ درویشی کی زندگی بسر کرنے کی ٹھانی۔ خداودست کی بیٹی شہزادی گلنار خوب صورتی میں چاند کو بھی شرماتی تھی لیکن باپ کی طرح ہر قسم کے آرام و آسائش کے باوجود عبادت میں وقت گذارتی تھی۔ خداودست نے تاج و تخت چھوڑنے سے پہلے شہزادی گلنار سے کہا۔ "میں اب دنیا چھوڑ کر تنہائی کے گوشے میں خدا کی یاد میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تم کسی شہزادے سے شادی کرلو اور آرام و آسائش سے رہو۔" گلنار نے کہا "باپ کی خدمت پر سب آرام قربان کرنے کو تیار رہوں۔ شادی کے جھمیلوں میں پڑکر آپ کی خدمت سے محروم رہنا بدبختی کی دلیل ہے۔" خداودست نے ہر چند اصرار کیا مگر گلنار نے باپ سے جدا ہونا گوارا نہ کیا۔

باپ بیٹی اپنی زندگی خدا کی عبادت اور خدا کی مخلوق کی خدمت میں بسر کرتے رہے۔ چند سال کے بعد خداودست کو اللہ میاں کے ہاں سے بلاوا آگیا۔ اب بیٹی پر جو نہ گذرتی کم تھی امیروں، وزیروں نے شادی کی تجویزوں اور پیغاموں سے اس کا ناک میں دم کر دیا اس کے باپ کے وفادار بڈھے وزیر نے شہزادی کو محبت سے سمجھایا کہ بادشاہ کی وفات کے بعد شہزادی کا دنیا ترک کئے رکھنا مناسب

معلوم نہیں ہوتا۔ عورت ذات اور پھر تن تنہا کس سے صلاح نہ مشورہ۔ آخر وزیر کے کہنے پر گلنار نے ایک بڑے سوداگر سے جس کا نام زردار تھا، شادی کر لی۔

---

گلنار اور زردار بڑے پیار و محبت سے رہتے تھے دو سال بعد زردار نے اپنی بیوی سے کہا کہ بغداد میں میرا کاروبار ہے۔ اب میں کچھ عرصے کے لئے آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ وہاں اسے دیکھتا آؤں کیونکہ اس دنیا کا عیش و آرام روپیے ہی سے ملتا ہے۔ آپ یہاں میرے بھائی درویش کی حفاظت میں رہیں میں آندھی کی طرح جاؤں گا اور بگولے کی طرح آؤں گا۔ میں بھی تو آپ سے جُدا ہونا نہیں چاہتا مگر اب جانا ضرور ہے

زردار گلنار کو درویش کی حفاظت میں چھوڑ، سفر کو روانہ ہوا۔ کچھ عرصے تک درویش گلنار کے پاس آنا جاتا رہا۔ زردار کو بغداد میں مجبوراً زیادہ ٹھہرنا پڑا۔ درویش نے گلنار سے ایک دن وہ ہیرے والی انگوٹھی مانگی۔ جو زردار نے اس کو شادی میں دی تھی، کسی عورت کا اپنے خاوند کی دی ہوئی انگوٹھی کسی کو دے دینا بڑے عیب کی بات سمجھی جاتی تھی ایسی عورت کے متعلق لوگ سمجھتے تھے کہ اس نے خاوند کو دل سے بھلا دیا ہے۔ اور ایران کے پرانے زمانے کے قانون کے مطابق ایسی بے وفائی کی سزا موت تھی۔ درویش کی اس کمینہ حرکت پر گلنار کو بے حد رنج ہوا، درویش نے سبھی جتن کئے مگر نیک دل شہزادی نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ گلنار نے درویش کو بہت ملامت کی اور اپنے مکان پر اس کا آنا جانا بند کر دیا۔

---

اب درویش عجیب مصیبت میں پھنسا وہ سمجھا تھا کچھ اور ہو گیا کچھ اور۔ اس کو اندیشہ تھا کہ گلنار، درویش کی کمینہ حرکتوں کی شکایت زردار سے ضرور کرے گی۔ اس نے گلنار کی خادمہ (نوکرنی) کی معرفت اس کی انگوٹھی چرا کر

کرائی اور اس انگوٹھی کو حاکم کے سامنے پیش کرکے دعویٰ کیا کہ اس کے بھائی کی بیوی نے اپنی شادی کی انگوٹھی ایک بدمعاش کو دے دی تھی اس لئے اس کو خاوند سے بے وفائی کرنے کی سزا ملنی چاہیئے۔ اب کیا تھا۔ اور پہلے زمانے میں یوں ہی انصاف ہوا کرتا تھا انگوٹھی کو دوسرے کے قبضے میں دیکھ کر یہ تسلیم کرلیا گیا کہ شہزادی بے وفائی کی مجرم ہے۔ اس لئے اس کو موت کے گھاٹ اتارا دینا چاہیئے۔

موت اور حاکم کا حکم ٹالے نہیں ٹلتے

گلنار اپنی بے گناہی پر زار زار روتی تھی۔ پر خدا کے سوا اس کی بے گناہی کو کوئی جانتا نہیں تھا۔ مانتا کیوں کر۔ گلنار کو شام کے وقت گردن تک زمین میں گاڑ دیا گیا۔ اس خیال سے اس پر پتھر نہ برسائے گئے کہ رات کو سردی اس کا کام تمام کردے گی۔ آدھی رات گذرے ایک ڈاکو نہایت خوب صورت اور تیز رفتار گھوڑے پر سوار ادھر سے گذرا۔ گھوڑا شہزادی کو دیکھ کر ڈرا اور کنی کترا گیا۔ ڈاکو اسی مقام پر گھوڑے کو واپس لے آیا۔ اور اس نے سنا کہ خدا مجھے موت سے ڈر نہیں۔ مگر کیا میں واقعی قصوروار ہوں اور کوئی نہیں تو تو جانتا ہے۔ کیا ایک ناتوان عورت پر ایسی تہمت دھری جائے اور تیری خدائی میں اس بے گناہ کی سرخروئی کا کوئی سامان نہ ہو۔ ڈاکو اندھیرے میں کھڑا یہ الفاظ سن رہا تھا۔ وہ گھوڑے سے اترا۔ ڈاکوؤں کی سی پھرتی سے ساتھ شہزادی کو گڑھے سے نکال اپنے گھوڑے پر لادا اور ہوا ہو گیا۔

گلنار کو جب ہوش آیا تو اس نے ڈاکو سے دریافت کیا۔ آپ کون ہیں۔ اور مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ ڈاکو نے کہا میں ڈاکوؤں کا سردار ہوں۔ تمھاری مصیبت پر میرا دل موم ہو گیا۔ اور اب میں تمھیں اپنے گھر لئے جا رہا ہوں۔ ڈرو مت۔ تمھیں نہایت آرام اور عزت سے رکھوں گا۔ رات کی تاریکی میں گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا چلا جاتا تھا دو گھنٹے میں

ڈاکو ایک مکان پر ٹھہرا۔ شہزادی کو اتارا اور اپنے مکان میں داخل ہوا۔ ڈاکو کی بیوی اس کے استقبال کو دوڑی آئی۔ ایک نوجوان عورت کو دیکھ کر حیران ہوئی کہ ڈاکو آج یہ کیا مال اُڑا لایا ہے۔ پوچھا تو ڈاکو نے کہا "ایک مصیبت کی ماری شہزادی ہے میں اسے موت کے منہ سے نکال کر لایا ہوں۔ اسے اپنا مہمان سمجھو۔ اور اس کی ہر طرح خدمت اور دل جوئی کرو۔"

گلنار ڈاکو کے گھر میں پورے اطمینان سے رہتی اور خدا کی یاد میں اپنا وقت بسر کرتی۔ ڈاکو کے گھر سے اُسے بھی محبت ہو گئی وہ ڈاکو کے بیٹے سے پیار کرتی اور ڈاکو کی بیوی سے اس کی سنگ دلی کے قصے سن کر حیران ہوا کرتی تھی۔ اور اس خدا کا شکر بجا لاتی تھی جس نے ایسے بے رحم ڈاکو کے دل کو ایک بے بس لڑکی کے لئے رحم سے بھر دیا تھا۔ مگر مصیبتوں نے یہاں بھی گلنار کا پیچھا نہ چھوڑا ڈاکو سردار کا ایک حبشی غلام گلنار کو ورغلانا چاہتا تھا۔ کہ ڈاکو کے قیمتی مال سے کبھی کبھار کچھ چرا چھپا کر اس کو دے دیا کرے۔ گلنار اگرچہ بری حالت میں تھی مگر آخر شہزادی تھی، بھلا وہ ایسی بری حرکت پر کیوں کر اُتر آتی اس نے حبشی غلام کو نہ صرف ٹکا سا جواب دیا بلکہ ساتھ ہی خوب ڈانٹا ڈپٹا بھی۔ حبشی تھا بڑا بدمعاش۔ شہزادی کے آنے سے اس کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ اس نے شہزادی سے کہا "اچھا تم نہ مانو۔ ایک دن یہی ڈاکو جو تمھیں سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے۔ تمھارا سر تن سے جدا نہ کر دے تو نام نہیں۔ اتنی کرامت تو تمھیں جلد دکھا دوں گا۔ اور تمھاری اس پرہیزگاری کا مزا بھی تم کو چکھا دوں گا" شہزادی گلنار ایک نالائق غلام کی اُلٹی سیدھی باتیں سُن کر خون کے گھونٹ پی خاموش ہو گئی۔

حبشی غلام ایک رات اٹھا اور ڈاکو کے بیٹے عزیز کے کمرے میں گیا۔ اور ایک سنگ دل قاتل کی طرح اس نے عزیز کو خنجر سے ہلاک کر دیا خون سے لتھڑا ہوا خنجر ہاتھ میں لئے دبے پاؤں

شہزادی کے کمرے میں گیا۔ اور وہ خنجر شہزادی کے تکیے کے نیچے چھپا دیا اور خود اپنے کمرے میں جاکر لیٹ رہا۔ صبح سویرے ہی ڈاکو عزیز کو جگانے گیا۔ عزیز کے قتل کے نظارے سے اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی اس نے دیکھا کہ اس کے کلیجے کا ٹکڑا قتل ہو چکا ہے اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔ ڈاکو کی بیوی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنے رونے سے آسمان کو ہلا دیا۔ بدمعاش حبشی بھی دوڑا ہوا پہنچا اور یہ حالت دیکھ کر اس نے واویلا شروع کی۔ وہ بہت رویا، پیٹا اور چیخا چلایا وہ چلاتا تھا اور کہتا تھا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ کس کا کام ہے تو جب تک اس سے بدلہ نہ لے لوں مجھ پر کھانا پینا حرام ہے، تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا "دیکھیں تو سہی آقا یہ خون کے چھینٹے جو فرش پر پڑے ہیں شاید سراغ لگانے میں امداد دے سکیں۔"

خون کے دھبوں پر چلتا ہوا وہ ڈاکو اور اس کی بیوی کو شہزادی کے کمرے میں لے پہنچا وہ قسمت کی ماری ابھی سوری تھی کمرے میں پہنچتے ہی حبشی نے چلانا شروع کر دیا "میرے مالک اس ڈائن نے تیرے بیٹے کو ہلاک کیا ہے۔ ہائے ظالم تو نے نیکی کا کیا بدلہ دیا" شہزادی کا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ پریشان اور بے زبان دم بخود کھڑی تھی اور بدمعاش حبشی لپک لپک کر اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔

جب شہزادی کے تکیے کے نیچے سے اس نے خنجر بھی نکال دکھایا پھر تو سچ مچ اس نے شہزادی پر تلوار اٹھائی مگر ڈاکو نے اشارے سے اس کو روک دیا۔ حبشی رہ رہ کر تلوار تولتا اور شہزادی کے قتل کو لپکتا تھا۔ ڈاکو نے اس کو کمرے سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ بیوی سے خاموشی کی التجا کی۔ اور دل میں سوچا گلنار پر شبہ کرنا ٹھیک نہیں۔ اس سے پوچھ تو لوں معاملہ کیا ہے؟

(باقی آئندہ پرچے میں)

# ٹکٹ جمع کرنے کے فائدے







## تفریحی اور مالی فائدہ

(از جناب سید نسیم صاحب جامعی)

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ٹکٹ جمع کرنے والوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ ہماری تجویز پر آپ لوگوں نے عمل کیا تو ہم لوگوں کا حلقہ اور بھی بڑھ جائے گا۔ اس لئے ٹکٹ جمع کرنے والے جلد اپنا پتہ پیام تعلیم میں شائع کرائیں۔

جب میں لوگوں کو اپنا مرقع (البم) دکھاتا ہوں یا جب میں کسی سے کوئی بے کار ٹکٹ مانگتا ہوں تو ہمیشہ مجھے ایک سوال کا جواب دینا ہوتا ہے "ٹکٹ جمع کرنے سے فائدہ کیا ہے" مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں سے بھی ایسے ہی سوال کئے جاتے ہوں گے۔ آج میں تمھیں چند فائدے بتاتا ہوں جس سے تم اپنے سوال کرنے والوں کی کچھ تشفی کر سکو گے۔

ٹکٹ جمع کرنے کے اتنے ہی فائدے ہیں کہ دنیا میں لاکھوں آدمی ٹکٹ جمع کرنے کا شغل اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یورپ کی مختلف زبانوں میں اس مضمون پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور سینکڑوں ماہوار اور ہفتہ وار رسالے شائع ہوتے ہیں۔ بچوں کا کوئی ایسا رسالہ یا اخبار نہیں ہوتا جس میں دو تین صفحے اس کے لیے مخصوص نہیں ہوتے۔ ہر ملک میں بڑی بڑی انجمنیں خاص اسی مقصد کے لئے قائم ہیں۔ کہ ٹکٹ جمع کرنے والوں کو ہر قسم کی مدد پہنچائی جائے ان انجمنوں کے ممبر بچے بوڑھے لڑکے، لڑکیاں، مرد، عورت ہر قسم کے لوگ ہیں

اس تفریحی شغل کی اتنی عام مقبولیت کی خاص وجہ یہ ہو کہ اس میں ہر خیال کے لوگ دلچسپی لے سکتے ہیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو دنیا میں لوگوں کا مذاق مختلف ہوتا ہے۔ کسی کو تفریح کا خیال ہوتا ہے کسی کو روپیہ حاصل کرنے کی دھن ہوتی ہے کسی کو خوب صورت تصویروں کا شوق ہوتا ہے کسی کو صرف رنگوں ہی سے دلچسپی ہوتی ہے کسی کو جانوروں سے شوق ہوتا ہے، کسی کو عمارتوں سے۔ کسی کو تاریخ سے دلچسپی ہوتی ہے تو کسی کو جغرافیے سے۔ غرض دنیا میں سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں مختلف مذاق کے لوگ بستے ہیں اور تم کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ ٹکٹوں میں ہر شخص کے مذاق کی چیزیں موجود ہیں۔

آرٹسٹ (مصور) ٹکٹوں میں آرٹ (تصویر بنانے کا فن) کی باریکیاں نکالنے میں غرق رہتے ہیں۔ جغرافیہ داں کو جب کوئی ٹکٹ مل جاتا ہے تو اس ٹکٹ کے بنانے والے ملک کی عام جغرافی حالت ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کرتا ہے۔ ایک مورخ (تاریخ جاننے والا) ٹکٹ ہی کے ذریعے کسی ملک کے اکثر اہم واقعات کی تاریخ یاد کرلیتا ہے۔ جن کو جانوروں سے دلچسپی ہے وہ صرف ایسے ٹکٹ جمع کرتے ہیں جن پر جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں۔ جن کو عمارتوں کا شوق ہے وہ عمارتوں والے ٹکٹ جمع کرتے ہیں اور جن کو روپے سے غرض ہوتی ہے وہ اس لئے ٹکٹ جمع کرتے ہیں کہ جب یہ ٹکٹ کمیاب ہوجائیں گے تو اچھی قیمت پر بیچ دیں گے اور جس ٹکٹ کے جمع کرنے پر آج ایک پیسہ بھی نہیں خرچ ہوا تھا کچھ دنوں کے بعد اسے بیچ کر کچھ روپیے حاصل کرلیں گے۔

لیکن بہت سے لوگ ٹکٹ صرف اس لئے جمع کرتے ہیں کہ بے کار وقت میں خالی ہاتھ نہ رہیں تاکہ دماغ شیطان کا گھر نہ ہوجائے تم کو معلوم ہوگا کہ دماغ کو بے کار چھوڑ دینے سے لڑکوں میں طرح طرح کی بری عادتیں پڑجاتی ہیں۔ آدمی مشغول رہے تو ایسی بیماریاں کبھی

نہیں پیدا ہوتیں۔

یہ ضروری ہے کہ ہر وقت ایک ہی کام کو لگاتار نہیں کرتے رہنا چاہیئے۔ بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر پر کام کو بدلتے رہنا چاہیئے ٹکٹ جمع کرنے کا تفریحی شغل ایسے ہی بے کار وقتوں میں کیا جاتا ہے

جس طرح ہندوستان میں گرمی کے دنوں میں لڑکوں کا میدان میں کھیلنا مشکل ہو جاتا ہے اسی طرح سرد ملکوں (انگلستان جرمنی وغیرہ) میں جاڑے میں بچوں کو کھیل کود میں بہت مشکل ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں تو اتنا بھی غنیمت ہے کہ کچھ دیر صبح اور کچھ دیر شام کو کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے لیکن وہاں تو ہر وقت بادل گھرے رہتے ہیں اور برف گرتی ہے اس لئے بے چاروں کو میدان میں کھیلنا کودنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اس موسم میں ٹکٹ جمع کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے وہ اپنا وقت بے کار ضائع ہونے نہیں دیتے اس کو ٹکٹ جمع کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔

اور پھر جب بہار یعنی گرمی کا موسم آتا ہی تو ان میں سے کچھ لوگ اپنا سرمایہ بیچ دیتے ہیں۔ یا اپنے دوستوں کو دے دیتے ہیں۔ اور اپنا خالی وقت میدانوں میں کھیل کود میں گذارتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس مشغلے کو بھی جاری رکھتے ہیں اور جب کوئی موقع مل جاتا ہے تو اپنا البم بھی درست کر لیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ محنت بھی بے کار نہیں جائے گی جب چاہیں گے اس سے اچھے دام وصول کر لیں گے۔

دنیا کا ایک بہت ہی تجربہ کیا ہوا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کی مانگ بڑھ جاتی ہے تو اس کے مہیا کرنے والے بہت سے پیدا ہو جاتے ہیں اور مانگ کے مطابق چیز بھی مہیا ہو جاتی ہے۔

اب دیکھو کہ جب دنیا میں لاکھوں ٹکٹ جمع کرنے والے ہیں اور مختلف ملکوں اور مختلف جگہوں میں پھیلے ہوئے ہیں تو ہر شخص کے لئے ممکن نہیں کہ اپنی پسند کے مطابق

تمام ٹکٹ جمع کرے اور اس طرح اپنی خواہش پوری کرے ۔ اس لئے اب دو صورتیں ہیں یا تو جو ٹکٹ مفت مل جائے اس پر قناعت کرے یا اللہ نے پیسے دئے ہیں تو پیسے خرچ کرکے حاصل کرے تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ٹکٹ جمع کرنے والوں میں جارج پنجم جیسے بادشاہ بھی ہیں اور ایسے بھی ہیں جو مشکل سے اس پر چار پیسے خرچ کرسکتے ہوں ۔ یورپ اور امریکا میں ۹۰ فی صدی ایسے ٹکٹ جمع کرنے والے ہیں جو دام خرچ کرکے ٹکٹ جمع کرتے ہیں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں جو پیسہ سلیقے اور ہوشیاری سے خرچ کیا جاتا ہے وہ بے کار نہیں جاتا ۔ بلکہ جس طرح بینک میں روپیہ حفاظت سے رہتا ہے ۔ اسی طرح البم میں روپیہ محفوظ ہے ۔ اور جب چاہیں گے البم کو بیچ کر اپنا روپیہ وصول کرلیں گے ۔

## اسے ضرور پڑھو

تمھارے فائدے اور دل چسپی کی خاطر پیامِ تعلیم میں ہر قسم کے مضمون شائع کئے جاتے ہیں ۔ مگر اب یہ کیسے معلوم ہو کہ کون کون سے مضمون تمھیں پسند ہیں کن کن کہانیوں کو تم نے شوق سے پڑھا اور کن کن چیزوں سے تم نے دل چسپی لی ۔ ساتھ ہی کون سی باتیں تمھیں ناپسند ہیں اور کون کون سی نئی چیزیں تم پیامِ تعلیم میں دیکھنا چاہتے ہو یہ باتیں تو ہمیں اسی وقت معلوم ہوں جب تم اپنے خطوں کے ذریعے اپنے دل کا حال بتلاتے رہو چند خاص خاص مضمون مثلاً "انوکھے عدد"، "دلی کی سیر"، اور "ٹکٹ جمع کرنا" کے متعلق تمھارے خط ضرور آئے مگر وہ بہت کم تھے ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں برابر لکھا کرو نہایت بے تکلف، بے جھجک اپنی رائے لکھو ہم تمھارے ان خطوں کو پیامِ تعلیم میں شائع کریں گے اپنے خطوں میں یہ ضرور لکھنا کہ ہمارے مضمون نگاروں میں سے کن صاحب کے مضمون تمھیں زیادہ پسند ہیں اور کون سے مضمون زیادہ دل چسپ ہوتے ہیں ۔ تمھارے خط کا ہمیں انتظار رہے گا ۔

تمھارا ۔ محمد حسین حسان (ایڈیٹر)



# حاضر دماغ بکری

(از عبدالقوی دسنوی)

ایک بکری اپنی لانبی ڈاڑھی ہلاتی کسی گھنے جنگل میں نکل گئی۔ کچھ دیر چرنے کے بعد جب اس نے جنگل کے خونخوار جانوروں کی ہیبت ناک آوازیں سنیں تو اس کی عقل کافور ہوگئی۔ بہت گھبرائی، سوچنے لگی اب تو موت میرے سر پر کھیل رہی ہے۔ مرتے مرتے اللہ کا نام لے کر کوئی ترکیب کیوں نہ کر دیکھوں۔ بس اتنا سوچتے ہی اس کی ہمت بندھی۔ چاروں طرف نظر دوڑائی اچانک اسے زمین پر شیر کے پنجے کے نشان نظر پڑے فوراً اسے ایک ترکیب سوجھ گئی جھٹ اپنی دم ہلائی ان نشانوں کے بیچ میں کھڑی ہوگئی اب وہ بہت مطمئن تھی۔

اتنے میں جنگل محال کے خفیہ پولیس سیار پانڈے (گیدڑ) آپہنچے۔ ایک موٹی تازی بکری کو چپ چاپ کھڑا دیکھ کر پانڈے جی بہت پریشاں ہوئے۔ پھر دل ہی دل میں اپنی خوش قسمتی پر اتراتے ہوئے بولے "کیوں بکری رانی! آج یہاں کیسے؟" بکری نے چٹ پٹ تن کر جواب دیا۔ "دیکھو جن کے پنجوں کے بیچ میں میں کھڑی ہوں۔ انھوں نے مجھے یہاں کھڑا کرکے کہا ہے جب تک میں نہ آؤں یہاں چپ چاپ کھڑی رہنا۔" یہ سن کر اور شیر کے پنجے کے نشان دیکھ کر پانڈے جی نے بکری رانی سے معافی مانگی اور دم دبا کر کھسک گئے اور جاکر چیتے، بھیڑیے، تیندوے کو بکری کے پاس جانے کے لئے للکارا۔ ایک ایک کرکے سب آئے اور ہاتھ ملتے ہوئے واپس گئے

پھر آخر میں ایک شیر گھومتا گھامتا آ پہنچا تب بھی بکری نڈر چپ چاپ کھڑی رہی۔ شیر کو بہت تعجب ہوا، پوچھا "کیوں ری بکری تو اب تک یہاں کیسے بچی رہی؟"

بکری نہایت بے خوفی اور اطمینان سے بولی۔ "مہاراج میں اس وقت آپ کے بچے کی امان میں ہوں۔ کیا مجال کہ کوئی مجھے ستا سکے۔ کئی ڈراونے جانور آئے مگر آپ کے بچے کی امان میں دیکھ کر مایوس ہو کر واپس چلے گئے"

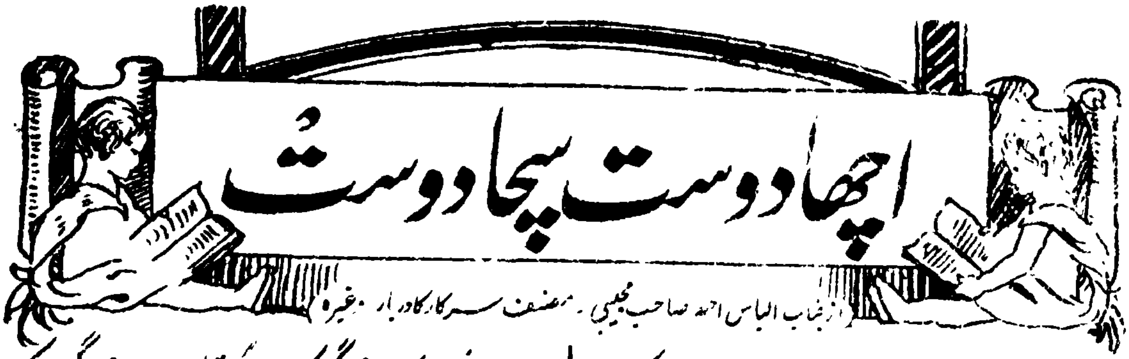
شیر اپنے بچے کی اتنی خوشامد سن کر پھول گیا۔ بکری پر اسے رحم آ گیا۔ بولا "تم بہت دیر سے کھڑی ہو۔ بھوک لگی ہوگی۔ کچھ کھاؤگی؟"

بکری نے دبی زبان سے کہا "سرکار کی جیسی مرضی" شیر نے فوراً ایک ہاتھی کو بلا کر کہا "تم اپنی سونڈ پر بٹھا کر ایسی جھاڑی میں لے جاؤ جہاں ہرے ہرے چکنے ملائم پتے اور میٹھے میٹھے پھل پھول لگے ہوں۔ دیکھو اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔"

بکری نے مطمئن ہو کر شیر کو جھک کر سلام کیا اور ہاتھی کی سونڈ پر سوار ہو گئی۔

نئی نئی پتیاں اور میٹھے میٹھے پھل چکھتے گھنٹوں گذر گئے۔ پیٹ خوب بھر گیا، ہاتھی نے حیران ہو کر پوچھا "کہو بی بکری آرام بھی کروگی" بکری نے کہا۔ "ہاں! ہاں!! نیند آتی ہے چلو۔ جنگل کے باہر کسی بڑے درخت کے سائے میں اتار دو۔ تھوڑا آرام کر کے پھر چلوں گی"!

ہاتھی نے ایسا ہی کیا بکری کو درخت کے سائے میں سلا کر پاس ہی کے تالاب میں پانی پینے چلا گیا۔ تھکا ماندا تھا۔ اس لئے پانی میں بیٹھ کر ٹھنڈانے لگا۔ ادھر بکری نے جھٹ اٹھ کر اپنے گاؤں کی راہ لی۔ بچاری اپنی حاضر دماغی کی وجہ سے بال بال بچی۔　　(ہندی سے ترجمہ)



# اچھا دوست سچا دوست

از جناب الیاس احمد صاحب مجیبی۔ مصنف سرکار کا دربار وغیرہ

دنیا میں جس طرح بھانت بھانت کے جانور رہتے ہیں، آدمی بھی طرح طرح کے بستے ہیں۔ بہت سے اچھے نکلتے ہیں تو بہت سے نیک اور شریف۔ بہت سے خوش نصیب ایسے بھی ہیں۔ کہ ان کے ہزاروں دوست اور ہمدرد ہیں اور اکثر بدنصیب ایسے بھی ہوں گے کہ دنیا میں نہ ان کا کوئی عزیز ہے نہ دوست، وہ انسان تو ہیں مگر بس ایسے انسان ہیں جن کو خدا نے ہاتھ پاؤں دئے ہیں کہ چلیں پھریں، منہ دیا ہے کہ اس سے چلائیں اور پیٹ دیا ہے کہ اسے جیسے تیسے بھر لیں۔ پر ہم سے جو پوچھو تو بات یہ ہے کہ یوں تو چوپائے اور پرندے بھی چر چُگ کے اپنا پیٹ بھر ہی لیتے ہیں۔ مگر وہ آدمی بھی کیا جس کے اپنے گھر یا پرائے اور جس کے دوست، دشمن ہوں۔ بات یہ ہے کہ آدمی بغیر کسی دوست یا شریک اور رفیق کے زندگی کیا بسر کرتا ہے۔ زندگی کے دن کاٹتا ہے۔

آج ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ایک ایسے دوست کا نشان بتائیں کہ اس سے بڑھ کے اچھا اور سچا دوست کوئی نہیں۔ بھلا تم جانتے ہو وہ دوست کون ہے۔ پیارے بچو وہ دوست تمہاری وہ اچھی اچھی کتابیں ہیں جنھیں تم اپنے مہربان اور اچھے استادوں کی مدد اور مشورے سے پڑھتے ہو۔ مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ کتابیں طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ اچھی بھی بُری بھی، بری کتابیں تمہیں اپنے برے سے برے ساتھی سے بھی زیادہ نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ہم نے تمہیں صرف اچھی کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیا ہے۔

ہمارے تمہارے ایک بزرگ (خدا کرے ان کا سایہ ہمارے سروں پر دیر تک سلامت

رہے ہیں مولوی عبدالحق صاحب جنھوں نے ہماری پیاری زبان اردو کی بڑی خدمت کی ہے، اور جو حیدرآباد دکن کی اردو یونیورسٹی[۵۱] میں اردو کے بڑے استاد ہیں، وہ لکھتے ہیں:۔

پڑھنے پڑھنے میں فرق ہے۔ اور کتاب کتاب میں فرق ہے۔ میں ایک بدمعاش اور پاجی آدمی سے باتیں بے تکلفی کرتے ہوئے جھجکتا ہوں اور آپ بھی (میری اس بات کو بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن میں اس سے زیادہ بری اور پاجی کتاب پڑھتا ہوں تو نہ آپ کو برا معلوم ہوتا ہے، اور نہ خود مجھے ایسی شرم آتی ہے۔ بلکہ اس کی بات شربت کے گھونٹ کی طرح حلق سے اترتی چلی جاتی ہے۔ پاجی آدمی کی تو کوئی حرکت ناگوار بھی ہوتی اور میں اس سے بیزار ہو جاتا۔ مگر یہ چپکے چپکے دل میں گھر کر لیتی ہے۔ اور اس کی بات بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اگر میں کسی روز بازار جاؤں اور چوک میں سے کسی (بے جانے بوجھے آدمی) کو ساتھ لے آؤں اور اس سے (کھلے بندوں) دوستی کی باتیں شروع کر دوں اور پہلے ہی روز اس طرح اعتبار کرنے لگوں جیسے کسی پرانے دوست پر۔ تو آپ کیا کہیں گے!؟ لیکن اگر ریل کے کسی اسٹیشن پر ٹھہرتے اور میں اپنی گاڑی سے اتر کے سیدھے کتب فروش کی الماری پر پہنچوں اور پہلی کتاب جو میرے ہاتھ لگے۔ وہ خرید لاؤں اور کھول کر شوق سے پڑھنے لگوں تو شاید آپ کچھ نہ کہیں گے (لیکن اب جو انصاف کی نظر سے دیکھو تو) یہ ....... پہلے سے زیادہ (دیوانہ پن کی بات ہے) اس کے لئے تو (شاید کچھ ایسی بات بنالی جائے) پر اس کے لئے کوئی (بات) نہیں (بن سکتی ہے)۔

میں ایک بڑے آباد شہر یا (جمگھٹ) میں جاتا ہوں۔ کبھی ایک طرف نکل جاتا ہوں۔ کبھی دوسری طرف جا پہنچتا ہوں۔ اور بغیر کسی (اچھی غرض) کے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہوں۔ افسوس ......
...... آدمیوں کی (بہتات) کے رہتے ہوئے) میں وہاں (اپنی جان کو) اکیلا ........... ہی پاتا ہوں اور اتنے بڑے جمگھٹ میں تنہائی کا بوجھ اور بھی (بھاری بوجھل) معلوم ہوتا ہے۔ میرے

---

[۵۱] جامعہ عثمانیہ

میرے کتب خانے میں بیسوں الماریاں کتابوں
کی ہیں۔ میں کبھی ایک الماری کے پاس جا کھڑا
ہوتا ہوں اور کوئی کتاب نکال کر پڑھنے لگتا ہوں
کبھی دوسری الماری میں سے کوئی کتاب اٹھا کر
دیکھنے لگتا ہوں۔ میں اس طرح سینکڑوں کتابیں
پڑھ جاتا ہوں لیکن (جو) میں غور کروں تو دیکھوں
گا کہ میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔ اس وقت میری
آوارہ خوانی مجھے ستائے گی۔ اور جس طرح ایک
بھرے ہوئے شہر میں میری تنہائی میرے لئے
وبال تھی اسی طرح (کتابوں کے ذریعے شریفوں
عالموں، ادیبوں اور شاعروں) میں میں۔
(بس) اکیلا حیران اور پریشان ہوں گا۔"

(بات یہ ہے کہ) بغیر کسی (اچھی غرض کے
پڑھنا (بے فکر) ہی نہیں (برا) بھی ہے (ایک
مشہور انگریزی شاعر) ملٹن نے ایک جگہ کہا کہ
کہ "اچھی کتاب کا گلا گھونٹنا ایسا ہی ہے جیسے کسی
انسان کا گلا گھونٹنا۔" (اس کا مطلب یہ ہے کہ
فضول اور معمولی کتابوں کے پڑھنے میں (اپنا قیمتی
اور پیارا) وقت (گنوانا) ایسا ہے جیسے کسی اچھی

### کتاب کا گلا گھونٹنا

ملٹن نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ (اچھی)
کتاب زندگی ہی نہیں۔ بلکہ ایک بے مثال (و
بے نظیر) چیز ہے۔ اس (بات) میں (ذرا سا بھی
جھوٹ) نہیں۔ ........ (اچھی) کتابوں نے
(انسانوں کے اخلاق اور طبیعتوں) پر بہت بڑا
اثر ڈالا ہے۔ خیالات میں (بڑی شاندار تبدیلی)
پیدا کی ہے۔ قوموں میں ہل چل ...... ڈال
دی اور ملکوں کی کایا پلٹ ........ (کر دی)
ہے۔ اور اچھی کتاب کی یہی نشانی ہے۔"

{ مقدمہ کتاب مشاہیر یونان و روم
مترجمہ مولینا سید ہاشمی، فرید آبادی }

پیام بھائیو! دیکھو تو مولوی صاحب نے
(جنھیں "پیرِ اردو" (یعنی اردو کا بزرگ) کہا جاتا
ہے) کیا ہی پتے کی باتیں بتائیں۔ اچھی اور
بری کتاب کا فرق تم سمجھ گئے ہو گے اور یہ بھی
تم جان گئے کہ پڑھنے پڑھنے میں فرق ہے۔
اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دنیا میں چاہے تمھارا
کوئی بھی دوست اور ملنے والا نہ ہو۔ لیکن اگر تمھارے

پاس کوئی اچھی کتاب ہو اور تم اسے پڑھنے کی طرح پڑھتے ہو یعنی جس طرح کہ اسے پڑھنا چاہئے اسی طرح پڑھو تو پھر تمھیں کسی دوست کی کمی نہ معلوم ہوگی ۔ اور بالکل خالی مکان یا سنسان بیابان میں تمھیں ایسا معلوم ہوگا کہ بھرے پرے خاندان میں یا کسی بڑے ٹھاٹھ اور شان کے جلسے میں بیٹھے ہوئے کسی بڑے زبردست عالم کی اچھی اچھی باتیں سُن رہے ہو جب تم کو کتابیں پڑھتے پڑھتے ، پڑھنے کا شوق ہو جائے گا تو تم آپ ہی آپ لوگوں سے بھاگو گے ۔ اور بس کتابوں ہی کو اپنا دوست بناؤ گے اور میاں سچ تو یہ ہے ۔ اچھی کتاب سے بڑھ کے دنیا میں کوئی اچھا اور سچا دوست ہے بھی نہیں ۔

## اظہر میاں کی کوشش



اظہر میاں کھڑا ہونا چاہتے ہیں

کوشش کرتے ہیں لیکن تھوڑے سے سہارے کی ضرورت ہے

میز کے پایے تک پہنچ جاتے ہیں ۔

اس کامیابی کو غنیمت سمجھ کر میزپوش پکڑ لیتے ہیں ۔

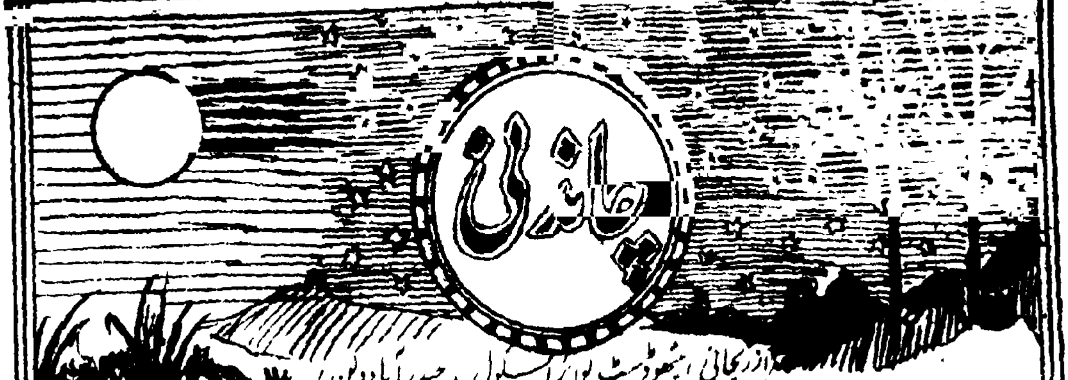


میزپوش کو اپنی طرف کھسکتے دیکھ کر حیرت میں ہیں ۔

آخر مضبوطی سے پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں

ذرا دیر میں میزپوش اور میز کے سب برتن فرش پر آرہے اور وہ اکیلے کھڑے رہ گئے

تعجب میں بیٹھے ہیں کہ میری اس کامیابی پر اماں جان کیوں ناخوش ہیں



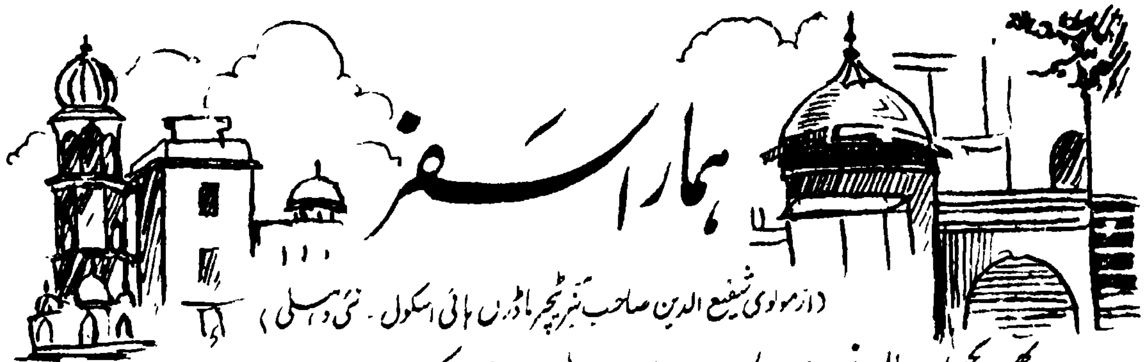

(از ریحانی، میتھوڈسٹ بوائز اسکول، حیدرآباد دکن)

آہاہا چاندنی چھٹکی ہے کیا خوب! ⁂ بدل کر بھیس گویا دھوپ نکلی
زمیں نے اوڑھ لی چاندی کی چادر ⁂ روپہلی ہو گئی دنیا ہماری
کھلا ہے چاندنی کا کھیت کیسا!

ستارے چاندنی کے پھول بن کر ⁂ چمن میں اترتے ہیں ایک ایک کر کے
اگر مل جائے چننے کی اجازت ⁂ تو میں خوش ہوں انھیں جھولی میں بھر کے
کھلا ہے چاندنی کا کھیت کیسا!

کھلاڑی چاندنی میں کھیلتے ہیں ⁂ جمایا ہے کبڈی کا اکھاڑا
اٹھا رکھا ہے سر پر آسماں کو ⁂ زمیں کو ہر طرف ہے روند ڈالا
کھلا ہے چاندنی کا کھیت کیسا!

چڑھوں کرنوں کی سیڑھی سے اب اوپر ⁂ یہ دیکھوں چاند کی بڑھیا ہے کیسی؟
وہ کیوں کر اپنا چرخہ کاتتی ہے؟ ⁂ وہاں ہوتی ہے روئی کس طرح کی؟
کھلا ہے چاندنی کا کھیت کیسا!



# ہمارا سفر

(از مولوی شفیع الدین صاحب نیر ٹیچر ماڈرن ہائی اسکول۔ نئی دہلی)

ابھی پچھلے سال نومبر سنہ ۳۴ء میں ہمارے اسکول کے بچوں نے بڑی دور دور کا سفر کیا۔ سفر کے خیال سے ہی ان بچوں میں کچھ عجیب سرگرمی اور جوش پیدا ہوگیا۔ جن بچوں کے والدین نے انھیں سفر کی اجازت دے دی تھی۔ انھوں نے تو روانہ ہونے کی تاریخ سے پہلے ہی سفر کا سامان ٹھیک ٹھاک کرلیا اور بالکل تیار ہوگئے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو کسی مجبوری سے ہمارے ساتھ سفر میں شریک نہ ہوسکے۔ انھیں اس کا بڑا افسوس رہا۔

۱۴ر نومبر سنہ ۱۹۳۴ء کو سب لڑکے اور بعض استاد۔ رات کو ۱۰ بجے کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ رات بھر آرام سے سوئے۔ دوسرے دن صبح کو کوئی ۱/۲ ۶ بجے ہردوار پہنچ گئے۔ اسٹیشن پر استادوں اور طالب علموں نے مل کر سارا سامان ریل سے اتارا۔ خود ہی اسٹیشن سے باہر بھی لے گئے۔ یہ کام بہت خوشی اور مسرت سے انجام دیا گیا۔ بڑے تو بڑے چھوٹے بچوں تک نے اپنی بساط سے زیادہ ہمت کا ثبوت دیا۔ اسباب ٹھیلوں پر لد چکا تو تمام طالب علم باقاعدہ قطار میں اپنے ٹھہرنے کی جگہ پہنچے۔ ہاتھ منہ دھو کر ناشتہ کیا۔ اور ہردوار کی سیر کو نکلے۔ سب سے پہلے یہاں کا بازار آیا جو عام بازاروں کی طرح تھا، البتہ پیتل اور تنکوں کی چیزیں اور مالاؤں (تسبیحوں) کی دکانیں ذکر کے قابل ہیں۔ بازار سے گذر کر ہم گنگا کے کنارے پہنچے۔ ہردوار اس لئے مشہور ہے کہ مشہور دریا گنگا پہاڑوں کا چکر کاٹتا ہوا اس جگہ میدان میں اپنا سفر شروع کرتا ہے۔ یہ مقام اس لئے بھی مشہور ہے کہ گنگا ہی کے

کنارے ایک مقام ہر کی پیڑی کہلاتا ہے یہاں ہندوؤں کے مشہور بزرگ بھرتری ہری نے خدا کی عبادت میں اپنا وقت گذارا تھا اسی لئے ہندو بھائی یہاں زیارت کے لئے آنا اور غسل کرنا ثواب کا کام سمجھتے ہیں یہیں سے ایک نہر بھی نکالی گئی ہے جو کانپور پہنچ کر پھر گنگا سے مل جاتی ہے۔ اس نہر سے سینکڑوں میل زمین سینچی جاتی ہے۔ ہم بھی گنگا کے کنارے ہر کی پیڑی پر پہنچے۔ یہاں پانی میں بے شمار مچھلیاں جمع رہتی ہیں۔ اور تیرتی ہوئی بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ زیارت کرنے آتے ہیں، وہ آٹے کی گولیاں، مرمرے یا کوئی اور ایسی ہی چیز ڈالتے ہیں۔ مچھلیاں ان چیزوں پر دوڑتی ہیں۔ ان کا اس طرح تیزی کے ساتھ جھپٹنا اور گولیوں وغیرہ کو ہڑپ کر جانا بہت اچھا لگتا ہے۔ یہاں سے ہم لوگ ایک اور مقام پر پہنچے۔ یہ بھیم گوڑا۔ کہلاتا ہے۔ اور ہندوؤں کی بہت مقدس جگہ ہے۔ وقت کافی گذر چکا تھا۔ اس لئے گھر آئے کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا۔ شام کو ساڑھے چار بجے گروکل کانگڑی دیکھنے گئے۔ یہ ہندوؤں کا مشہور کالج ہے۔ کالج کے طالب علموں سے ہمارے لڑکوں نے ہاکی کا میچ بھی کھیلا۔ جو بہت دلچسپ رہا۔

دوسرے دن صبح کو ہم رشی کیش اور لچھمن جھولا دیکھنے گئے۔ دریائے گنگا کے بہاؤ سرسبز پہاڑیوں اور وادیوں کا لطف اٹھانے کی خواہش نے ہم سب میں ایک عجیب قسم کا جوش پیدا کر دیا تھا۔ رشی کیش مہابھارت جی سترگن جی۔ اور لچھمن جھولا۔ لچھمن جی جیسے بزرگوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ان بزرگوں کو اس دنیا میں آئے ہزاروں برس گذر گئے۔ لیکن آج بھی ان کا نیک نام دنیا میں باقی ہے۔ لچھمن جھولا کے قریب ہی ایک اور مقام ہے۔ یہ سورگ آشرم کہلاتا ہے۔ یہاں اب بھی سینکڑوں سادھو اپنا وقت خدا کی عبادت میں گذارتے ہیں۔ یہ سب جگہیں پرانے زمانے میں خدا کی عبادت کے لئے مخصوص تھیں

اور تپو بن یعنی عبادت کا جنگل کہلاتی تھیں اور حقیقت میں ہیں بھی یہ بڑی اچھی جگہیں ۔ سرسبز پہاڑیاں اور دریائے گنگا کا مستانی ادا کے ساتھ بل کھاتے ہوئے بہنا پھر خاموشی اور سکون ، یہ سب چیزیں مل جل کر دل پر ایک خاص اثر کرتی ہیں ۔

رشی کیش ہردوار سے تیرہ میل ہے ، صبح کو ساڑھے سات بجے تین لاریوں میں ہم لوگ روانہ ہوئے ۔ یہاں پہنچ کر سیدھے گنگا کے گھاٹ پر پہنچے ۔ اس جگہ دو چھوٹی چھوٹی دھاریں اصل دریا میں آکر ملتی ہیں اس لئے یہ مقام تربینی کہلاتا ہے ۔ یہاں کا منظر بھی بہت اچھا تھا شفاف پانی بہ رہا تھا ۔ لہروں کے ساتھ سورج کی کرنیں کھیلتی نظر آرہی تھیں ۔ یہاں پانی میں مچھلیوں اور خشکی میں بندروں کی عجیب عجیب حرکتیں دیکھیں دریا میں کچھ لکڑی کے شہتیر بھی بہتے نظر آئے ۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شہتیر دریا کے ذریعے پہاڑوں سے میدان میں کس طرح پہنچتے ہیں ۔ ہزاروں شہتیر اس طرح پہاڑوں سے میدان تک پہنچ جاتے ہیں ۔ دریا سے نکال کر انھیں جمع کیا جاتا ہے اور ریل کے ذریعے دور دور مقامات میں بھیجا جاتا ہے ۔ کبھی کبھی بلکہ اکثر شہتیر کسی پتھر کی وجہ سے رک جاتا ہے تو بہت سے لوگ جن کے سپرد یہی کام ہے شہتیر کو سیدھے راستے پر لگا دیتے ہیں ہیں ۔ کچھ لوگ اسی غرض سے شہتیروں کی کشتی بنا کر دریا میں سفر کرتے ہیں ۔

یہاں کوئی ایک گھنٹہ ٹھہر کر ہم لوگ لچھمن جھولے کی طرف روانہ ہوئے ۔ سڑک بہت خراب تھی اس لئے چلنے میں تکلیف ہوئی ، مگر ہم نے ہمت نہیں ہاری ۔

لچھمن جھولا ، آج کل تو اصل میں ایک پل کا نام ہے جو لوہے کے رسوں پر قائم ہے کہتے ہیں کچھ عرصے پہلے یہاں فقط رسوں کا پل تھا اس پل پر سے گذرنے میں بہت دقت ہوتی تھی بعض وقت تو جان کا خطرہ رہتا تھا ۔ اب اس پل کے بن جانے سے یہ خطرہ دور ہو گیا ہے یہاں خوب لطف رہا ۔ ہم لوگ خوب اچھلے کودے

اور ٹھیلی جگہ پر ٹھیلے وہاں ایک دھرم سالہ میں کھانا کھایا اور گنگا کے کنارے جاکر دیر تک ریت میں کھیلے۔ کچھ بچے ریت کے قلعے بناتے رہے۔ پھر یہاں سے پیدل سورگ آشرم پہنچے۔ راستے میں سادھوؤں کی بہت سی جھونپڑیاں ملیں۔ اب دیر کافی ہوگئی تھی اور ہمیں شام تک اپنے ٹھہرنے کی جگہ یعنی ہردوار پہنچنا تھا، اس لئے کشتی میں سوار ہوکر دریا کے پار اترے اور رات کو سات بجے کے قریب ہردوار پہنچ گئے

تیسرے دن یعنی ۷ ار نومبر کو ساڑھے چار بجے ہمیں ہردوار سے روانہ ہونا تھا اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ہردوار کے آس پاس جو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں انھیں دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ سب لڑکے اور استاد روانہ ہوگئے۔ سب سے پہلے ہردوار کے ایک بازار میں پہنچے۔ یہاں ایک بہت اچھا مندر نظر آیا۔ یہ پتھر کا تھا اور خوب صورت بنا ہوا تھا اس میں کچھ مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں سنگ مرمر کی بنی ہوئی خوب صورت سی گائے بھی رکھی تھی۔ یہاں کچھ دیر ٹھہر کر پھر ہر کی پیڑی پہنچے۔ اس کا حال ہم تم سے پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ سامنے بہت دور پہاڑوں کا منظر اور آگے دریائے گنگا، بس یہی دل چاہتا تھا کہ یہیں بیٹھے بیٹھے دیکھا کریں۔ اور جب تک خوب جی نہ بھر جائے اس وقت تک نہ اٹھیں۔ کچھ دیر تک دریا کی روپہلی لہروں کا لطف لیتے رہے اور دریا کے کنارے کنارے آہستہ آہستہ ٹہلتے تھوڑی دور تک آئے اور پھر بازار میں پہنچ کر کچھ تانگے کرائے پر لئے اور ان میں سوار ہوکر کنکھل پہنچے۔

(باقی آیندہ)

# کوشش کیے جاؤ

(از ماسٹر محمد لطیف احمد صاحب اسلم فنسرایتی ۔ کانگوی ۔ جالندھری)

رابرٹ بروس اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ تھا اس کی ایڈورڈ اول شاہ انگلستان سے کچھ ان بن ہو گئی ۔ چنانچہ دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی ۔ بروس کو پہلی ہی دفعہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ اور اس کی فوج تتر بتر ہو گئی بے چارا بادشاہ اپنی جان بچانے کی خاطر ایک خیمے میں جا چھپا ۔ اس کا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور ہمت ٹوٹ چکی تھی ۔ سوچتا تھا ”الٰہی! کیا کروں ۔ عجیب مصیبت میں گرفتار ہوں“ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک مکڑی اپنے جالے سے جو اس خیمے کی چھت پر تھا ۔ زمین پر گر پڑی ۔ گرتے ہی اس نے اوپر چڑھنے کی کوشش کی مگر بے سود ۔ پھر کوشش کی مگر اب بھی ناکام رہی ۔ دیکھتے دیکھتے وہ اوپر چڑھ گئی ۔

بروس یہ تماشا بڑے غور سے دیکھ رہا تھا ۔ سوچنے لگا ۔ افسوس میں بھی کس قدر کمزور انسان ہوں ۔ اگر میں بھی اس مکڑی کی طرح برابر کوشش جاری رکھوں تو کیا عجب جو انگریزوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤں ۔ چنانچہ وہ اٹھا ۔ بکھری ہوئی فوج کو جمع کیا ۔ بادل کی طرح گرجتا ہوا دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور ان کو شکست دے کر فاتح کی شان کے ساتھ لوٹا ۔

# خط و کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

میں آپ کی خدمت میں ان لڑکوں کے نام اور پتے بھیج رہا ہوں جنھوں نے مجھ سے ٹکٹوں کا مبادلہ کیا کچھ اور نام بھی ہیں جنھیں میں بعد میں بھیج سکوں گا

سید محمد شمیم ۔ جابھی ۔ ڈاک خانہ دستہ ضلع پٹنہ

۱۔ جن لڑکوں نے بھیج کر بیرون ہند کے ٹکٹ منگوائے

عبدالماجد ۔ بذریعہ محمد عبدالعالی اینڈ برادرس ۔ آپٹیشن اور کمیشن ایجنٹس ۔ ۳۹ مدن پورہ بنارس سٹی ۔ محمد سعید بن محمد اولیا مکان ۹۔، محلہ جدید نامپلی حیدرآباد دکن ۔ محمد مجدالدین ۔ برمکان مظہر صاحب کوچہ کپتان ۔ گونا تھ ۔ کنٹہ روڈ حیدرآباد دکن ۔ محمد جعفر برمکان مولوی مرتضیٰ صاحب مرحوم کوچہ جڑنے والا ۔ کنٹہ روڈ حیدرآباد دکن مظہر حسین معرفت مولوی نظیر حسین اینڈ کمپنی صدر بازار متصل ڈپٹی گنج دہلی ۔ سلیمان احمد صدیقی ۔ اسلامیہ اسکول لوئر بازار شملہ ۔ محمد عبدالحئی حبیب اینڈ کمپنی اسٹیشن روڈ ۔ حیدرآباد دکن ۔ محمد عبدالہادی ۱۱-۵-۱ جدید نامپلی ۔ حیدرآباد دکن ۔ حامد حسین حمدی ۔ بذریعہ مولانا محمد حسین محوی لکھنوی ، ۱۱ جنرل پیٹرس روڈ اونٹ روڈ ۔ مدراس ۔ منصور احمد معرفت شیخ محمد احمد صاحب ٹیلر ۔ سوت گولی والا ۔ صدر بازار دہلی سید محمد حسن ۔ بذریعہ سید صدیق حسن صاحب ۱ ۔ بیلی روڈ الہ آباد احسن ، معرفت مسرس ام فضل کریم احسن الٰہی نواب گنج ۔ دہلی ۔

۲۔ جنھوں نے مبادلہ کے لئے ریاست حیدرآباد کے ٹکٹ بھیجے

سید محمد موسیٰ قادری ۔ سید محمد علی قادری ۔ بمکان سید قادر محی الدین صاحب محلہ اردو ۔ پتھر خانہ ، پتھر گٹی ، حیدرآباد دکن ۔ عبدالخالق ۱-۵-۱۱ ، محلہ جدید نامپلی ۔ حیدرآباد دکن ۔ سید نعمت اللہ قادری ۔ بمکان سید زر علی شاہ صاحب محلہ اردو ۔ حیدرآباد دکن ۔

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ السلام علیکم ۔

مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے اور میرے پاس تقریباً ایک ہزار ٹکٹ جمع ہیں ۔ مگر سب ایک صندوق میں ہیں ۔ اگر محمد شمیم صاحب یہ بتا دیں کہ ٹکٹ کون سے اچھے اور البم میں لگانے کے قابل ہیں تو میں ان کا بے حد شکریہ ادا کروں گا فقط

سیف الدین ۔ محمد عبدالحسیب ۔ حیدرآباد دکن ۔

امید ہے کہ جناب شمیم صاحب اس طرف توجہ فرمائیں گے

(ایڈیٹر)

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

کئی روز ہوئے خط لکھا تھا جواب نہیں آیا ۔ میں نے ایک تصویر رنگ بھر کر بھیجی تھی اس کے بارے میں بھی آپنے کچھ نہیں لکھا ۔ مجھے کہانیاں بہت پسند ہیں ۔ ذرا اچھی اچھی کہانیاں چھاپا کیجئے

امام الدین ۔ بہرائچ سائڈ

آپکے خط کا جواب بھی بھیجا جا چکا ہے ۔ تصویر بھیجنے والوں کی فہرست میں آپ کا نام چھپ گیا ہے ۔ اپریل کا پرچہ دیکھئے علیحدہ خط کسی کو نہیں لکھا گیا ہے ۔ ہم کہانیاں ایسی ہی چھاپتے ہیں جو بچوں کے لئے دلچسپ اور مفید ہوں ۔ آپ کیسی کہانیاں چاہتے ہیں

(ایڈیٹر)

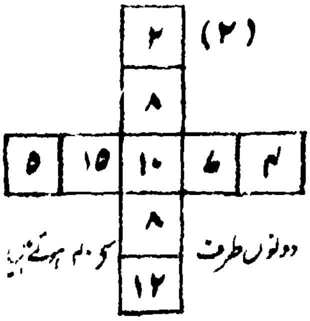
خباب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم
انوکھے عدد کے تین تعویذ روانہ کرتا ہوں اگر آپ کو پسند آجائیں تو پیام تعلیم میں شائع کر دیجئے۔ مہربانی ہوگی ۔ ایک ۱۴ کا ہے دوسرا ۴۰ کا ۔ تیسرا ۳۰ کا ۔

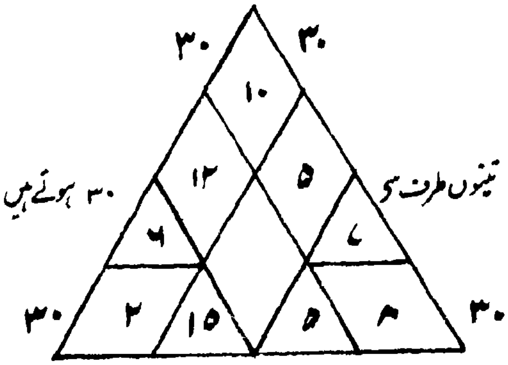
(۱)

| | | |
|---|---|---|
| ۲ | ۸ | ۴ |
| ۷ | ۴ | ۳ |
| ۵ | ۲ | ۷ |

ہر طرف سے ۱۴ ہوتے ہیں

(۲)




شجاعت علی درجہ سوئم، قرول باغ دہلی

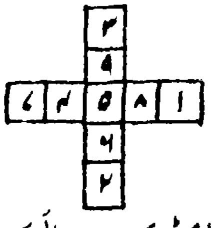
مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ۔ پیام تعلیم
میرے پاس انگلستان، امریکہ، جرمنی، اٹلی، اسپین ہالینڈ کینیا اینڈ یوگنڈا افریقہ Kenya & uganda کے کچھ ٹکٹ ہیں ۔ اور مجھے افغانستان، شام، آسٹریا، ہنگری ترکی روس، بلغاریہ، پولینڈ اور یورپ کی دوسری، چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے ۔ اگر کوئی صاحب مبادلہ کرنا چاہتے ہوں تو اس پتے پر ٹکٹ بھیجیں ۔

ایم فضل کریم ، احسان الٰہی صاحبان
نواب گنج ۔ دہلی ۔

خباب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم
اکتوبر ۱۹۳۴ء کے پیام تعلیم میں رشیدالدین صاحب لاہوری نے اپنے خط کتابت والے مضمون میں بتایا ہے ۔ کہ اگر ۰ر کا ٹکٹ لگا کر آپ کے پاس کوئی مضمون بھیجا جائے تو بیرنگ نہ ہوگا کیا یہ سچ ہے ؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں مطلع فرمائیے کیونکہ اس سے پیام تعلیم میں مضمون بھیجنے والے بھائیوں کے تین پیسے بچتے ہیں ۔ (محمد غوث ۔ حیدرآبادی)

دو پیسے کے نہیں تین پیسے کے ٹکٹ لگانے چاہئیں۔ لفافہ کھلا ہوا ہو اور اس پر لکھا ہو "چھپنے کے لئے"۔ ورنہ خط بیرنگ ہو جائے گا ۔

خباب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم
انوکھے عدد کا ایک نقش بھیج رہا ہوں ۔ دیر بہت ہوگئی ہے ۔ مگر امید ہے کہ آپ شائع کر دیں گے
دونوں طرف سے پچیس ہوتے ہیں ۔




محمد جمیل الرحمن مشن اسلامیہ ہائی اسکول ۔ بدایوں



# پیامِ تعلیم

دہلی

جلد ۱۸ | جون سنہ ۱۹۳۵ء | نمبر ۶

## فہرستِ مضامین



( پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی، جامعہ پریس )

قیمت سالانہ ۱۲؍

# پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

فی پرچہ ۱؍

جناب مولوی سید معین الدین صاحب (علیگ) مہتمم تعلیمات ضلع ورنگل کا خاص طور سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے ضلع کے پچاس ابتدائی مدارس کے لئے پیام تعلیم کی خریداری منظور فرمائی ہے۔ امید ہے کہ محکمۂ تعلیمات حیدرآباد کے دوسرے افسران تعلیم بھی ہمیں اپنی توجہ اور قدر دانی سے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ (مینجر)

| | |
|---|---|
| کلکتہ مسلم ہائی اسکول | کلکتہ |
| حامد اللہ خاں صاحب | میرٹھ |
| گوربخش سنگھ صاحب | سرگودھا |
| ڈاکٹر برکت علی صاحب | سہارنپور |
| مولوی غلام طیب صاحب | اورنگ آباد |
| مصدق الدین احمد صاحب | شملہ |
| سید حسین اشرف صاحب | گیا |
| عبد الرزاق کوکنی صاحب | ڈابھیل |
| مدرسہ تحتانیہ | لوٹن |
| مرزا احمد علی بیگ صاحب | ناندیڑ |
| سید شاہ شرف عالم و منظر حسین صاحبان | بھاگل پور |

# بچوں سے باتیں

ٹکٹوں والے مضمون سے بچے بے انتہا دلچسپی لے رہے ہیں۔ ان کے بے شمار خط اس سلسلے میں آتے رہتے ہیں۔ بہت سے بچوں نے پیام تعلیم کے مضمون دیکھ کر ٹکٹ جمع کرنا شروع کردیئے ہیں اور روز بروز ان کا شوق بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ان سب بچوں میں جنھیں ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے آپس میں دوستی ہو جائے اور خط وکتابت کا سلسلہ جو اب بھی جاری ہے کچھ نہ کچھ اور بڑھ جائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے مفید اور کام کی باتیں معلوم کر سکیں اور ٹکٹوں کے مبادلے میں آسانی ہو۔

---

اس سلسلے میں ہمارے پاس "شاد کمپنی" کے منیجر صاحب نے ایک اطلاع بھیجی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ "شاد کمپنی ہندوستان اور دوسرے قریب قریب تمام ملکوں سے پرانے ٹکٹوں کا کاروبار کرتی ہے ٹکٹ بھیجنے کا اور مبادلے کا دونوں کا انتظام ہے" اگر تم اور تفصیل معلوم کرنا چاہو تو اس پتے پر خط کتابت کرو

منیجر صاحب شاد کمپنی۔ احاطہ خام۔ لکھنؤ

منیجر صاحب نے کوئی پندرہ ٹکٹ بھی ہمارے پاس بھیجے ہیں یہ سب باہر کے ملکوں کے ہیں۔ ہم منیجر صاحب کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ٹکٹ ہم کسی شوقین بچے کے پاس بھیج دیں گے

---

کچھ عرصہ ہوا ہم نے جناب محمد عثمان صاحب صدر انجمن ادبی قندھار (افغانستان) کے پاس بھی ایک خط بھیجا تھا۔ اور ان سے درخواست کی تھی کہ اپنے یہاں کے کچھ ٹکٹ بھیج دیں جناب محمد عثمان صاحب نے ہماری درخواست قبول فرمائی اور کوئی تیس ٹکٹ ہمارے پاس بھیجے ہیں۔ ہم ان کی اس مہربانی کا اپنی اور سب بچوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ٹکٹ بھی ہم کسی شوقین بچے کو بھیج دیں گے

---

قندھار میں مکتب شعلہ ماہ کے استادوں نے انجمن "دربار افغانی" کے نام سے ایک نئی انجمن قائم کی ہے اس کے ماتحت انجمن کے ممبروں سے مضمون پڑھوائے جائیں گے مختلف عنوانوں پر مباحثہ ہوگا اور لوگوں میں علم سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

---

سکرٹری صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ہم نے ایک فٹ بال کلب بھی کھولا ہے اور سب سامان منگوالیا ہے لیکن ہمیں کھیل کے طریقوں، ریفری اور کپتان کے فرائض اور دوسرے قاعدوں سے واقفیت نہیں آپ ہمیں لکھ کر بھیج دیجئے۔

جن بچوں کو اس کھیل سے دلچسپی ہو اور اس کے متعلق تمام باتوں سے واقف ہوں وہ مہربانی فرما کر ہمارے پاس یا قندھار اس پتے پر ضروری قواعد و قوانین لکھ کر بھیج دیں[۵]

منشی منظور محمد خاں الکوزائی سر معلم مکتب شعلہ ماہ قندھار

در راہ چمن۔ بلوچستان۔

---

بچوں کے مضمونوں کے بارے میں ہم نے پچھلے پرچے میں تفصیل سے

---

۵۔ اس کا خیال رہے کہ افغانستان، ایک اونس کا لفافہ ۳۰ میں جاتا ہے۔

لکھا تھا پھر بھی بہت کم بچوں نے اس طرف توجہ کی اب تک ہمارے پاس ان بچوں کے مضمون آئے ہیں ۔ خواجہ ترہبوں پرشاد (عمر ۱۱ سال) حیدرآباد ۔ شرافت حسین بھوپال (عمر ۱۲ سال) مرلی الہ آباد (عمر ۶ سال ۹ ماہ) صباح الدین احمد گیا ۔ (عمر ۱۱ سال) عزیز احمد ۔ گیا (عمر ۱۱ سال ۔ خواجہ ترہبون پرشاد کا مضمون سب سے اچھا ہے اور ان ہی کو پانچ روپے کے انعام کا مستحق قرار دیا گیا ہے ۔ ہم چھوٹے بچوں کے سرپرستوں سے خاص طور پر درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں بچوں سے مضمون لکھوا کر بھیجیں ۔ خواجہ ترہبون پرشاد کو پانچ روپے کی کتابیں بھیج دی گئیں

---

انوکھے عادت والے مضمون سے بچوں کو بے انتہا دلچسپی ہوگئی ہے ۔ ان کے بہت سے خط ہمارے پاس آئے ہیں جن میں اس سلسلے کو جاری رکھنے کی بڑے اصرار کے ساتھ خواہش کی گئی ہے ہمیں افسوس ہے کہ اس مرتبہ ماہر تعلیم صاحب بہت مصروف ہیں اور چند ضروری کاموں کی وجہ سے دہلی سے باہر چلے گئے ہیں ۔ یہ مصروفیت شاید کچھ دنوں تک اور ہے اس لئے دو ایک مہینے وہ پیام تعلیم کے لئے مضمون نہیں لکھ سکتے ۔ اس عرصے میں ہم اور مضمون نگاروں کے اچھے اچھے مضمون شائع کریں گے جو اسی سلسلے میں لکھے گئے ہیں

---

پچھلے پرچے میں ہم نے بچوں سے پیام تعلیم کے مضمونوں کے بارے میں ان کی رائے مانگی تھی اور یہ پوچھا تھا کہ کیا کیا چیزیں وہ پیام تعلیم میں بڑھانا چاہتے ہیں اس سلسلے میں جن لوگوں نے خط بھیجے ہیں ان کے نام یہ ہیں ۔ عزیز احمد ۔ گیا ۔ عثمان الرحمن نوشہ ۔ میرٹھ احمد علی بیگ ۔ ناندیڑ ۔ شام کمار رشیا ورا ۔ سید خلیل احمد ۔ دہلی نماد ۔ میرٹھ ۔ محمد عبدالولی ۔ حیدرآباد ۔ ماسٹر ایم محمد یوسف صاحب احمد پور شرقیہ

اگر گنجائش ہوتی تو ہم ان خطوں کو اگلے پرچے میں چھاپ دیں گے ہم چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ مستقل طور پر جاری رہے بچے پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے لکھ کر بھیجیں ہم ان کی رائے اور خواہش کا خیال رکھیں گے

---

بچوں کو یاد ہوگا کہ رنگ بھرنے کے پچھلے مقابلے میں محمد ابراہیم صاحب اول آئے تھے ۔ ہم نے انعام کی کتابیں انھیں کھام گاؤں کے پتے پر بھیجی تھیں لیکن یہ کتابیں واپس آگئی ہیں ۔ معلوم نہیں کیا بات ہے ۔ شاید پتہ غلط ہو یا ابراہیم صاحب گھر پر موجود نہ ہوں بہرحال ابراہیم صاحب اپنا ٹھیک پتہ لکھ کر بھیج دیں ۔ ان کے پاس کتابیں بھیج دی جائیں گی ۔

---

جامعہ ملیہ کے چھوٹے بچوں کے مدرسے یعنی تعلیمی مرکز نمبر ۱ میں عرصے سے ایک بنک بھی قائم ہے اس بنک پر پچھلے سال مئی ۱۹۳۴ء میں ایک مضمون شائع ہو چکا ہے اس کا نفع ہر سال بڑی چھٹیوں سے پہلے بچوں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے ۔ اب کی پہلی مئی کو نفع تقسیم کیا گیا اس موقع پر تعلیمی مرکز کے بچوں نے ایک جلسہ بھی کیا جس میں جامعہ کے طالب علموں، استادوں کو بھی دعوت دی تھی ۔ پہلے بچوں نے اس بنک کی رپورٹ پڑھی پھر نفع تقسیم ہوا ۔ آخر میں مہمانوں کی شربت اور مٹھائی سے خاطر کی گئی ۔

---

مئی کے رسالے میں رنگ بھرنے کی جو تصویر شائع کی گئی تھی اس کی آخری مدت ۱۵ جون ہے ۔ کئی بچوں نے تصویریں رنگ بھر کر بھیج دی ہیں ۔ دوسرے بچوں کو بھی جلدی کرنا چاہیے تاکہ جولائی کے پرچے میں ہم انعام کا اعلان کر سکیں

# قطب مینار

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

اب تک تم نے شہر دہلی کے اندر کی دو مشہور عمارتوں کی سیر کی۔ آؤ۔ آج ذرا دور دہلی کے باہر چلیں اور قطب مینار کی سیر کرالائیں۔

یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ اصلی پرانی دہلی یہی تھی جہاں قطب مینار بنا ہے یہیں پہلے ہندو راجہ رائے پتھورا حکومت کرتا تھا اور اسی کو سلطان محمد غوری نے فتح کیا تھا۔ پھر فتح کرنے کے بعد یہیں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو گورنر بنا کر واپس چلا گیا تھا۔ قطب الدین کے بعد سلطان شمس الدین التمش دہلی کے بادشاہ ہوئے اور ان ہی نے یہ قطب مینار بنوایا۔

قطب مینار ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے پہلی عمارت ہے۔ اور بلندی کے لحاظ سے ساری دنیا میں مشہور ہے دُور دُور سے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں، اور اس کے اوپر چڑھتے ہیں۔ یہ مینار اتنا اونچا ہے کہ اگر نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی سر سے گر جائے اور اگر اوپر چڑھ کر نیچے نظر ڈالو تو ساری دہلی دور دور تک نظر آتی ہے اور نیچے کے آدمی ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے بالشتئے ہوں۔

کہتے ہیں اس مینار کے پہلے سات کھنڈ تھے۔ کوئی ڈیڑھ سو برس ہوئے جب بڑے زور کی کالی آندھی اور زلزلہ آیا تھا۔ اس وقت اوپر کے دو کھنڈ گر گئے۔ اب صرف پانچ کھنڈ باقی ہیں۔ انگریزوں نے پانچویں

کھنڈ کے اوپر ایک چھتری یا برجی بنوائی تھی بعد میں اُسے اتروا کر نیچے رکھوا دیا گیا ہے۔

مینار اب پانچوں کھنڈ ملا کر کوئی ۲۳۸ گز اونچا ہو گا۔ کہتے ہیں کہ جب ساتوں کھنڈ موجود تھے تو اس کی اونچائی پورے تین سو گز تھی ہر کھنڈ کے ختم پر چاروں طرف ایک خوب صورت برآمدہ بنا ہوا ہے اور سب سے اوپر سنہرا کٹہرا ہے تاکہ جو لوگ اوپر چڑھیں وہ گر نہ جائیں پہلے کھنڈ میں باہر کی طرف کی اوپر سے نیچے تک لکیریں گول اور ایک کمرک کی طرح بنائی ہے۔ دوسرے کھنڈ میں سب لکیریں گول ہیں۔ تیسرے میں سب کمرکی ہیں۔ اور چوتھے، پانچویں کھنڈ سادے ہیں، مینار کے باہر باہر پتھر پر بڑے اچھے اچھے بیل بوٹے کھودے گئے ہیں۔ اور قرآن شریف کی آیتیں ایسی خوب صورتی سے کھودی ہیں جیسے کسی خوش خط لکھنے والے نے کاغذ پر لکھ دی ہوں۔

مینار اندر سے بالکل خالی ہے۔ اور چکردار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اُن کی تعداد پورے چار سو کے قریب ہو گی ان پر اتنے آدمی اترتے چڑھتے ہیں کہ یہ سیڑھیاں بہت کچھ گھس گئی ہیں۔ مینار پر چڑھتے وقت طاقتور سے طاقتور آدمی ہانپنے لگتا ہے۔ سانس پھول جاتی ہے اور جب اوپر پہنچتا ہے تو پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ لیکن جہاں اوپر پہنچے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی۔ تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ اور ذرا سی دیر میں ساری تھکن اُتر جاتی ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ چڑھنے سے زیادہ اُترنا مشکل ہے اُترنے میں پنڈلیاں اور رانیں پھٹنے لگتی ہیں اور کئی کئی دن تک ان میں درد باقی رہتا ہے۔

مینار کے پاس ہی ایک عالی شان مسجد کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں ہیں۔ یہ پرانی دہلی کی جامع مسجد تھی اسے سلطان قطب الدین ایبک نے بنوایا تھا اور بعد کے بادشاہوں نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا تھا لیکن

اب یہ مسجد گر گئی ہے۔ صرف تھوڑی سی دیواریں محرابیں اور ایک دروازہ باقی ہے۔ ان سب پر بہت نفیس بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اور قرآن شریف کی آیتیں کھدی ہوئی ہیں۔

مسجد کے صحن میں ایک لوہے کی لاٹھ ہے۔ یہ لاٹھ بالکل ٹھوس اور ایک سی ڈھلی ہوئی ہے۔ یہ ہندوؤں کے زمانے کی ہے اور اس پر اسی زمانے کی پرانی زبان میں کچھ کُھدا ہوا ہے۔

مسجد کے پیچھے بغیر چھت کا مقبرہ ہے اس میں ایک اونچی سی قبر ہے۔ اسی میں قطب مینار کا بنانے والا سلطان شمس الدین التمش قیامت کی نیند سو رہا ہے۔

مینار کے پچھم کی طرف اور مسجد کے دکھن کی طرف ایک اور ٹوٹا پھوٹا سا مقبرہ ہے۔ اس میں سلطان علاء الدین خلجی کی قبر ہے۔ اسی بادشاہ نے مسجد کے دوسرے طرف قطب مینار کے مقابلے میں ایک اور مینار بنوانا شروع کیا تھا لیکن وہ ابھی تھوڑا ہی سا بن پایا تھا کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا یہ مینار آج بھی ویسے ہی ادھورا پڑا ہے۔ قطب مینار کے دکھن کی طرف ایک بڑا خوب صورت پھاٹک بنا ہوا ہے۔ اس کو بھی علاء الدین خلجی نے بنوایا تھا

اچھا اب تم نے قطب مینار کے آس پاس کی سب چیزیں تو دیکھ لیں اب ذرا اس احاطے سے باہر چلو۔

قطب مینار کے پچھم کو حضرت قطب صاحب کا مزار ہے۔ یہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ شاید تمھیں سمجھنے میں کچھ غلطی ہو اس لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دلی کے پہلے مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک کی قبر لاہور میں ہے یہ مزار تو ایک روشن ضمیر کا ہے جنھیں قطب صاحب کہتے ہیں اور جن کا پورا نام قطب الدین بختیار کاکی ہے۔ یہاں بھی مسلمان زیارت کے لئے آتے ہیں درگاہ کے احاطے میں آخری زمانے کے کئی مسلمان بادشاہوں کی بھی قبریں ہیں

ان عمارتوں کے علاوہ ایک بادشاہ کی دایہ کے لڑکے کا مقبرہ اولیا مسجد شمسی تالاب جھرنا اور پھول والوں کی سیر کی جگہ بھی دیکھنے کے قابل ہے +

# شہزادیِ گلنار

(۲)

(- از جناب پروفیسر عطار احمد صاحب ایم اے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

شہزادی سے پوچھا تو اس نے کہا
میں بے گناہ ہوں۔ آپ کے گھر کی خیر خواہی
میں یہ ظلم مجھ پر میرے پھنسانے کو توڑا گیا ہے
خدا میری بے گناہی پر گواہ ہے اور میری اس
سے عاجزانہ دعا ہے کہ ایک دن میری زندگی
ہی میں آپ پر یہ حقیقت واضح کر دے۔ ڈاکو کو
یقین آگیا کہ یہ کام گلنار کا نہیں ہے۔ مگر ڈاکو
کی بیوی پر بچے کے قتل کا صدمہ بہت زیادہ
تھا۔ اور چوں کہ بظاہر شبہ گلنار پر تھا
ڈاکو کی بیوی نے کہا۔ گلنار کا میرے سامنے
موجود ہونا میری آنکھوں میں کانٹے اور دل
میں نشتر چبھونا ہے۔ یہ کسی صورت میں میرے
سامنے نہیں رہ سکتی۔ ڈاکو نے گلنار سے کہا
اب میں مجبور ہوں۔ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا
ہے کہ عزیز کو کس نے قتل کیا۔ مگر اب تمھارا
یہاں سے رخصت ہو جانا ہی مناسب ہے
یہ لو پانچ سو روپے کی تھیلی وقت بے وقت
کام آئے گی۔"

گلنار نے گردن جھکا کر ادب سے کہا
"اے سردار آپ نے مجھے موت کے منہ سے
چھڑایا۔ میں دل و جان سے آپ کا احسان مانتی
ہوں۔ یہ میری بدبختی ہے کہ عزیز کے قتل کا شبہ
مجھ پر کیا جائے۔ میں جاتی ہوں۔ لیکن آپ
یقین جانیے۔ شریفوں میں نیکی کا بدلہ نیکی ہی
ہوا کرتا ہے۔ اگر میں آپ کی کوئی خدمت
بجا نہ لا سکتی تھی۔ تو آپ پر یہ ظلم ڈھانا مجھے کیونکر

گوارا ہو سکتا تھا۔ وہ خدا جس نے پہلے موت کے پنجے سے بچایا اب بھی میری حفاظت کرے گا۔ خدا کرے ایک نہ ایک دن اس قتل کا صحیح حال آپ کو معلوم ہو جائے۔ آپ کا اس روپے کے لئے بہت بہت شکریہ۔ میں نے بہت دولت دیکھی ہے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔" ڈاکو نے اصرار کیا اور کہا روپیہ ضرور ساتھ لیتی جاؤ۔ روپیہ ہر مشکل کا حل ہے اور تم ایک شریف اور ناتوان لڑکی ہو۔ گلنار روپیے کی تھیلی سنبھال ڈاکو کو آخری سلام کر چل کھڑی ہوئی۔ دن بھر میں دس پانچ کوس چلی شام ہونے کو تھی کہ ایک گاؤں میں پہنچی حیران تھی کہ کیا کرے اور کس کے پاس جائے اس نے جا کر ایک دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ ایک بڑھیا کا مکان تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ گلنار نے کہا۔ بڑی اماں میں مسافر ہوں ابھی یہاں پہنچی ہوں۔ مجھے اپنے یہاں رات بسر کرنے کی اجازت دیجئے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ بیوہ نے کہا بیٹی! آؤ اور اس غریب خانے کو اپنا ہی گھر سمجھو۔ گلنار ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اور بڑھیا کو پیسے دے کر بازار سے کھانا منگوایا اور دونوں نے مل کر کھایا۔ گلنار نے اپنی آپ بیتی سنائی اور کچھ دیر کے بعد پڑ کر سو رہی۔ صبح اٹھتے ہی گلنار بڑھیا کو ساتھ لے کر سامان خریدنے کے لئے بازار کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں ایک جگہ دیکھا کہ بڑی بھیڑ چلی جا رہی ہے سپاہی ایک آدمی کی مشکیں کسے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک شخص اپنا قرض ادا نہیں کر سکا اسی وجہ سے اسے پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ گلنار نے پوچھا اس کا قرض کتنا ہے معلوم ہوا پانچ سو روپے کے قریب ہے۔ گلنار نے پوچھا۔ اس وقت اگر یہ قرض ادا کر دیا جائے تو کیا اس کو رہا کر دیا جائے گا۔ لوگوں نے جواب دیا 'ہاں'۔ گلنار نے فوراً ان لوگوں کو ٹھہرایا۔ اور قرض خواہ کو جو ساتھ ہی تھا گن کر تمام روپیہ ادا کر دیا۔ سپاہیوں نے قرض دینے والے کو آزاد کر دیا لوگ حیران تھے۔ کہ کون

اللہ کی نیک بندی ہے جس نے ایک آدمی کی جان بچائی۔ ہر شخص اسے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہاں تک شہزادی کو بھیڑ چیر کر تیزی سے ایک طرف نکل جانا پڑا۔ شہزادی نے بڑھیا کو سلام کیا اور اگلے شہر کی راہ لی

اب آزاد ہونے والے آدمی نے بڑھیا کو ڈھونڈھ لیا اور پوچھا۔ شہزادی کہاں ہے۔ بڑھیا نے کہا اگلے شہر کو چلی گئی ہے وہ بھاگا بھاگا اسی طرف کو گیا اور شہزادی کو دو کوس پر جالیا اس نے شہزادی کو سلام کیا اور بجائے اس کا شکریہ ادا کرنے کے اس سے لگا پوچھنے۔ آپ کے پاس اور کتنا روپیہ ہے کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مجھ سے شادی کرلیں۔ شہزادی نے اس کو بہت کچھ سخت سست کہا ڈرایا دھمکایا مگر وہ کمینہ اس کا پیچھا ہی نہ چھوڑتا تھا۔ گلنار ایک چشمے کے کنارے ذرا دم لینے کو بیٹھ گئی اب اس بدمعاش کی ذرا شرارت سنئے قریب ہی سمندر میں ایک جہاز کھڑا تھا یہ کے کپتان کے پاس پہنچا اور اس سے کہا میرے پاس ایک ایسی لونڈی ہے جس کے سامنے کوہ قاف کی پریاں پانی بھریں مجھ سے تو وہ شادی کرنے پر رضامند ہوتی نہیں ناچار بیچنے پر تیار ہوں اگر آپ پانچ سو روپیہ دے دیں تو آپ ایسی لونڈی کے مالک بن سکتے ہیں جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ کپتان بدمعاش کے ساتھ ہی چل پڑا اور دور سے گلنار کی ایک ہلکی سی جھلک ہی دیکھ کر اس نے بدمعاش کو پانچ سو روپیہ دے دیا بدمعاش تو سر پر پاؤں رکھ کر اپنے گھر کی طرف بھاگا اور کپتان گلنار کے پاس پہنچ کر کہنے لگا:۔

"لے چاند کے ٹکڑے جو آسمان سے زمیں پر اُتر آیا ہے۔ میں نے تجھے چاندی کے عوض خریدا ہے۔ مگر جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ میری اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ تیرے جیسی عورت میرے ہاتھ آئی۔ آ جہاز پر چلیں اور تو میرے ویران

اور اندھیرے گھر کو آباد اور روشن کریں۔
گلنار بڑی ہی تکلیف اور بے تابی سے یہ باتیں سن رہی تھی۔ جھلا کر بولی "پاگل نامراد کون مردود مجھے بیچنے اور کون گدھا مجھے خریدنے والا ہے۔ تم کیا بک بک کر رہے ہو!"

کپتان تھا آخر سپاہی آدمی چمک کر بولا، "دلیری، تمہارا بیچنے والا وہ اپنے دام لئے جا رہا ہے۔ چلو" یہ کہتے ہی اس نے گلنار کو اٹھا کاندھے پر لادا اور جہاز کا رُخ کیا گلنار چیخی چلائی۔ مگر کپتان نے اسے جلدی سے جہاز پر ڈال دیا اور لنگر اٹھا جھٹ پٹ جہاز کو چلا ہی تو دیا، شہزادی کی پریشانی کا اندازہ کرو ایک وحشی آدمی کے پنجے میں گرفتار رہنے اور اپنی رہائی کی کوئی امید نہیں کپتان تو گلنار کو ایک زر خرید لونڈی سمجھتا تھا اس نے سبھی جتن کئے مگر گلنار کی پیشانی کا ایک بل بھی کم نہ ہوا۔ آخر کار کرنا خدا کا کیا ہوا۔ ایک دن سخت طوفان آیا اور جہاز لگا بیچ سمندر میں تھپیڑے کھانے اور مسافر لگے کلمہ پڑھ، پڑھ کر خدا کو یاد کرنے

طوفان دم پر دم بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ جہاز غرق ہو گیا اور سب مسافر بھی ڈوب گئے مگر شہزادی اور کپتان علیحدہ علیحدہ تختوں پر سوار بہے چلے جاتے تھے شہزادی تو دو چار گھنٹے کی مصیبت کے بعد ایک مقام پر کنارے جا لگی اور کپتان بہتے بہتے اس مقام سے دور کسی دوسرے شہر جا پہنچا۔

گلنار جس جزیرے کے کنارے پہنچی اس کا نام لطیف آباد تھا وہاں زیادہ آبادی عورتوں کی تھی اور ملک کا سارا انتظام بھی عورتوں ہی کے ہاتھ میں تھا۔ جس دن گلنار ٹوٹے پھوٹے تختے پر ساحل کے قریب پہنچی جا رہی تھی اس دن بہت سی عورتیں ایک تہوار منانے سمندر کے کنارے جمع تھیں ان میں سے چند ملکہ کے حکم سے گلنار کو اپنی کشتی میں کنارے تک لے آئیں بہت سی عورتیں گلنار کے اردگرد جمع ہو گئیں۔

اور طرح طرح کے سوالات پوچھنے لگیں ملکہ نے سب کو منع کر دیا۔ گلنار کو کھلایا پلایا اور اچھے اچھے کپڑے پہنوائے۔ جب اس کی طبیعت بحال ہوئی تو کہا اچھی بیٹی۔ اب تم اپنی داستان سناؤ۔ شہزادی گلنار نے ایک غم بھری آپ بیتی شروع سے آخر تک سنائی۔ ملکہ نہایت خوش ہوئی شہزادی کو پیار کیا اور کہا اچھی بیٹی! مردوں کی مجلس اس لائق نہ تھی کہ تم اس کی زینت بنتیں اچھا ہوا تم یہاں آگئیں۔ اطمینان سے رہو اس ملک میں عورتوں کی بادشاہت ہے یہاں تم کو نابکار مرد ستا نہیں سکیں گے۔

# اہم اعلان

خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کے نئے خریدار دن پر دن بڑھ رہے ہیں پھر بھی ان کی رفتار اتنی تیز نہیں ہے جتنی کہ ہم چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم اعلان کرتے ہیں کہ پیام بھائیوں میں سے جو صاحب ایک مہینے میں پیام تعلیم کا ایک خریدار دیں گے انھیں جناب سعید انصاری صاحب کی کتاب بچوں کے اسمٰعیل انعام میں دی جائے گی اس کے علاوہ جو صاحب مہینے میں سب سے زیادہ خریدار دیں گے انھیں پانچ روپے کی کتابیں دی جائیں گی۔ سب سے زیادہ سے مراد یہ ہے کہ تین سے زیادہ ہوں۔ صرف تین خریدار دینے والے بھائی اس مقابلے میں شریک نہ ہوسکیں گے ہمیں امید ہے کہ اس اعلان کو دیکھتے ہی سب بچے اپنی اپنی کوششوں میں لگ جائیں گے۔ دیکھیں کون اس مقابلے میں اول آتا ہے۔

(مینیجر)

# گرمی اور جنگل

(از جناب مولینا محوی صدیقی صاحب۔ لکھنوی، مدراس)

دھوپ جیسی سخت ہو اب کے پڑی ؛ تھی کہاں پچھلے برس ایسی کڑی
ایسی گرمی تو نہ دیکھی تھی کبھی ؛ چند ہی دن میں یہ کیا حالت ہوئی
خشک ہیں تالاب چشمے اور جھیل ؛ پانی ملنے کی نہیں کوئی سبیل
ندیاں سوکھی ہیں نالے خشک ہیں ؛ کھیت اور باغوں کے تھالے خشک ہیں
سوکھ کر کانٹا ہوئے ہیں جانور ؛ ہے بلا کی پیاس، گرمی کس قدر
جانور چرنے کو جائیں اب کہاں ؛ گھاس کا باقی نہیں نام و نشاں

اب تو ہے چٹیل زمیں اکثر جگہ ؛ زرد ہے وہ دوب جو تھی ہر جگہ

ہر طرف سوکھی پڑی ہے بس زمیں ؛ پانی جنگل میں کہیں ملتا نہیں

ہو گئی ہیں شق زمینیں جابجا ؛ ان دنوں وہ زور گرمی کا ہوا

جل رہے ہیں دھوپ کے مارے پہاڑ ؛ تپ رہے ہیں آگ سے سارے پہاڑ

دیکھیے ملتی ہے کب اس سے پناہ ؛ ہو گئے گرمی سے پتھر کیا سیاہ

جل گئے گرمی سے سب پودے ہرے ؛ اب نہ ہریالی نہ گل بوٹے رہے

خشک ہے جس شے پہ پڑتی ہے نگاہ ؛ ہو گئی جنگل کی سرسبزی تباہ

اڑتے ہیں طائر تو جل اٹھتے ہیں پر ؛ ڈھونڈتے ہیں چھاؤں سارے جانور

ہو گئی کتنی ہی بے جاں دھوپ سے ؛ چھپتی ہیں پتوں میں چڑیاں دھوپ سے

یا خدا دے جلد گرمی سے نجات

دن نہ کٹتا ہے نہ اب کٹتی ہے رات

# ٹکٹ جمع کرنے کے فائدے

(از جناب سید محمد شمیم صاحب جائسی)

پچھلے مضمون میں شمیم صاحب نے اس سوال کا جواب دیا تھا کہ ٹکٹ جمع کرنے سے کیا فائدہ ہی اس سلسلے میں انھوں نے بہت سی باتیں بتائی تھیں۔ مثلاً یہ کہ یہ مشغلہ ہی ایسا ہی جس سے ہر شخص دل چسپی لے سکتا ہی۔ یا خالی وقت میں اور اس وقت جب کہ میدان میں کوئی کھیل نہ کھیلا جا سکتا ہو یہ سب سے دل چسپ مشغلہ ثابت ہوا ہے۔ پھر مالی فائدہ بھی ہی۔ ان ہی سب باتوں کی وجہ سے یورپ میں بڑوں یا بچوں کا شاید ہی کوئی اخبار یا رسالہ ہو جس میں ایک آدھ صفحہ ٹکٹوں کے لئے مخصوص نہ ہو۔ اور یہی وجہ ہی کہ بادشاہ سے لے کر غریب تک "ٹکٹ جمع کرنے والوں میں شامل ہیں۔ آخر میں انھوں نے وہی بات بتائی ہی کہ البم میں جو روپیہ لگتا ہی وہ ایسے ہی محفوظ ہی جیسے بنک میں جب چاہو وصول کرلو۔ اس مضمون میں انھوں نے کچھ ٹکٹوں کا بھی حوالہ دیا ہی۔ افسوس ہی کہ یہ ٹکٹ غلطی سے اپریل کے پرچے میں شائع ہوگئے اس لئے اس مضمون کو پڑھتے وقت مارچ کا پرچہ بھی اپنے پاس رکھ لو۔ (اڈیٹر)

اب جب ٹکٹ خریدنے والے موجود ہیں تو دکانوں کے پیدا ہونے میں کیا دیر تھی سینکڑوں دکانیں ایسی کھل گئی ہیں۔ اور ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو ردی ٹکٹ بیچنے کا کاروبار کرتے ہیں چونکہ اس تجارت میں بہت بڑی دکان کی ضرورت

نہیں۔ بلکہ اس کے کاروبار سے اچھی طرح واقفیت کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگوں نے صرف تفریح کے لئے اس کام کو شروع کیا تھا۔ آگے چل کر جب انھیں تمام باتیں معلوم ہوگئیں تو اس کی تجارت شروع کردی۔ چند سال ہوئے دلی میں ایک ایسے ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی تھی جو ٹکٹوں کی تجارت بھی کرتے تھے اور شہر میں مطب بھی۔

اس وقت دنیا میں سب سے مشہور اور مستند (اعتبار کے لائق) دکان لندن میں مسرس سٹینلی گبن لمیٹڈ کی ہے۔ یہ بہت پرانی دکان ہے اور لاکھوں روپے کا کاروبار ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بھی ٹکٹوں کی تجارت کرنے والے بہت سے لوگ ہیں چند دکانیں بھی ہیں۔ ان دکانوں میں کلکتہ کی سٹی سٹامپ اینڈ کوائن کمپنی کافی مشہور ہے۔

آج کل پرانی کتابوں پرانی تصویروں کی طرح پرانے ٹکٹوں کی بھی بہت مانگ ہے اور ان کی بڑی بڑی قیمتیں ہوتی ہیں۔ پرانے ٹکٹوں میں جو جس قدر زیادہ کمیاب ہوتا ہے اسی قدر اس کی قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے مارچ کے پیامِ تعلیم میں تم نے دو ٹکٹوں کی تصویروں کو دیکھا ہوگا۔ جن کی قیمت تقریباً دو ہزار سے اوپر تھی۔ دنیا کا سب سے قیمتی ٹکٹ برٹش گائنا کا ۱۸۵۶ء کا ایک سنٹ کا ٹکٹ ہے۔ جو سات ہزار پونڈ یعنی تقریباً ایک لاکھ روپے میں بکا تھا۔ اگرچہ سب پرانے ٹکٹوں کی قیمت اتنی نہیں ملتی پھر بھی چالیس پچاس برس پرانے ٹکٹوں کی قیمت اکثر و بیشتر ۳۰ یا ۴۰ پونڈ یعنی چار یا پانچ سو روپے ہوتے ہیں۔

دور کیوں جاؤ۔ خود اپنے ہندوستان اور اس کی ریاستوں کے ٹکٹوں پر نظر ڈالو۔ اور دیکھو کہ پرانے ٹکٹوں کی قیمت کیا ہوتی ہے۔

جولائی ۱۸۵۲ء میں یعنی آج سے ۸۳ برس قبل جب ہندوستان میں پہلی

بار ٹکٹ جاری ہوا تھا، اور ہمارے بزرگوں نے وہ دو پیسوں میں خرید کر لفافوں میں چپکایا ہوگا۔ وہ آج اگر تمھیں مل جائے تو تمھیں اس کے نہایت آسانی سے پانچ سو روپے مل جائیں گے۔ اور اگر وہی ٹکٹ SCARLET سرخ رنگ کا ہو تو اس کی قیمت ساڑھے سات سو روپے ہو جائے گی۔

(دیکھو تصویر نمبر ۲) جیسے ٹکٹ ۱۸۵۴ء میں جاری ہوئے تھے ان کے استعمالی نمونے تو اب کمیاب ہیں لیکن غیر استعمالی ٹکٹ جو صرف دو پیسے میں خریدا گیا ہوگا۔ اب اس کی قیمت تقریباً ڈیڑھ سو روپے ہوگی۔ اسی زمانے کے چار آنے والے ٹکٹ (تصویر نمبر ۳) کے جوڑے کی قیمت تقریباً [illegible]ھ سو روپے ہے اور ایک کی قیمت تقریباً ایک سو پچاس روپے

یہ کوئی ضروری نہیں کہ ٹکٹوں کی قیمت زیادہ ہونے کے لئے چالیس پچاس برسوں کا انتظار کیا جائے۔ بہت سے ٹکٹ ایسے ہیں جن کی قیمت چند ہی برسوں میں اصلی قیمت سے دس اور بیس گنا ہو گئی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ قیمتیں ٹکٹوں کی قدامت پر منحصر نہیں بلکہ ان کی کمیابی پر۔ چونکہ پرانے ٹکٹ کمیاب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ ۱۵ برس قبل مالٹا میں جو ٹکٹ ۱۵ شلنگ میں ملتا تھا اس کے تین ٹکٹ ایک ساتھ کے اب ۶۰ پونڈ یعنی ۹۰۰ روپے میں ملتے ہیں۔ جبرالٹر پوسٹ آفس میں جو ٹکٹ کچھ دنوں قبل ۸ شلنگ میں ملتا تھا وہی ٹکٹ لندن میں ۱۰ پونڈ یعنی تقریباً ڈیڑھ سو روپے میں بکا ہے۔

بہت سے ٹکٹ ایسے ہیں جن کو پبلک نے پسند نہ کیا یا کوئی اور وجہ ہوئی جس کی بنا پر ڈاک خانہ نے ان ٹکٹوں کو بند کر دیا یا وہ ٹکٹ ایک مخصوص مدت کے لئے جاری کئے گئے تھے جیسے یادگاری ٹکٹ تو ان کی قیمت تھوڑے دنوں میں بہت زیادہ

ہو جاتی ہے۔

۱۸۵۴ء میں ہندوستان میں ۔
۲ پیسے والا ٹکٹ جاری ہوا تھا۔ تھوڑے
ہی دنوں کے بعد وہ ٹکٹ بند کر دیا گیا
کچھ دنوں کے بعد اس ٹکٹ کے استعمالی
ہونے کی قیمت ڈھائی روپے اور تین روپے
ہو گئی ۱۹۱۱ء یا ۱۹۲۲ء کے درمیانی
زمانے میں ۲½ آنے کا ٹکٹ تصویر نمبر ۵
کے مطابق جاری ہوا تھا لیکن کچھ دنوں کے
بعد وہ بند کر دیا گیا اور اس کی جگہ پر موجودہ
قسم کا ٹکٹ جاری کیا گیا اب اس ٹکٹ
کی قیمت ۱۲ر ہو گئی ہے۔ ہندوستان کے
ٹکٹوں میں عموماً آبی نشان صرف ایک
ہر ٹکٹ میں ہوتا ہے لیکن ۱۹۲۶ء سے
۱۹۲۹ء تک میں ایک کے بجائے کئی
ستارے تھے اس وجہ سے ایسے
آبی نشان والے ۲ر اور ۴ر والے استعمالی
ٹکٹوں کی قیمت ۴ر اور ۶ر ہو گئی ۱۹۳۱ء
میں نئی دلی کے افتتاح کے وقت جو کچھ
ٹکٹ جاری ہوئے تھے (۔ر، ۱۰ر، ۲ر،
۱ر، ۲ر، ۳ر، ۵ر) اور جو ڈاک خانے
کی مہر لگ جانے کے بعد بیکار ہو گئے
تھے وہی ٹکٹ صرف چار برس کے بعد
اب ۵ اور ۶ میں فروخت ہوئے ہیں
۱۹۲۹ء میں لندن میں پوسٹل یونین
کانگرس کی یادگار میں جو چار ٹکٹ جاری۔
ہوئے تھے۔ اب ان میں سے ہر ایک کی
قیمت اپنی اصل سے دوگنا ہو گئی ہے۔

ان تمام مثالوں سے یہ بات صاف
ظاہر ہے کہ اگر سلیقے سے کام کیا جائے تو
ٹکٹ جمع کرنے میں جو وقت اور پیسہ خرچ
کیا جاتا ہے۔ وہ بیکار نہیں جاتا ہے۔
بلکہ گویا یہ ایک طرح کی کفایت شعاری
اور روپیہ پیسے کو بچانے کی عادت
ڈالتی ہے۔

اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ بتانا
باقی ہے۔ لیکن اب تم تھک گئے ہو گے
اس لیے ختم کرتا ہوں اور آئندہ بتاؤں گا

# نڈر

سید محمد ٹونکی صاحب بی اے جامعہ مسلم یونیورسٹی ۔ علی گڑھ

ابراہیم اور احمد اپر برج روڈ پر ٹہل رہے تھے کہ ایک دم ابراہیم ایک طرف ہٹا اور کہنے لگا دیکھو تو یہ موٹر چلانے والا ۔ کیسا ناسمجھ ہے کہ اس جگہ اتنی تیز موٹر لے جا رہا ہے اگر موٹر گر پڑے یا ٹکرا جائے تو کیا ہو۔ موٹر ٹوٹ جائے ۔ خود اس کے چوٹ لگے اور ممکن ہے مر بھی جائے

احمد :۔ یہ تو ٹھیک ہے اس جگہ اس کو موٹر اتنی تیز نہیں چلانی چاہیے ۔ کیوں کہ یہاں آدمی چلتے پھرتے رہتے ہیں ۔ لیکن یہ تو کچھ بھی تیز نہیں چلا رہا ۔ بن چلے اور نڈر لوگ اس سے بہت تیز موٹر لے جاتے ہیں ۔ اکثر گر بھی پڑتے ہیں ۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ موٹریں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں ۔

ابراہیم :۔ چوٹ آتی ہے نقصان ہوتا ہے موٹریں ٹوٹتی ہیں اور پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے ، ان کو ڈر نہیں لگتا ۔

احمد :۔ ابراہیم ہم نے سنا ہے کہ بڑے بڑے لوگ ڈرتے نہیں ۔ جو لوگ ذرا ذرا سی بات سے ڈرتے ہیں وہ کچھ کام نہیں کر سکتے ۔ جو نڈر ہوتے ہیں وہی بڑے ہو جاتے ہیں ۔

ابراہیم :۔ اچھا تو آپ یہ کہہ رہے تھے کہ کچھ لوگ اس سے بہت تیز موٹر لے جاتے ہیں مجھے کسی کا حال بتائیے

**احمد**:۔ دنیا میں جگہ جگہ موٹروں کی دوڑ ہوتی ہے۔ ان میں دو زیادہ مشہور ہیں ایک لامانس (فرانس) اور دوسری انڈیاناپولس (امریکہ)

لامانس کی دوڑ تمام دن اور تمام رات رہتی ہے۔ اس دوڑ میں ایک مرتبہ پانچ موٹریں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ٹکرائیں اور بہت زور سے ٹکرائیں۔ سورج غروب ہو گیا تھا۔ اندھیرے میں راستہ ٹھیک نظر نہیں آ رہا تھا کہ ایک فرانسیسی نے اپنی موٹر ایک تاریک اور بے ڈھب کونے پر تیزی سے موڑی۔ مڑتے ہی ٹوٹ گئی۔ اس کے پیچھے والے نے بچنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ بچ سکا اور کھائی میں جا پڑا۔

ان ہی ٹوٹی ہوئی گاڑیوں کے پیچھے ایک اور آ رہی تھی۔ موٹر والے نے گاڑی کو روکنے کے لئے بریک پر پاؤں مارا لیکن اس کی گاڑی ٹکرائی اور دوسری گاڑیوں پر چڑھ گئی اور اس طرح چڑھی کہ اس کا اگلا حصہ ہوا میں اُٹھ گیا۔ کچھ ایسا ہی حشر اور دو گاڑیوں کا ہوا جن کو ان کا حال معلوم نہ تھا اور تھوڑی دیر میں ٹوٹی ہوئی گاڑیوں کا ڈھیر لگ گیا۔

انڈیاناپولس کی دوڑ پانچ سو میل کی ہوتی ہے۔ وہاں گاڑیاں ٹکرائیں اور اس سے بھی عجیب طریقے سے ٹوٹیں۔ اور وہ اس طرح کہ ایک گاڑی والے نے اپنی موٹر کو زیادہ پھیر دے کر موڑا گاڑی کی رفتار اتنی سست ہوئی کہ اس کا پچھلا حصہ پچھلی گاڑی سے لڑ گیا۔ اس ٹکر سے پچھلی گاڑی بڑی وحشت سے آگے بڑھی اور قبل اس کے کہ چلانے والا اس کو قابو میں لا سکے۔ دوسری گاڑی آ کر ٹکرا گئی۔ اس کا چلانے والا پیچھے کی گاڑی سے بچانا چاہتا تھا لیکن اس کوشش کا نتیجہ خراب نکلا دونوں گاڑیاں اس زور سے ٹکرائیں کہ ایک کا پہیا الگ ہو کر اُڑتا چلا گیا۔

یہ چاروں گاڑیاں تقریباً سو میل کی رفتار سے جا رہی تھیں۔ جب یہ چلانے والوں کے قابو سے نکل گئیں تو آنے والی پانچویں گاڑی

کے بچنے کے لئے کوئی موقع نہ تھا۔ چنانچہ وہ بھی اسی طرح ٹکرائی، ان پانچوں گاڑیوں کا یہ نقصان وہ انجام صرف آدھ منٹ میں ہوا۔ لیکن اس لڑنے، ٹکرانے اور ٹوٹنے پھوٹنے کے باوجود ہر گاڑی کا چلانے والا محفوظ تھا۔ صرف ایک شخص کی کلائی میں موچ آئی، لامانس کی دوڑ میں بھی صرف دو آدمیوں کی پسلیاں ٹوٹی تھیں۔

ابراہیم:۔ صرف آدھ منٹ میں پانچ گاڑیاں ٹکرائیں۔ پہیا ہوا میں اڑا۔ اور کوئی شخص بھی نہ مرا۔ یہ کیسے ہوا۔

احمد:۔ موٹر والے نڈر تھے۔ جب موٹریں ٹکرائیں تو وہ گھبرائے نہیں۔ اسی لئے بعض تو بالکل بچ گئے اور جن کے چوٹ بھی آئی وہ بھی کم۔ اگر بدحواس ہو جاتے تو کبھی نہ بچتے۔ اور یقیناً بری طرح زخمی ہوتے اور شاید مر بھی جاتے۔ یہ حادثات کوئی انوکھے نہیں۔ ایسی ٹکریں بہت سی ہوئی ہیں۔ جن میں فولادی پرزے اس طرح اڑ گئے گویا کاغذ کے پھول ہیں۔ کبھی پہیے دھروں میں سے نکل کر دور تک چلے گئے لیکن چلانے والوں کے آنچ بھی نہیں آئی۔ چنانچہ بوزفلینی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس کی گاڑی ایک سو دس میل فی گھنٹے کی رفتار سے جا رہی تھی۔ کہ یکایک قلابازی کھا گئی اور اس کا پہیا نکل پڑا۔ مگر بوزفلینی بچ گیا۔ اور فوراً دوسری گاڑی لے کر روانہ ہو گیا۔

آئرلینڈ میں دوڑ ہوتی ہے۔ جو ٹورسٹ ٹرافی کے نام سے مشہور ہے۔ اس دوڑ میں سمسٹر نامی ایک شخص نے حصہ لیا۔ دوڑتے دوڑتے ایک بے ڈھب کونا آگیا۔ سمسٹر نے اس کا غلط اندازہ لگایا جس سے اس کی گاڑی دائیں کنارے سے ٹکرائی اور قابو سے باہر ہو گئی۔ وہ کچھ اس زور سے لگی تھی کہ سڑک کے اس پار گری جہاں اس نے ایک اور ٹکر کھائی اور پھر اچھل کر جھاڑیوں کے دوسری طرف کھیت میں گری اور ٹھہر گئی۔ بھلا اس کے بعد سمسٹر کے بچنے کی کون امید کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اور

اس کا مستری دونوں بچ گئے۔ اور کسی کے بھی چوٹ نہ آئی۔

ابراہیم:- یہ تو بہت ہی تعجب انگیز ہے۔

احمد:- ہاں یہ تو تعجب کی بات ہے لیکن دوڑ میں حصہ لینے والے لوگ نڈر تھے ورنہ بچتے نہیں۔ اور ان ہی پر موقوف نہ تھا جہاں جہاں دوڑ ہوتی ہے حادثات پیش آتے ہیں۔ دوڑ بُرک لینڈز میں بھی ہوتی ہے جو دو بری بارہ گھنٹے کی دوڑ کہلاتی ہے۔ اس دوڑ میں گاڑیاں بارہ بارہ گھنٹے تک دو دن متواتر دوڑتی رہتی ہیں ۱۹۳۰ء میں گاڑیاں لڑیں۔ اور پہلے دن کے آخری گھنٹے میں لڑیں۔ اس وقت موٹروں کی رفتار بہت تیز تھی۔ تاکہ رات سے پہلے زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کرلیں۔ اس ہوس میں گاڑی جنگلے سے لگ گئی اس پر اس کا بریک دبایا تو وہ اچھل پڑی۔

دو اور گاڑیاں بہت تیزی سے جا رہی تھیں۔ دونوں برابر برابر جا رہی تھیں، دوڑ میں پہلے تو پہیے لڑے اور پھر گتھ گئے۔ اب تو گاڑیاں بہت تیزی سے گھومنے لگیں اور ٹائر میں سے شور پیدا ہوا۔ اس کش مکش میں ایک گاڑی راستے کے کنارے سے لڑی اور جنگلے میں سے اوندھ گئی اور اس کے پہیے ہوا میں تھے اور نیچے جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ٹھیک ۲۰ گز کے فاصلے پر جا کر لڑی اور بالکل چکنا چور ہو گئی۔

جنگلے کی سلاخیں موٹر کے دھکے سے راستے میں آپڑی تھیں، تاروں کے تار مڑی ہوئی موٹروں نے توڑ ڈالے تھے اس حالت میں بھلا موٹر چلانے والا کہاں بچ سکتا تھا۔ لیکن مستری اور وہ دونوں نکلے اور دوسروں کو سنبھالنے لگے۔

ابراہیم:- آخر اس سے فائدہ کیا ہے؟

احمد:- دنیا کے تمام اچھے اور بڑے کام وہی لوگ کرتے ہیں جو نڈر ہوتے ہیں

اور باتوں کو جلانے دو۔ موٹروں کو ہی لے لو۔ اگر تم کسی موٹر کے کارخانے میں جاؤ تو تم کو معلوم ہوگا کہ پچھلے سال جو موٹریں بنی تھیں اس سال کی موٹریں ان سے اچھی ہیں پھر ہر کام کے لئے علیحدہ قسم کی موٹر۔ یہ کیسے ہوا؟ یہ نڈر لوگ جو بے خوف ہو کر موٹریں دوڑاتے ہیں۔ موٹر بنانے والوں کو بتاتے ہیں کہ ان کی موٹر میں کیا خرابی ہے۔ کب پیدا ہوتی ہے۔ کتنی رفتار تک موٹر ٹھیک چلتا ہے۔ لوٹنے اور ٹکرانے کی حالت میں وہ کہاں تک مسافر کو بچاتا ہے۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں بتاتے ہیں جن کو وہ خیال میں رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ دور کر دیں۔ اس طرح ان کی تفریح بھی ہوتی ہے۔ دل بھی بڑھتا ہے اور ان کے ملک کے کاریگروں کو مفید مشورہ بھی ملتا ہے۔

ابراہیم :۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ہر شخص کو بے خوف ہونا چاہیئے ڈرپوک تو کچھ بھی ترقی نہیں کر سکتے

# لطیفے

ماں :۔ حامد میں نے تمھیں کے دفعہ منع کیا کہ اس ٹین کو نہ بجاؤ لیکن تم نہیں مانتے

حامد :۔ امی جان آپ نے سات دفعہ منع کیا۔

---

خلیل (محمود سے) دوست تمھیں اپنی لنگڑے پن کی وجہ سے اسکول میں بڑی تکلیف ہوتی ہوگی

محمود :۔ مجھے تو بہت فائدہ ہے۔

خلیل :۔ وہ کیا؟

محمود :۔ مجھے ڈرل نہیں کرنا پڑتی۔

محمد جمیل الرحمن ۔ درجہ ششم

# ہمارا سفر

( ۲ )

(از جناب مولوی شفیع الدین صاحب ٹیچر ماڈرن ہائی اسکول نئی دہلی)

پچھلے نمبر کے مضمون میں جناب ماسٹر صاحب اپنے شاگردوں سمیت ہردوار کی سیر کرتے کرتے کنکھل تک پہنچ گئے تھے۔ اس مضمون میں انھوں نے کنکھل اور دوسرے مقامات کی سیر کا حال بیان کیا ہے۔ (ایڈیٹر)

دریائے گنگا کے کنارے اس زمانے میں تو ایک مختصر سی بستی ہے لیکن ہندوؤں کی تاریخ میں بہت مشہور جگہ بیان کی گئی ہے۔ یہ ہندوؤں کے ایک دیوتا شوجی کی بیوی پاربتی جی کے باپ کی راج دھانی تھی۔ یہ پاربتی جی ستی بھی کہلاتی ہیں۔ یہیں ایک یگ (جلسے) میں پاربتی جی اپنے خاوند شوجی کی بے آبروئی برداشت نہ کرسکی تھیں اور اپنی جان گنوا دی تھی۔ راستے میں ہم نے وہ مقام بھی دیکھا جہاں دریائے گنگا کا پانی روک کر نہر نکالی گئی ہے۔ یہ نہر تین سو میل کے قریب لمبی ہے اور کانپور پہنچ کر دریائے گنگا سے مل گئی ہے۔ نہر کے پانی میں بہاؤ کی تیزی دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے۔ کہ پانی کو گنگا سے بچھڑنے کا بہت رنج اور اب تیزی سے کانپور پہنچ کر دوبارہ اس سے ہم کنار ہو

ہے۔ یہاں کچھ سندر اور دیکھ دا کھ کر جائے قیام پر آگئے اور چار بجے شام کی گاڑی سے دہرادون روانہ ہوئے

## دہرادون اور مصوری

دہرادون پہنچنے کے بعد مصوری جانا طے ہوا۔ ۱۸ر نومبر کو ٹھیک دس بجے دو لاریوں میں سوار ہو کر مصوری روانہ ہو گئے۔

دہرادون سے مصوری کا فاصلہ اگر پیدل جائیں تو کل سات میل ہے۔ لیکن لاری کو بائیس میل چلنا پڑتا ہے۔ پہلے راجپور مقام آیا۔ یہ سطح سمندر سے تین ہزار فٹ بلندی پر واقع ہے اور خاصا آباد نظر آتا ہے۔ سنئے میں یک اور مقام پر بھی لاریاں رکیں۔ جہاں فی آدمی ایک روپیہ آٹھ آنے ٹیکس ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد لاریاں مصوری ہی جا کر ٹھہریں۔ راستے میں خوب خوب چکر آئے۔ اور بعض کا دوران سر (سر گھومنے) کی وجہ سے برا حال ہو گیا لاریوں سے اتر کر نگاہ جو ڈالی تو چاروں طرف سبز پہاڑیاں نظر آئیں۔ نیچے نگاہ کی تو گہرے گہرے کھڈ دکھائی دیے۔ پہاڑیوں کو دیکھ کر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی تو کھڈوں کو دیکھ کر دل لرز گیا۔

مصوری :۔ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کا ایک صحت افزا مقام ہے۔ ہزار ہا بنگلے پہاڑیوں پر بنے ہوئے ہیں۔ اگر مصوری کی بستی کا اندازہ لگایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مصوری بیسیوں ہی میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔

یہ شہر چھ، سات ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ سردیوں کے زمانے میں یہاں سردی بہت پڑتی ہے۔ لوگ زیادہ تر گرمیوں کے موسم میں یہاں آتے ہیں۔ اور اسی زمانے میں خوب رونق اور چہل پہل رہتی ہے۔ اور سردیوں میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ ایک مقام پر کچھ کھا پی کر ایک سڑک پر جا کر کے جو کیمل بیک روڈ (Camelback Road) کہلاتی ہے یہاں کھڑے ہو کر نگاہ جو ڈالی تو بہت دور ہمالیہ پہاڑ کی برف سے ڈھکی ہوئی۔ آسمان سے باتیں کرتی چوٹیاں نظر آئیں۔ اس پہاڑ کی عظمت و شان

کا حال اب تک کتابوں میں پڑھا تھا یا حضرات شعرا کے اشعار سے کچھ اندازہ ہوتا تھا۔ آج آنکھوں سے دیکھ کر سب کی تصدیق ہوگئی فوراً ڈاکٹر محمد اقبال کے یہ اشعار یاد آگئے اور اس وقت ان اشعار کا دل پر خاص اثر ہوا

اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردش شام و سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لئے
تو سراپا ہے تجلی چشم بینا کے لئے[۵۱]

نظر کے سامنے پہاڑیاں تھیں۔ اور جہاں تک نگاہ پہنچتی تھی پہاڑیوں کے سلسلے نظر آتے تھے۔ ایک دوسرے سے اونچا۔ مگر ان سب سے بہت دور، اور سب سے بہت اونچا ایک اور سلسلہ نظر آیا جس کے اوپر کا حصہ برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ سبز اور سنہری لباس پر یہ برف جیسا سفید آبی دوپٹہ، کیسا خوش نما نظر آتا تھا۔ ہوا اور سورج کی کرنیں اس کے دامنوں سے کھیلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں

یہ منظر دیکھ کر ہم سب ایک پہاڑی پر چڑھے۔ یہاں پانی کا خزانہ تھا۔ اور چوٹی پر ایک توپ رکھی ہوئی تھی۔ وہاں سے اتر کر ایک جگہ دعوت اڑائی۔ اور شام تک پھرتے پھراتے اس مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں لاریاں ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔ لاریوں میں بیٹھ کر پیچھے کو روانہ ہوگئے۔ ابھی رات نے اپنا سیاہ شامیانہ تانا ہی تھا کہ ہم لوگ جائے قیام (ٹھہرنے جگہ) پر پہنچ گئے۔

۱۹ نومبر کو دہرا دون کی بعض عمارتیں دیکھیں۔ نیز فورسٹ کالج (جنگلات کا کالج) اور اس کا عجائب خانہ دیکھا۔ فورسٹ کالج کی عمارت نہایت شان دار ہے۔ اور چاروں طرف دور دور تک اسی سے متعلق عمارتیں

۵۱۔ ان شعروں کا مطلب تم اپنے اردو کے استاد سے پوچھ لینا وہ تمھیں اچھی طرح بتادیں گے۔

اور میدان نظر آتے ہیں۔ یہ عمارت دومنزلا ہے۔ کمرے جوڑے، سامان قیمتی، صفائی اور خوش نمائی کا کیا پوچھنا۔ گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ آئینے کی طرح صاف اور شفاف۔ یہاں کا عجائب خانہ دیکھنے کے قابل ہے۔ اس میں کھیتی باڑی کے متعلق عجیب و غریب چیزیں رکھی ہیں۔ اسے دیکھ کر کھیتی اور کسانی کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے کاغذ بنانے اور لکڑی کے کارخانے دیکھے۔ اس کے بعد ہم آبزرویٹری (Observatory) گئے جہاں بعض نہایت مفید اور قیمتی آلات دیکھے۔ شام کو گھر آ گئے۔

۲۰ نومبر ہمارے سفر کا آخری دن تھا۔ دس بجے ہم لوگ اکادمی (Academy) گئے۔ جہاں فوجی افسروں کو تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک صاحب کے ہاں دعوت کھائی۔ اور لاریوں میں سوار ہو کر درہ موہن میں سے گذرتے ہوئے اور راستے کے مناظر کا لطف اٹھاتے سہارنپور ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ جہاں سے ریل میں سوار ہو کر دہلی آ گئے۔ اس طرح یہ ہمارا دلچسپ سفر ختم ہوا۔

# لطیفہ

پولیس انسپکٹر:۔ (سپاہی سے) کیوں جی تم نے چور کیوں نہیں پکڑا۔

سپاہی:۔ صاحب میں اس کے پیچھے بہت دور تک بھاگتا رہا لیکن وہ ایک ایسے مکان میں گھس گیا جس کے دروازے پر لکھا تھا " اندر آنے کی اجازت نہیں۔"

# آب دوز کشتی

محمد احمد سبزواری صاحب، نائب مدیر "نورس"

انسان کی خواہشوں، حوصلوں اور ارادوں کو ایک جگہ قرار نہیں ہے۔ اگر ایک طرف اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ ہوا میں پرندوں کی طرح اُڑے تو دوسری طرف یہ جی چاہتا ہے۔ کہ مچھلیوں کی طرح سمندر میں غوطے لگائے چنانچہ اپنی پہلی خواہش کو اس نے ہوائی جہاز کے ذریعے اور دوسری کو آب دوز کشتی سے پورا کیا۔

جس زمانے میں ہندوستان میں غدر ہوا تھا۔ اس کے چند سال کے بعد امریکا میں بھی ایک لڑائی ہوئی تھی، جسے "سول وار آف امریکا" کہا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں سب سے پہلی مرتبہ غبارے اور آب دوز کشتی کا استعمال کیا گیا۔ اس کشتی کا نام:۔ "ہنڈلے" تھا۔ یہ صرف چند منٹ تک پانی میں رہ سکتی تھی۔ اس کے اندر نو ملاح بیٹھ سکتے تھے۔ اور ایک تارپیڈو[1] بھی تھا اس نے ایک مرتبہ دشمن کے جہاز پر تارپیڈو

[1] یہ ایک قسم کی توپ ہوتی ہے جس میں اون، گندھک بارود اور دوسرے آگ لگ جلنے والے مصالحے بھرے جاتے ہیں یہ مصالحے بڑے بڑے جہازوں کو آسانی سے ڈبو سکتے ہیں اور سمندر کے بڑے حصے میں اس سے تلاطم (ہلچل یا کھلبلی) پیدا ہو جاتا ہے۔

کے ذریعے حملہ کیا۔ اور وہ جہاز ڈوب گیا مگر
خود یہ کشتی بھی بچ کر نہ نکل سکی اور ڈوب گئی اس
کے بعد آہستہ آہستہ اس قسم کی کشتیوں میں
تبدیلی ہوتی رہی۔ ایک شخص نے ان میں بجلی
کا انجن لگایا۔ جو بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔

یہ تو تم جانتے ہی ہوگے کہ ہر سال دو چار
جہاز سمندر میں ڈوب جاتے ہیں اور ان میں
آدمیوں کے علاوہ بہت سا قیمتی سامان بھی
ہوتا ہے۔ وہ سب بھی سمندر کی تہ میں بیٹھ جاتا
ہے۔ پرانے زمانے میں تو اس قسم کے حادثے
بہت کثرت سے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان ہی
ڈوبے ہوئے جہازوں کا سامان نکالنے کے
لئے انیسویں صدی کے آخر میں ایک شخص
سیمل لیک نے بہت سی کشتیاں بنائیں۔
یہ جب سطح سمندر پر چلتی تھیں تو پیٹرول کے انجن
سے چلائی جاتی تھیں اور سمندر کے نیچے بجلی کے
انجن کا استعمال ہوتا تھا۔ ان کشتیوں میں پانی
کے چھوٹے چھوٹے تالاب بھی تھے۔ جب
کشتی کو پانی کے نیچے جانا ہوتا تھا۔ ان
تالابوں میں پانی بھر لیا جاتا تھا۔ اور جب
اوپر آنا ہوتا تھا تو ان کا پانی نکال دیا جاتا تھا

لیکن آج کل کی آب دوز کشتیاں
جان ہالینڈ کی کشتیوں کے نمونے پر بنتی ہیں
یہ شخص آئرلینڈ کا رہنے والا تھا، اٹھارہ سال
کی عمر میں امریکا چلا گیا تھا۔ وہاں اس نے
آب دوز کشتیاں بنانے کے کارخانے میں
کام کیا اور بہت جلد نئی کشتیاں تیار کیں۔
یہ ایک گھنٹے میں آٹھ میل چل سکتی تھیں۔ اور
پندرہ سو میل تک بغیر پانی کی سطح پر آئے ہوئے
سمندر کے اندر رہ سکتی تھیں۔ اس کے بعد
مختلف ملکوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس قسم کی
کشتیاں جنگ کے لئے بہت مفید ہیں۔ چنانچہ
جرمنی نے اس قسم کی کشتیاں بہت بنائیں اس
نے ایک قسم کا تیل بھی ایجاد کیا۔ وہ اسی تیل
کے ذریعے سے کشتیاں چلاتا تھا۔ اب تک
پیٹرول کی وجہ سے یہ خطرہ تھا کہ پیٹرول بھاپ
بن کر کشتی کی ہوا میں مل جایا کرتا تھا اور اگر
بجلی کا کوئی شعلہ انجن سے باہر نکل آتا تو آگ لگ

جایا کرتی تھی مگر اس نئے تیل کی امداد سے یہ دقت دور ہوگئی۔

جنگ عظیم کے زمانے میں ہر ملک نے اس قسم کی کشتیاں بنائیں۔ مگر جرمنی سب سے آگے تھا۔ جرمن کشتیوں میں ۴۰ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ ہر کشتی میں دو بڑے صاف آئینے ہوتے تھے جن کی مدد سے سمندر کے اندر سے اوپر اور آس پاس دیکھا جا سکتا تھا۔ ہر کشتی میں ایک تارپیڈو ہوا کرتا تھا۔ یہ ایک قسم کی سگار کی شکل کی نلکی ہوتی ہے۔ جس میں مختلف قسم کے مصالحے بھرے جاتے ہیں اور جب دشمن کے جہاز کو غرق کرنا ہوتا ہے تو اُن کو چلاتے ہیں یہ پانی کے اندر ہی اندر جاکر جہاز سے ٹکراتے ہیں اور تھوڑی دیر میں اسے ڈبو دیتے ہیں۔ جنگ کے زمانے میں سلطنت برطانیہ نے بھی آب دوز کشتیوں میں نئی ایجادیں کیں۔

آج کل ایک آب دوز کشتی ۵۰ گھنٹے کے قریب سمندر میں رہ سکتی ہے اس میں خالص ہوا کا کافی انتظام ہوتا ہے کیونکہ یہ بڑے بڑے جہازوں کو بہت جلدی ڈبو سکتی ہے اس لئے ہر ملک کو ان سے بہت خطرہ پیدا ہوگیا ہے چنانچہ جنگ کے زمانے ہی میں انگلستان کے ہوائی جہازوں نے بری طرح سے دشمن کی آب دوز کشتیوں کا پیچھا کیا اور ان کو بری طرح سے تباہ و برباد کر دیا۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔ کہ امریکا والوں نے ایک قسم کا آلہ ایجاد کیا ہے جس کو ہائیڈروفون (Hydrophone) کہتے ہیں۔ اس آلے کی مدد سے پانی کے اندر کی چھوٹی سے چھوٹی آواز بھی بڑی ہو کر سنائی دیتی ہے اس آلے کی مدد سے آب دوز کشتی کے انجن کی آواز میلوں سے سنائی دیتی ہے اور بہت آسانی سے کشتی کا پتہ لگا لیا جا سکتا ہے اس قسم کی نئی ایجادوں نے آب دوز کشتیوں کے خطرے کو بہت کم کر دیا ہے لیکن ہر ملک آج کل ان میں اصلاح اور ایجاد کر رہا ہے اور اگر خدانخواستہ حال میں کوئی جنگ چھڑ جائے تو بہت سی نئی قسم کی کشتیاں اس لڑائی میں حصہ لیں گی۔

# میری بہادری

(- از جناب رشید الدین صاحب طالب علم اسلامیہ ہائی اسکول بھاٹی گیٹ لاہور)

بچپنا کے دن کھانے کھیلنے اور شرارت کے دن ہوتے ہیں۔ یہ عمر ہی ایسی ہے میرے خیال میں تو ایسا کوئی بھی نہیں جو چھوٹی عمر میں شریر نہ ہوتا ہو۔ میں خود بچپن میں بہت شریر تھا۔ مجھ نئی نئی شرارتیں سوجھتی تھیں۔ کبھی کبھی تو اپنی شرارتوں کی کافی سزا بھی مل جاتی تھی۔ آج میں اپنی ایک دل چسپ شرارت کا قصہ سناتا ہوں۔

ایک دفعہ ہمارے یہاں چند مہمان آئے گرمی کی چھٹیاں تھیں، ان دنوں لاہور میں کافی چہل پہل رہتی ہے۔ یہ لوگ ہمارے ہاں کئی دن رہے۔ ان کے ساتھ چند لڑکے بھی تھے۔ میری ہی عمر کے تھے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ اپنی عمر کے آدمی سے ایک لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بچوں میں تو یہ بات خاص طور پر ہوتی ہے۔ پہلے میں ان سے اور وہ مجھ سے شرماتے رہے مگر تھوڑی دیر میں ہم سب بے تکلف ہو گئے

میرے کمرے کے ساتھ ہی ابّا کا کمرہ ہے ان کی میز پر ایک بہت عمدہ اور خوب صورت کھال تھی۔ دو تین ہی دن پہلے ان کے ایک دوست نے انھیں تحفے کے طور پر بھیجی تھی، شاید وہ بھیڑیئے کی کھال تھی، میں چپکے سے ابا کے کمرے میں گیا اور کھال اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

شام ہو گئی تھی سب لوگ کھانا کھانے کی غرض سے کھانے کے کمرے چلے گئے تھے، مگر میں اپنے کمرے میں آ بیٹھا اور کچھ سوچنے لگا۔ اتنے میں بشیر بھی آ گئے اور پوچھنے لگے کیوں جناب یہاں اکیلے بیٹھے آپ کیا کر رہے ہیں ہیں، بشیر کو دیکھ کر اچھل پڑا، جلدی سے اپنے پاس بلایا۔ اور ایک کرسی پر بٹھا کر کہا۔ بھائی آج ہم اپنے دوست امجد فاروق اور اظہر وغیرہ کو بے وقوف بنانا چاہتے

ہیں بشیر نے کہا "یہ تو ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ کوئی شرارت کی اسکیم سوچی جا رہی ہے مگر کس طرح بے وقوف بناؤگے؟" میں نے بتایا کہ "میرے پاس بھیڑیے کی کھال ہے تم اسے اوڑھ لینا اور سب سے اوپر کی منزل پر کونے میں دبک کر اس طرح بیٹھ جانا جیسے سچ مچ کوئی جانور ہی ہو۔ بشیر نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور فوراً راضی ہو گئے۔ وہ تو ایسی شرارتوں کی گویا فکر ہی میں رہتے تھے ہم دونوں اوپر کی منزل پر گئے میں نے بشیر کو کھال اڑھا دی اور اتفاق دیکھو کہ ان کے جسم پر بالکل ٹھیک آ گئی وہ بڑی ہشیاری سے وہاں بیٹھے رہے۔ اور میں نیچے اتر آیا۔

اس عرصے میں سب کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ فاروق کہنے لگے آج ہم اوپر والی منزل پر نہیں گئے، چلو ذرا اوپر چل کر بیٹھیں، بڑی اچھی ہوا چل رہی ہے۔ سب نے ہاں میں ہاں ملائی اور چھت پر چلے، اندھیرا کافی ہو چکا تھا امجد میاں آگے آگے سب کو راستہ دکھا رہے تھے باقی لوگ ان کے پیچھے تھے

بشیر پہلے ہی سے ہوشیار بیٹھے تھے امجد کو دیکھتے ہی انھوں نے اس طرح ہلنا شروع کیا جیسے کوئی جانور ہو، امجد نے جوں ہی کوئی چیز اپنے سامنے ہلتی دیکھی تو گھبرائے۔ بشیر نے آہستہ آہستہ غرانا بھی شروع کیا۔ اب تو امجد کو یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی جانور ہے۔ بے چارا مارے خوف کے کانپنے لگا۔ بشیر نے پھر ہلنا شروع کیا اور میاں امجد بڑی تیزی سے پیچھے کو بھاگے۔ ہم نے بھی نیچے آکر دم لیا۔

اب ہم سب میں کونسل شروع ہوئی، کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون جانور ہے۔ نہ کسی میں اتنی ہمت تھی کہ اوپر جا کر دیکھے۔ آخر میں نے کہا آپ لوگ بہت ڈرپوک ہیں لیجیے میں جاتا ہوں دیکھوں تو کون سا شیر بیٹھا ہے جو ہمیں کھا جائے گا؟ میں نے چھڑی ہاتھ میں لی اور بے جھجک زینے پر چڑھ گیا اوپر جا کر میں نے چھڑی کو اس طرح زمین پر مارنا شروع کیا جیسے کسی جانور کو مار رہا ہوں۔ نقلی بھیڑیے صاحب بھی چیختے ہوئے بھاگ نکلے۔ اور دوسرے زینے سے اتر کر

نیچے آگئے۔ اس کے بعد نیچے آکر سب کو بتایا کہ میں نے اس جانور کو مار بھگایا ہے۔ یہ بھی بتادیا کہ وہ بھیڑیا تھا۔ سب میری بہادری کی دل سے تعریف کر رہے تھے اور ہم تیس مار خاں بنے ہوئے خوب اکڑ رہے تھے، پھر ہم سب چھت پر گئے بشیر بھی آگئے اور پوچھنے لگے۔ بھئی یہ شور کیسا تھا کیا بات ہوئی"۔ امجد نے انھیں تمام داستاں سنائی۔

ٹہلتے ٹہلتے ہم لوگ برآمدے میں پہنچے تو بھیڑیے کی کھال نظر پڑی فاروق دیکھتے ہی ٹھٹک گیا اور سر ہلا کر بولا "بس جناب اب سمجھ گئے کہ بھیڑیا کون تھا ........ فاروق نے ابھی جملہ ختم نہیں کیا تھا کہ بشیر کھلکھلا کر ہنس پڑا، پھر کیا تھا تمام بھانڈا پھوٹ گیا، امجد بول اٹھا سمجھے آپ یہ سب کارروائی میاں بشیر ہی کی تھی، ہات تیری پاجی کی تو نے ہمیں بہت دھوکا دیا۔ پھر غضب دیکھو آپ الٹا ہم ہی سے پوچھتے ہیں کہ "شور کیا تھا" فاروق میاں میری طرف اشارہ کر کے بولے اور جناب تیس مار خان صاحب آپ بھی اس شریر کے ساتھ تھے واہ واکیا بہادری دکھائی ہے رستم کو مات دے دی

اظہر:۔ مگر بھائی سوجھی خوب آپ کو۔

پھر ہم نے انھیں پورا قصہ کہہ سنایا اور اس کے بعد سب نیچے چلے آئے میں اور بشیر کھانے کے کمرے میں کھانا کھانے لگے اور باقی دوست گراموفون سنتے رہے۔

## لطیفہ

ماسٹر صاحب۔ مسعود بتاؤ۔ دنیا میں سب سے امیر آدمی کون ہے؟

مسعود:۔ ٹولٹ صاحب (ToLet)

ماسٹر صاحب:۔ کیوں؟

مسعود:۔ اس لئے کہ شہر کے زیادہ تر مکانوں پر ان ہی کی تختی ٹنگی ہے

# خط کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے اور میں نے مختلف ملکوں کے تقریباً ڈیڑھ (۱½) ہزار ٹکٹ جمع کئے ہیں جن بھائی کو ریاست حیدرآباد کے ٹکٹوں کی ضرورت ہو۔ وہ مجھ سے یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرسکتے ہیں۔ فقط محمد باقر امام

معرفت جناب پرنسپل صاحب عثمانیہ کالج۔ اورنگ آباد

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم

جب سے آپ نے رسالہ پیام تعلیم میں ٹکٹوں کے متعلق شوق دلایا ہے۔ اس وقت سے میں نے ٹکٹ جمع کرنے شروع کردئے ہیں۔ اس وقت تک کوئی ۵۰۰ کے قریب ٹکٹ جمع ہوچکے ہیں۔ ان میں امریکا کے بھی ہیں۔ ہندوستان کے بھی اور نئی دہلی کے افتتاحی ٹکٹ بھی ہیں۔ اگر کوئی بھائی خریدنا چاہیں تو میں دو پیسے والے ٹکٹ بیچ سکتا ہوں۔ میرا نام بھی براہِ مہربانی ٹکٹ جمع کرنے والوں کی فہرست میں شریک کرلیجئے

خاکسار عمر کامل معرفت حکیم محمد کامل صاحب، بلیماران دہلی

---

جناب ایڈیٹر صاحب! تسلیم۔

میں نے آج کل ٹکٹ جمع کرنے شروع کردے ہیں اور کوئی ایسی کتاب پڑھنا چاہتا ہوں جس میں ان کا مکمل حال ہو کیا آپ براہ مہربانی مجھے ایسی کتابوں کے نام لکھ کر بھیج سکتے ہیں جس میں اس مضمون کا مکمل حال ہو دوسرے آپ مہربانی فرماکر یہ بتائیں کہ کسی کو ایک ہی قسم کے بہت سے ٹکٹ مل جائیں تو وہ کیا کرے۔ کیا سب ٹکٹ البم میں لگائے یا صرف ایک مہربانی کرکے اس کا مکمل جواب دیں۔ خاکسار شام کمار جماعت دھم معرفت مولوی عبدالغنی صاحب اورنٹیل نیشنل ہائی اسکول، پشاور

(۱) آپ کا خط شمیم صاحب کو بھیج دیا گیا ہے۔ وہ آپ کو جواب دے دیں گے (۲) ایک ہی ٹکٹ لگائیے۔ زیادہ ٹکٹ مبادلے کے لئے محفوظ رکھئے۔ ایڈیٹر

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

پیام بھائیوں کو ٹکٹ جمع کرنے کے علاوہ مختلف زمانے کے سکے بھی جمع کرنے چاہئیں مثلاً انگلینڈ کے پونڈ، شلنگ فارذنگ وغیرہ اسی طرح ہندوستان کے مختلف زمانوں کے سکے۔ جو پیام بھائی ٹکٹ اور سکے جمع کرنا چاہیں وہ مجھے لکھیں۔ خاکسار سید اطہر حسین معرفت خانصاحب سید ظفر حسین صاحب انسپکٹر آف اسکولز۔ امراؤتی۔ کیمپ

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم بہت تیزی سے ترقی کررہا ہے۔ مئی کے پرچے میں شفاعت علی صاحب کے دونوں پہلے تعویذوں میں کچھ غلطی رہ گئی

| | | |
|---|---|---|
| ۴ | | ۲ |
| | ۴ | |
| ۷ | | ۵ |

ہے پہلے تعویذ میں دونوں طرف سے عددوں کو ترچھا جوڑا جائے تو چودہ

کی جگہ ۱۲ آتے ہیں ۔ دوسرے تعویذ میں ۴ ۷ ۱۰ ۱۵ ۵ ہونے سے بجائے چالیس کے اکتالیس آتے ہیں ۔

بنیاد ۔ از میسرہ

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

الوکھے عدد کے دو نقش بھیجتا ہوں ۔ مہربانی فرما کر چھاپ دیجئے ۔ پہلا اٹھارہ کا ہے ۔ دوسرا ۲۷ ۔ کا

| | | |
|---|---|---|
| ۷ | ۸ | ۳ |
| ۲ | ۶ | ۱۰ |
| ۹ | ۴ | ۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶ | ۱۱ | ۱۰ |
| ۱۳ | ۹ | ۵ |
| ۸ | ۷ | ۱۲ |

نظام الدین منڈی پیٹھ ۔ حیدرآباد دکن

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

۱۸ ۔ کا ایک نقش بھیج رہا ہوں ۔ مہربانی فرما کر چھاپ دیجئے

| | | |
|---|---|---|
| ۷ | ۵ | ۶ |
| ۳ | ۴ | ۵ |
| ۸ | ۹ | ۷ |

یوسف علی خاں ۔ درجہ ششم
پربھنی ۔ دکن

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

میں آپ کی خدمت میں کئی نقشے طرح طرح کے بھیج رہا ہوں ۔ مہربانی فرما کر شائع کر دیجئے ۔

| | | |
|---|---|---|
| ۸ | ۳ | ۱۰ |
| ۵ | ۷ | ۵ |
| ۴ | ۱۱ | ۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲ | ۲ | ۱۴ |
| ۱۴ | ۱ | ۴ |
| ۴ | ۱۸ | ۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷ | ۲ | ۹ |
| ۸ | ۴ | ۶ |
| ۳ | ۱۰ | ۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸ | ۳ | ۲۴ |
| ۲۱ | ۱۵ | ۹ |
| ۶ | ۲۷ | ۱۲ |

صباح الدین احمد ۔ (عمر ۱۱ سال)
سمتی پور

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

الوکھے عدد کا سلسلہ اس قابل ہے کہ ہمیشہ جاری رکھا جائے

ہم ماہر تعلیم صاحب کا بہت شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مضمونوں کے ذریعے ہمیں نئی نئی باتیں بتائیں ۔ انشاء اللہ میں بھی اس سلسلے میں کچھ بھیجوں گا

(افسوس ہے کہ اس مہینے ماہر تعلیم کا کوئی مضمون نہیں شائع ہوا ۔ وہ آج کل بے حد مصروف ہیں اور باوجود کوشش کے مضمون لکھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے ۔ ایڈیٹر)

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

الوکھے عدد کا ایک نقش بھیج رہا ہوں ۔ امید ہے کہ آپ شائع کر دیں گے ۔ خاکسار ۔ ابوالفضل محمد علوی

الہ آباد

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۲۸ | ۱۹ | ۱۰ | ۱۱ | ۴۸ | ۲۹ | ۳۰ |
| ۳۹ | ۲۷ | ۱۸ | ۹ | ۷ | ۴۷ | ۳۸ |
| ۳۷ | ۳۵ | ۲۶ | ۱۷ | ۸ | ۶ | ۴۶ |
| ۴۵ | ۳۶ | ۳۴ | ۲۵ | ۱۶ | ۱۴ | ۵ |
| ۴ | ۴۴ | ۴۲ | ۳۳ | ۲۴ | ۱۵ | ۱۳ |
| ۱۲ | ۳ | ۴۳ | ۴۱ | ۳۲ | ۲۳ | ۲۱ |
| ۲۰ | ۱۱ | ۲ | ۴۹ | ۴۰ | ۳۱ | ۲۲ |

# معلومات

کیلی فورنیا کے ایک ڈاکٹر نے ایک مشین ایجاد کی ہی اور دعویٰ کیا ہی کہ جو لوگ گلا گھونٹنے کی وجہ سے مر جاتے ہیں وہ اس مشین کی بدولت زندہ ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر نے اس کا تجربہ کتوں پر کیا جو گلا گھونٹنے سے مر گئے تھے ان کا تجربہ کامیاب ثابت ہوا اور وہ زندہ ہو گئے اب انھوں نے اپنے شہر کے حاکموں سے درخواست کی ہی کہ وہ ان مجرموں پر تجربے کی اجازت دیں جنھیں گلا گھونٹ کر مارنے کی سزا دی گئی ہو۔

---

اگر تم شہر میں رہتے ہو تو ٹیلیفون سے تو اچھی طرح واقف ہو گے اور اس کے ذریعے سے قریب یا دور کے لوگوں سے بات چیت بھی کی ہو گی اب تمھیں یہ سن کر دل چسپی ہو گی کہ ایک نئی قسم کا ٹیلیفون ایجاد ہونے والا ہی جو با تصویر ہو گا یعنی اگر تم اپنے کسی دوست سے جو تم سے ہزاروں میل دور ہی بات چیت کرنا چاہو تو تم اس سے باتیں ہی نہیں کرو گے بلکہ اسے دیکھ بھی سکو گے گویا تم دونوں آمنے سامنے باتیں کر رہے ہو۔ یہ ایجاد بہت جلد وجود میں آنے والی ہی۔

---

لاسلکی اور پھر ریڈیو کی ایجاد جب سے ہوئی ہی ملکوں ملکوں کے طرح طرح کے گانے اور تقریریں وغیرہ سننے میں آتے ہیں۔ بس اپنے یہاں ایک مشین لگوا لیجئے اور پھر تقریریں گانے وغیرہ جو چاہے سنئے اس سلسلے میں کناڈا میں بہت دل چسپ واقعہ پیش آیا ایک کسان نے چولھا خریدا اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ چولھا بولتا ہی۔ اس نے اپنے پڑوسیوں کو بلا کے دکھایا تو معلوم ہوا کہ چولھا لاسلکی (بے تار کی تار برقی) کے پیام وصول کرتا ہی۔ حالانکہ اس مکان میں لاسلکی کا آلہ بھی نہیں لگا تھا۔

---

کیلی فورنیا سے خبر آئی ہے کہ وہاں ایک مرا ہوا کتا اب زندہ ہی۔ کتے کا نام تیرہ ہی یہ دوبارہ زندگی

اسے ایک ڈاکٹر کی بدولت نصیب ہوئی تیرہ نام اس لئے پڑا کہ غالباً پچھلے سال اپریل کی تیرہ تاریخ کو وہ مرا تھا۔ اس کی موت کا صرف اسی قدر اثر باقی ہے کہ اس کو اپنی ٹانگوں پر پورا قابو حاصل نہیں ہے لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ اسے چلنا سکھایا جا رہا ہے۔

---

امریکا میں کیڑوں نے ریل کو روک دیا۔ ہوا یہ کہ لاکھوں کیڑے پٹریوں پر آ گئے۔ پٹریاں چکنی ہو گئیں۔ ریل جو آئی تو پہیے پھسل گئے اور گاڑی پٹری پر سے اتر گئی، اور رک گئی۔

---

پنسل سے لکھنے سے انگلیاں تھک جاتی ہیں اب ایک پنسل ایجاد ہوئی ہے جو لکھنے والے کو تھکاتی نہیں۔ پنسل کو انگلیوں سے پکڑنے کی جگہ ایسی بنائی گئی ہے کہ انگلیاں اس پر اچھی طرح بیٹھ جاتی ہیں۔ کوئی لکھنے والا کسی دوسرے طریقے سے لکھ ہی نہیں سکتا کہ تھکن پیدا ہو۔ اس سے یہ بھی فائدہ ہے کہ انگلیاں پھسل کر نوک تک نہیں پہنچنے پاتیں۔

---

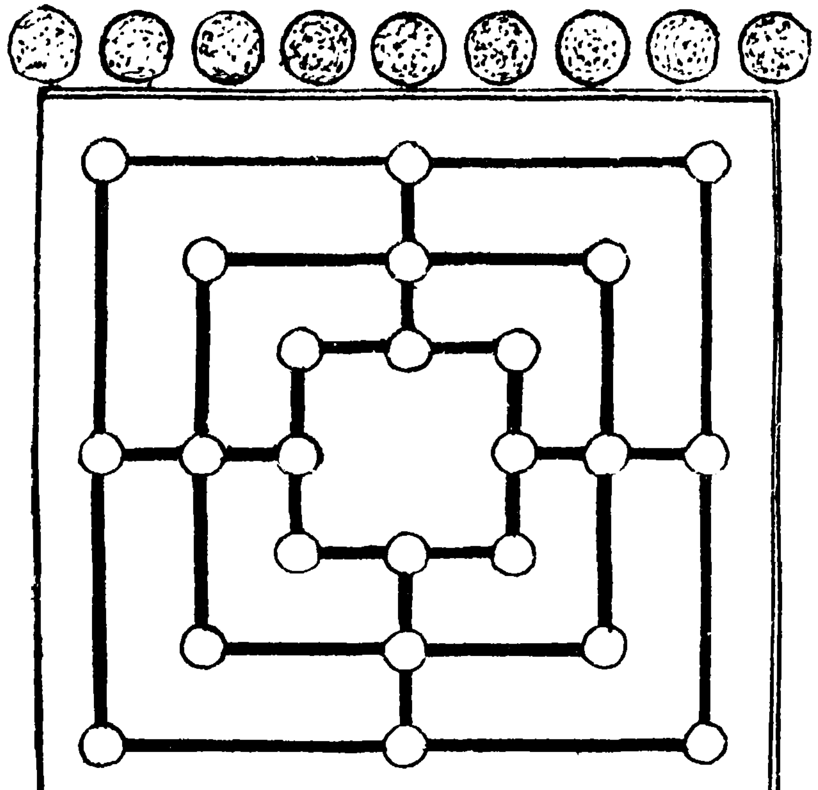
لندن کے ایک پروفیسر نے کل کا ایک آدمی بنایا ہے۔ یہ آدمی جو حکم دئے جاتے ہیں انھیں سمجھتا ہے۔ اور ان کی تعمیل کرتا ہے۔ مثلاً اس سے کہا جاتا ہے "جاؤ" "کھڑے ہو جاؤ" "ہاتھ اٹھاؤ" تو وہ فوراً حکم کی تعمیل کرتا ہے اور جب اس سے کہا جاتا ہے تو پستول بھی چلا دیتا ہے۔ جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تمھاری عمر کیا ہے تو وہ جواب دیتا ہے۔ چودہ برس۔ آواز ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی قبر کے اندر سے بول رہا ہو۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ چند منتخب کئے ہوئے لفظ ہیں جن کا وہ جواب دیتا ہے اگر ان کی جگہ اور لفظ بولے جائیں تو یہ کوئی جواب نہ دے گا او بے حس کھڑا رہے گا۔

جب تک یہ ترمیم نہ ہوئی تھی تو یہ "کل کا آدمی" کبھی کبھی بدمزاجی بھی کر بیٹھتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ اس نے پروفیسر کے مددگار کو زخمی کر دیا۔ ایک مرتبہ خود اس کی ایجاد کرنے والے یعنی پروفیسر صاحب پر پستول چلا دیا۔ لیکن اب وہ بہت نیک بن گیا ہے کوئی بیس سوالوں کے جواب دیتا ہے۔ اور بہت سے چھوٹے موٹے کام بھی کر لیتا ہے

(سائنس حیدرآباد)

# دلچسپ کھیل

آج ہم تمھیں بڑے مزے کا کھیل بتائیں گے۔ لوڈو، اور ڈرافٹ تم کھیلتے ہی ہوگے مگر یہ کھیل ان دونوں سے بھی دلچسپ ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس کا تختہ اور گٹیاں (بالکل ایسی جیسی بورڈ میں ہوتی ہیں) تم خود ہی بنا سکتے ہو۔ اس کے لئے کارڈ بورڈ (وصلی یا گتہ) کے خاکی بکس کی ضرورت ہے۔ اس کا ڈھکنا یا نیچے کا حصہ لو تصویر سے تمھیں تختے کا نقشہ معلوم ہو جائے گا چھوٹے حلقوں میں کھیلتے وقت گٹیاں رکھی جائیں گی، یہ تعداد میں ۱۸ ہوں گی۔ یہ بھی کارڈ بورڈ سے بنائی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے نو سرخ اور نو نیلی۔ رنگ لو لیجئے جناب سب



تیار ہوگیا۔ اب کھیل شروع کردو مگر کھیلنے کیسے اپنا ایک اور ساتھی ڈھونڈھ لو۔ اور دونوں ایک ہی رنگ کی نو نو گٹیاں منتخب کرلو۔ اب دونوں خالی حلقوں میں گٹیاں رکھتے جاؤ۔ اگر تم نے ایک ہی لائن کے تین حلقوں میں اپنی گٹیاں رکھ دیں۔ (اسے قطار بنانا کہتے ہیں) تو تمھارے مخالف کی ایک گٹی مر جائے گی۔

اگر تمھارے مخالف نے ایک لائن کے دونوں کناروں پر گٹیاں رکھ دیں اور بیچ کا حلقہ خالی ہے تو جھٹ سے تم اپنی گٹی اس بیچ کے حلقے پر رکھ دو۔ ورنہ وہ قطار بنائے گا اور تمھاری ایک گٹی مر جائے گی۔

دونوں کھیلنے والے باری باری اپنی اپنی گٹیاں حلقوں پر رکھتے جائیں گے یہاں تک کہ ۱۸ گٹیاں پوری ہو جائیں اب گٹیاں چلنا شروع ہوں گی۔ ہر گٹی اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی لائن کے خالی خانے میں جاسکتی ہے

اگر تم کوئی قطار بنالو تو ظاہر ہے کہ تمھارے مخالف کی ایک گٹی مر جائے گی۔ مگر تم اپنے مخالف کی قطار میں سے اس وقت تک گٹی نہیں اٹھاسکتے جب تک کسی دوسری جگہ سے گٹی اٹھانے کا امکان ہے۔

اگر تم میں سے کسی ایک کی گٹیاں تین تک گھٹ جائیں تو اس کے لیے لائن کی کوئی قید باقی نہ رہے گی جس حلقے پر چاہے اپنی گٹی رکھ سکتا ہے۔

کھیل میں قطار کو تمھارا مخالف توڑ سکتا ہے۔ اور تم اسے بار بار بنا سکتے ہو۔ چاہے پہلی گٹیوں سے یا دوسری گٹیوں سے۔

اس بات کا خیال رکھو کہ سیدھی لائن سے باہر وہی چل سکتا ہے جس کی گٹیاں تین تک رہ گئی ہوں۔ ورنہ لائن پر چلنا ہوگا۔ ساتھ ہی گٹی اسی حلقے پر رکھی جاسکتی ہے۔ جو پہلے حلقے سے قریب ہو۔

# تلاش کرو

یہ بلی کے چاروں شریر بچے کس طرح درخت پر چڑھے ہوئے ہیں انھوں نے کہیں گھونسلا دیکھ پایا ہے اور خیال یہ تھا کہ اس میں انڈے ہوں گے۔ مگر بھئی واہ گھونسلے میں تو بچے ہیں۔ ان ننھے ننھے بچوں نے جو بلیوں کا لشکر دیکھا تو مارے ڈر کے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ بے چارے اپنے ماں باپ کو بلا رہے تھے۔ آخر ان کے ماں باپ بھی آگئے اور انھوں نے ان شریر بچوں کو ٹھونگیں مار مار کر بھگا دیا۔ یہ دونوں اسی تصویر میں چھپے ہوئے ہیں اگر غور سے دیکھو گے تو نظر آجائیں گے۔ ذرا تلاش تو کرو۔



# پیامِ تعلیم
دہلی

| جلد ۱۰ | جولائی سنہ ۳۵ء | نمبر ۷ |


## فہرست مضامین



## پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

| | |
|---|---|
| محمد عبد القدوس صاحب | کلم نوری |
| ظہیر الدین صاحب | علی گڑھ |
| مس اقبال سلطانہ صاحبہ | سکندر آباد |
| مولوی شاہ محمد خاں صاحب | جتون پور |
| زمیندارہ ہائی اسکول | دسوہہ |
| سعادت فاطمہ، کرامت فاطمہ | بھوپال |
| لائل پور اخبار | لائل پور |
| سید صفدر امام صاحب | بانکی پور |
| سید اکبر علی صاحب | دھولا جنکشن |
| حبیب الرحمن صاحب | بہار شریف |
| عتیق احمد صاحب | کلکتہ |
| سودی پاور پرنٹنگ ورکس | بنگلور سٹی |
| حاجی اللہ بخش، خدا بخش صاحبان | امرتسر |
| مسلم یتیم خانہ انڈسٹریل اسکول | بنگلور |


[illegible]

# پیامِ تعلیم کیا ہے؟

از جناب مولوی محمد فیض الدین صاحب ایم اے (کینٹب) بیرسٹرایٹ لا صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلشن آباد میدک (حیدرآباد دکن)

کچھ عرصہ ہوا مولوی محمد فیض الدین صاحب قبلہ کی خدمت میں گذارش کی گئی تھی کہ متعلقہ مدارس میں رسالہ کی خریداری کے لئے تحریک فرمائیں چنانچہ آپ نے ازراہ نوازش ایک خط نام مہتمم صاحبان تعلیمات کو اس بارے میں لکھا ہے اور ایک نقل اس کی ہمیں بھی مرحمت فرمائی ہے جن الفاظ میں موصوف نے اس رسالے کا ذکر فرمایا ہے اس کا شکریہ ادا کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے البتہ چند آرزوؤں کا اظہار ضروری ہے۔ خدا انھیں پورا کرے

ہماری خواہش ہے کہ پیام تعلیم کا سالانہ چندہ عـہ کے بجائے عـہ کر دیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے اس سے فائدہ اٹھا سکیں صفحات بھی کچھ بڑھانا چاہتے ہیں اور تصویروں میں بھی کچھ اضافے کا خیال ہے پیام تعلیم جب پہلی صورت سے تبدیل کر کے ماہانہ کیا گیا تو اس کا چندہ ہے رہا۔ لیکن ہماری درخواست پر خریداروں نے نئے نئے خریدار فراہم کر دئے کہ ہم نے پرچے کی قیمت عـہ کر دی۔ اگر ایک بار اس کے پڑھنے والے پھر ہمت سے کام لیں تو جنوری سے اس کا چندہ سالانہ صرف عـہ کر دیا جائے گا۔ اور سالنامہ جو نومبر میں شائع ہوگا بڑی آب و تاب سے نکلے گا۔

امید ہے کہ اساتذہ، والدین اور بچے سب اس جانب توجہ فرمائیں گے (مینجر)

حیدرآباد

نشان مجاریہ ۵۹ ۳۰

"میں نے اس رسالے کی متعدد کاپیاں دیکھی ہیں اور اس کو ابتدائی مدارس کے اساتذہ اور تلامذہ کے لئے بے حد مفید پایا ہے۔ اس لئے مکرر آپ کی توجہ خریداری رسالہ کی طرف مبذول کرانی چاہتا ہوں"

"بعض اضلاع کے موازنہ لوکل فنڈ میں خریدی رسالہ جات کے عنوان سے جو رقم شریک رہتی ہے اس سے کماحقہ استفادہ نہیں کیا جا رہا ہے اور ہر سال وہ رقم بچت میں آ رہی ہے پس اس گنجائش سے تاحد بچت سال حال کے لئے خریدی رسالے کی کارروائی فرمائی جا سکتی ہے"

براہ مہربانی آپ مراسلہ ہذا کے حوالے سے مہتم صاحبان تعلیمات اضلاع نلگنڈہ، محبوب نگر، میدک و نظام آباد سے مراسلت فرمائیے۔

حسب مسودہ دستخطی

صدر مہتمم تعلیمات

# بچوں سے باتیں

پچھلے سال بہار کا زلزلہ تو تمھیں یاد ہو گا۔ ابھی اس مصیبت سے نجات نہیں ملی تھی کہ ایک اور پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بلوچستان کے زلزلے کا حال تم نے اخباروں میں پڑھا ہو گا۔ کیسا ہولناک حادثہ ہے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کوئٹہ اور اس کے آس پاس کے شہر بالکل تباہ ہو گئے جان و مال کے نقصان کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا ہم پرچے میں ایک مضمون اور کچھ تصویریں شائع کر رہے ہیں اُن سے تمھیں وہاں کی تباہی و بربادی کا کچھ اندازہ ہوگا

کوئٹہ اور بلوچستان کے دوسرے شہروں کے آفت زدہ لوگوں کی امداد اور خبر گیری کے لئے جگہ جگہ سے چندہ ہو رہا ہے وائسرائے کے امدادی چندے میں ۱۸ لاکھ روپے جمع ہو چکے ہیں اور دوسری انجمنیں بھی مختلف شہروں میں چندہ جمع کرنے اور طرح طرح سے پناہ گزینوں اور زخمیوں کی بہت جوش اور خلوص سے خدمت کر رہی ہیں حقیقت میں ہمدردی رحم دلی اور خدمت کا صحیح وقت بھی یہی ہے خدا ہمیں اور تمھیں بھی اس کی توفیق دے۔ آمین

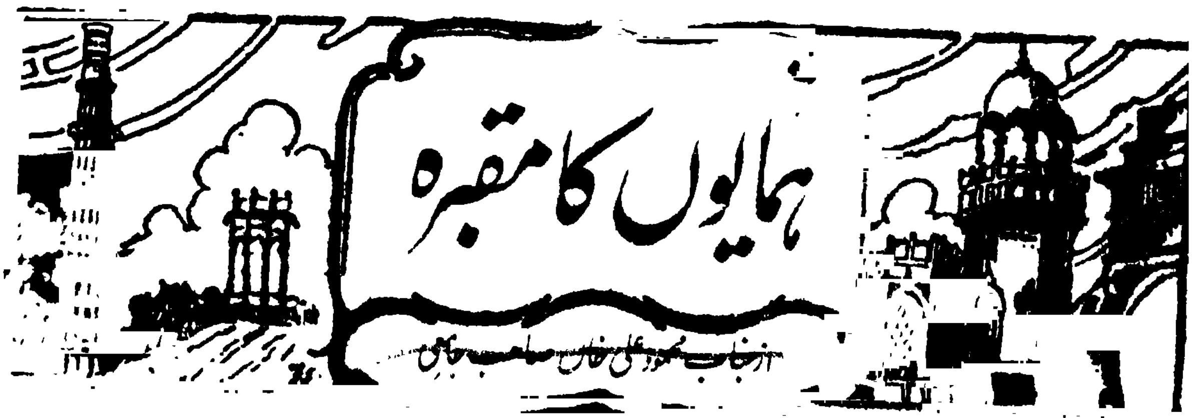
ہم نے پچھلے پرچے میں تصویروں میں رنگ بھرنے کے مقابلے کی آخری تاریخ ۱۵ جون مقرر کی تھی مگر بہت کم بچوں نے تصویریں بھیجی ہیں کئی بچوں کی شکایت آئی ہے کہ اس طرح تصویر پھاڑ کر بھیجنے سے پیام تعلیم کا پورا ورق ضائع ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے صفحے کا مضمون بھی اسی لئے بعض نے پورا رسالہ بھیج دیا ہے کہ انعام کا فیصلہ کرنے کے بعد اسے واپس کر دیا جائے شاید اسی لئے بچے تصویر بھیجتے ہوئے جھجکتے ہیں ہم اس دقت کو دور کرنے کی ترکیب سوچ رہے ہیں بچے اس مرتبہ تو اپنی تصویریں بھیج دیں۔ آئندہ انشاءاللہ ایسی صورت نکل آئے گی کہ ان کے رسالے کا کوئی نقصان نہ ہو گا ہم تصویر بھیجنے کی مدت اور بڑھائے دیتے ہیں اب بچے اپنی تصویر ۱۵ جولائی تک بھیج سکتے ہیں۔

آج کل ہمارے پاس بہت کثرت سے مضمون آ رہے ہیں

ان میں سے جو چھپنے کے قابل ہیں وہ تو چھپ جائیں گے لیکن بہت سے مضمون ایسے بھی ہیں جو یا تو بہت چھوٹے بچوں نے لکھے ہیں یا نومشق مضمون نگاروں نے۔ چھوٹے بچوں نے شاید اپنے مضمون انعامی سلسلے میں بھیجے ہوں۔ لیکن انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے نہ ان کے استاد یا سرپرست کی تصدیق ہے بعض مضامین پر خود لکھنے والے کا نام بھی نہیں ہے۔ یہ تمام مضمون۔ پیام تعلیم میں شائع نہیں ہوں گے ہمیں امید ہے کہ مضمون لکھنے والے اس سے بد دل نہ ہوں گے بلکہ اپنی مشق برابر جاری رکھیں گے یہاں تک وہ اچھے مضمون نگار ہو جائیں۔

ہمیں اپنے مضمون نگار بچوں کی ہمت افزائی کا بڑا خیال ہے اسی غرض سے بچوں کے مضامین کے لئے انعامی مقابلے کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی پیام تعلیم کے ہزاروں پڑھنے والے بچوں کا خیال بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ جو پیام تعلیم اس لئے پڑھتے ہیں۔ کہ اس سے اچھی، دلچسپ، مفید اور کام کی باتیں معلوم ہوتی ہیں اور دلچسپ کہانیاں، مفید معلومات اچھے مضمون اور علمی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے مضمون نگار بھائی ہماری اس دقت کو اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے اور ہمیں مجبور سمجھیں گے۔ نہ چھپنے والے مضمونوں کے نام یہ ہیں۔ تپ محرقہ۔ بورڈنگ ہاؤس کی زندگی، شفاخانہ بوائے اسکاؤٹ، مالی مشکلات اور زمیندار، غیر حاضری کے نقصانات، پانی، وقت کی پابندی، دیوالی۔ زندگی اسی کا نام ہے، غالب، ہم آئندہ بھی ان ہی صفحوں میں نہ چھپنے والے مضمونوں کا ذکر کرتے رہیں گے۔

پیام تعلیم کے خریدار آہستہ آہستہ مگر برابر بڑھ رہے ہیں اس سلسلے میں ہم جناب مولوی ارشاد الحق صاحب استاد جامعہ حضرت عشرت رحمانی مدیر نرگستان حضرت محوی لکھنوی، پروفیسر مدراس یونیورسٹی کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتے ہیں جناب ارشاد صاحب نے ۲۵ خریدار دیئے عشرت صاحب نے سات اور محوی صاحب نے پانچ، محوی صاحب نے ۲۵ اور بھی خریدار دینے کا وعدہ کیا ہے انعامی اعلان کے سلسلے میں بھی کچھ خریدار ہوئے ہیں لیکن ابھی بچوں نے پوری توجہ سے کام نہیں لیا ہے۔ ہم ان کے نام اگلے پرچے میں لکھیں گے اس مرتبہ مضامین کی کثرت کے سبب بہت اچھے اچھے مضمونوں کی اشاعت ملتوی کرنی پڑی یہ انشاء اللہ اگلے پرچے میں شائع ہوں گے۔ خط کتابت اور مضامین پر راؤں کے سلسلے میں بھی بعض خط چھپنے سے رہ گئے ہیں وہ بھی اگلے پرچے میں شائع ہوں گے ان کے عذر



# ہمایوں کا مقبرہ

از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی

قطب مینار تو تم نے دیکھ لیا اب چلو ہمایوں کا مقبرہ دکھا لائیں۔ یہ مقبرہ قطب مینار اور دہلی شہر کے قریب قریب بیچ میں ہے۔ یہاں دوسرے مغل بادشاہ ہمایوں کا مزار ہے۔

مقبرے تو ہندوستان میں بہت سے ہیں لیکن خوب صورتی کے لحاظ سے دو بہت مشہور ہیں، اول نمبر پر آگرے کا تاج محل ہے۔ اور دوسرے نمبر پر ہمایوں کا مقبرہ ہے

ہمایوں اکبر بادشاہ کا باپ تھا بے چارہ تھوڑے ہی دن ہندوستان میں حکومت کرسکا تھا کہ شیر شاہ نے اس سے دہلی کا تخت چھین لیا پھر یہ ایران گیا اور وہاں سے کمک لاکر اپنا تخت واپس لیا

اس کے بعد سے غدر کے زمانے تک ہندوستان میں مغلوں ہی کی سلطنت رہی۔ ہمایوں نے تو پھر بہت تھوڑے دن حکومت کی لیکن ان کے بیٹے اکبر بادشاہ نے جو اپنے باپ کے انتقال کے وقت بہت ہی کم عمر تھے اور ان کی اولاد نے عرصے تک حکومت کی سلطنت کو خوب ترقی دی اور بہت سی اچھی عمارتیں بنوائیں

ہمایوں کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہوا

ایک دن وہ اپنے کتب خانے کی اوپر
والی منزل پر بیٹھا تھا کہ اتنے میں مغرب
کی اذان ہوئی، بادشاہ مسجد میں جماعت
میں شریک ہونے کے لئے جلدی جلدی
اُترنے لگا۔ اتفاق سے سیڑھیوں پر
سے پاؤں پھسلا اور وہیں گرکر شہید ہوگیا

یہ مقبرہ ہمایوں کے انتقال کے
چودہ برس بعد اس کی بیوی حمیدہ بانو
بیگم نے بنوایا تھا۔ گویا اسے بنے
ہوئے پونے چار سو برس ہوئے کہتے
ہیں کہ سولہ برس میں یہ بن کر تیار ہوا
تھا اور ۱۵ لاکھ روپیہ اس پر خرچ
آیا تھا۔

اس مقبرے میں جانے سے پہلے
ایک بڑا سا خوب صورت پھاٹک پڑتا ہے
اس پھاٹک سے نکل کر سامنے مقبرے
کی عمارت نظر آتی ہے۔ اس مقبرے
میں صرف ہمایوں بادشاہ ہی کی قبر
نہیں ہے بلکہ مغل بادشاہوں کے خاندان
کے بہت سے لوگ یہاں دفن ہیں۔
اس مضمون کے ساتھ مقبرے کی ایک
تصویر بھی ہے۔ اس میں دیکھو اوپر کی
منزل پر تو مقبرے کی عمارت ہے اور نیچے
کی منزل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے
در نظر آتے ہیں۔ اصل میں یہ سب در
تہ خانوں کے راستے ہیں۔ ان ہی تہ
خانوں میں شاہی خاندان کے لوگ دفن
ہیں۔ ان میں جو مشہور ہیں ان
کے تعویذ اوپر کی منزل پر بنا دیئے گئے
ہیں۔ خود ہمایوں اور اس کی بیوی کی
قبریں بھی نیچے تہ خانے میں ہیں۔ اوپر
تو صرف تعویذ ہیں۔ شاہجہان کے بیٹے
اور اورنگ زیب کے بھائی داراشکوہ
کی قبر بھی یہیں ہے۔ لیکن اس کا ٹھیک
نشان کسی کو معلوم نہیں بادشاہوں
میں سے فرخ سیر، رفیع الدولہ
رفیع الدرجات اور عالم گیر ثانی بھی یہیں
دفن ہیں۔

تیسرے کی منزل میں جو در نظر آتے ہیں ان میں سے بیچ کے در میں سیڑھیاں ہیں ان ہی سیڑھیوں پر سے اوپر جاتے ہیں۔ اوپر بڑا لمبا چوڑا صحن ہے اور بیچوں بیچ میں مقبرے کی عمارت ہے۔ یہ عمارت بہت بڑی ہے لیکن ہر چیز کا جوڑ ایسا ملایا گیا ہے کہ بڑی سُبک معلوم ہوتی ہے۔ سارا مقبرہ تو لال اور سفید پتھر کا ملا ہوا بنا ہے۔ لیکن بیچ کا گنبد بالکل سفید پتھر کا ہے اس لئے موتی کی طرح خوب صورت معلوم ہوتا ہے

ہمایوں کی قبر تک جانے کے لئے سامنے جو دروازہ نظر آتا ہے۔ اس سے راستہ نہیں ہے بلکہ سیدھے ہاتھ کی طرف مڑنا پڑتا ہے مقبرے کے دکھن کی طرف جو دروازہ ہے اس میں گھستے ہی سامنے دو بڑی بڑی قبریں نظر آتی ہیں یہی ہمایوں بادشاہ اور اس کی بیوی کی قبریں ہیں۔ اندر سے بھی مقبرے کا گنبد بہت ہی مضبوط اور خوب صورت ہے۔ اس بیچ والے مقبرے کے چاروں طرف بہت سے کمرے ہیں۔ ان کمروں میں بھی اکثر بادشاہوں کی قبریں ہیں۔

دکھنی دروازے کے دونوں طرف زینے ہیں۔ ان سے لوگ اوپر چڑھ کر دور دور کی سیر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اوپر کے کمروں میں بھول بھلیاں ہیں۔ یعنی آدمی اوپر جاکر راستہ بھول جاتا ہے۔

یہ مقبرہ ایک لحاظ سے اور مشہور ہے۔ مغلوں کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر تھے جب انگریزوں نے دہلی پر حملہ کیا تو یہ بے چارے لال قلعہ سے بھاگ کر یہیں آکر چھپے تھے۔ کسی نے انگریزوں کو خبر کردی بس اُن کا ایک افسر میجر ہڈسن فوج لے کر یہاں آپہنچا۔ بادشاہ اپنے بال بچوں کو لئے اسی بیچ والے کمرے میں بیٹھے

تھے۔ قبر کے برابر اُن کی مسند بچھی تھی۔ اور وہ خود قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ میجر ہڈسن نے آکر انھیں گرفتار کرلیا اور قید کرکے برما بھیج دیا۔ ان بیچارے کا وہیں انتقال ہوا۔ اور وہیں قبر ہے۔

مقبرے کے باہر بھی بہت سی عمارتیں دیکھنے کے قابل ہیں مثلاً صفدر جنگ خاں کا مقبرہ، عرب سرائے جہاں عرب کے لوگ قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ حضرت شمس الدین کا مزار حضرت نظام الدین اولیا کے رہنے کا مکان

وغیرہ۔ وغیرہ

# ٹکٹ جمع کرنے والوں سے

شاد کمپنی اور افغانستان کے ٹکٹوں کے متعلق کئی جمع کرنے والوں کے خط آچکے ہیں۔ یہ ٹکٹ اُن میں تقسیم کردئے جائیں گے یہ تمام حضرات ۲ر کے ٹکٹ بھیج دیں ہم نے بچوں کے لئے شاد کمپنی کے کچھ اور بھی ٹکٹ خریدے ہیں۔ جنہیں یہ ٹکٹ منگوانا چاہیں تو ۲ر کے ٹکٹ ہمارے پاس بھیج دیں۔

# شہزادیِ گلنار

## ۳

(از جناب پروفیسر محمد عطاء اللہ صاحب ایم اے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

گلنار اسی جزیرے میں آرام کے ساتھ رہتی تھی ۔ عبادت کے سوا اسے کوئی کام نہ تھا ۔ چند ہی دنوں میں وہ بڑی پرہیزگار مشہور ہوگئی ۔ جس کسی کو تکلیف ہوتی وہ اس کے پاس دعا کرانے کو پہنچتے ۔ اور اسی کی دعا کی برکت سے لوگوں کے دکھ درد رفع ہوجاتے ۔ اور ہر قسم کی بیماریاں دور ہوجاتیں ۔ لطیف آباد کی بڈھی ملکہ نے اپنی دانائی سے پہچان لیا تھا کہ اس کے بعد صرف گلنار ہی لطیف آباد کی ملکہ ہونے کے لائق ہے چنانچہ اس نے ایک دن دربار عام کیا ۔ اور گلنار کو اپنا جانشین مقرر کردیا ۔ اس اعلان پر جزیرے بھر کی عورتیں خوش ہوئیں کیوں کہ گلنار سے بہتر ملکہ اُن کو میسر آنا محال تھا ۔ اس اعلان کے ایک سال کے اندر اندر ہی بڈھی ملکہ جنت کو سدھاری اور گلنار ملکہ بن کر تخت پر بیٹھی ۔ گلنار تھی آخر بادشاہ کی بیٹی ۔ حکومت کے سب ڈھنگ جانتی تھی اس نے ملک کے انتظام میں وہ سلیقہ برتا کہ دیکھتے دیکھتے وہ ملک نہال ہوگیا ۔ گلنار کی پرہیزگاری بھی ساتھ ساتھ بڑھتی گئی حتیٰ کہ اس کی دعا کی برکت

کی شہرت دور دور ملکوں میں پھیل گئی اور حاجت مند لوگ دور و نزدیک سے دعا کرانے کھنچے چلے آتے تھے۔

ایک دن ملکہ گلنار کی خدمت میں دربان نے عرض کی کہ شہر کی سرائے میں چھ مسافر اُترے ہوئے ہیں جو کسی دوسرے دیس سے آئے ہیں۔ اور ملکہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اُن میں سے ایک اندھا ہے ایک کوڑھی ہے۔ ایک کو مرگی کا مرض ہے۔ ملکہ نے حکم دیا۔ ان لوگوں کو حاضر کیا جائے جب وہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے تو ملکہ اور اس کی دربار والیاں ایسے پردے میں بیٹھی ہوئی تھیں جس میں سے وہ تو باہر والوں کو بہ آسانی دیکھ سکتی تھیں مگر باہر والے اُن کو دیکھ نہ سکتے تھے۔

مسافروں نے ملکہ کو جھک کر سلام کیا اور ملکہ نے اُن سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اُن میں سے ایک نے دوسروں کی طرف سے کہا۔ اے نیک دل ملکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا آپ کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ ہم بڑے پاپی ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کی معرفت خدا سے معافی مانگیں ملکہ نے کہا میں یہ معمّا نہیں سمجھتی۔ تم میں سے ہر ایک پہلے اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔ اس طرح کہ اس میں ذرہ برابر جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو پھر کوئی دوسری بات کروں گی۔

ایک نے بڑھ کر عرض کیا۔ ملکہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں اپنی حالت عرض کرتا ہوں۔ میں ایک سوداگر ہوں میری شادی کئی سال گذرے ایک ایسی خوبصورت شہزادی سے ہوئی جس کے سامنے پریاں بھی مات تھیں۔ اور اللہ نے خوبصورتی کے ساتھ نیکی سے بھی اس کو بہت حصہ دیا تھا مجھے کاروبار

کی ضرورت سے اپنے وطن سے باہر جانا پڑا اور میں اس کو بھائی کی حفاظت میں چھوڑ گیا۔ واپسی پر بھائی نے مجھے بتایا کہ وہ شہزادی میری طرف سے پھر گئی تھی اور ملک کے قانون کے مطابق اُسے زندہ گاڑ دیا گیا تھا۔ ہمارے لئے یہ بڑی بےعزتی کی بات تھی اور میرا بھائی اس رنج میں اس قدر رویا کہ اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔ آپ دعا فرمائیں کہ میرے اس بھائی کو کھوئی ہوئی بینائی واپس مل جائے۔

ملکہ نے سوداگر کو پردے کے اندر سے دیکھ لیا اور پہچان لیا مگر سوداگر کو کچھ علم نہ تھا کہ یہ ملکہ کون ہے۔ ملکہ نے پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ وہ شہزادی جسے زندہ گاڑ دیا گیا تھا تمھاری وفادار نہ رہی تھی تمھارا دل کیا گواہی دیتا ہے سوداگر نے جواب دیا ملکہ جب میں اس کی خوبیوں اور محبت کو یاد کرتا ہوں تو اس الزام کو مان لینے سے دل انکار کرتا ہے مگر کہنے والا بھائی ہے جو اُس کے پاس موجود تھا اس پر اعتبار نہ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حقیقت کیا تھی میرا دل ماننے کو تو نہیں چاہتا۔ ملکہ نے کہا اچھا میں اس معاملے پر غور کروں گی اور کل تم کو بتاؤں گی کہ تمھارے بھائی کے لئے میں دعا کرنے کو تیار ہوں یا نہیں۔

دوسرا مسافر بولا۔ حضور یہ میرا حبشی غلام کئی سال سے فالج میں مبتلا ہے میں نے اسے بچپن سے پالا اور بچوں کی طرح رکھا۔ دعا فرمایئے کہ خدا اس کو صحت دے۔ ملکہ نے پہچان لیا کہ یہ ڈاکوؤں کا سردار ہے جس کے یہاں وہ مہمان رہی تھی اور یہ بیمار اس کا وہی نالائق حبشی غلام ہے۔ ملکہ نے فرمایا اچھا تمھاری داستاں سن لی کل تم کو جواب دیا جائے گا۔

تیسرے مسافر نے اُٹھ کر کہا اے نیک دل ملکہ میں مرگی کے مرض میں گرفتار ہوں۔ دعا فرمائیے کہ خدا مجھے اس دکھ سے نجات دے۔ میں نے بہت سوچا ہے میں نے سوائے اس کے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کہ ایک خوب صورت لونڈی سے جو میں نے خریدی تھی سختی کا سلوک کیا یہ اس بدعملی کی سزا معلوم ہوتی ہے۔ چوتھا جھٹ بول اُٹھا بھائی اس نیک دل اور آزاد عورت کو جھوٹ موٹ میں لونڈی کہہ کر تمھارے ہاتھ بیچ دینے کی سزا مجھ کو دردِ گردہ کی صورت میں مل رہی ہے میرا گناہ تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس نیک دل عورت نے تو میری جان بچائی تھی۔ ملکہ پہچان گئی کہ یہ وہی بدمعاش ہے جس کی جان اس نے اس کا قرض ادا کرکے بچائی تھی۔

ملکہ نے یہ داستانیں سن لینے کے بعد کہا اچھا آج جاکر آرام کرو کل اسی وقت حاضر ہو۔ اندھا اور کوڑھی اپنی اپنی داستان سچ سچ سنادیں تو وہ بھی میری دعا کے مستحق ہیں۔ لیکن اگر وہ جھوٹ بولیں گے تو اُن کو سزا دی جائے گی اور خدا اُن کو سب کے سامنے رسوا کرے گا۔ میں ان کی سب حقیقت سے واقف ہوں۔ جن لوگوں نے سچ سچ کہہ دیا ہے اُن کے لئے آج ہی دُعا کروں گی۔

جب سب مسافر سرائے میں واپس آئے تو سچ کہہ دینے والے خوش تھے اور اُن کو صحت یابی کا یقین تھا۔ مگر اندھا اور کوڑھی دونوں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔ وہ ایک مصیبت میں گرفتار تھے۔ سچ کہیں تو عمر بھر کی بے ایمانیوں کا پول کھلتا ہے جھوٹ کہیں تو ملکہ کی طرف سے ٹوک اور سختی کا ڈر ہے۔

انھوں نے کچھ کھایا نہ پیا اور مارے

غم اور ندامت کے ادھ موئے ہوگئے دوسرے دن دربار میں جو پہنچے تو پہلے بے اختیار اندھے نے اپنی بدمعاشی اور بھاوج کی بے گناہی کی داستاں سنادی ابھی وہ ختم بھی نہیں کرنے پایا تھا۔ کہ اس کا بھائی کوستا ہوا اُس پر حملہ کرنے کو دوڑا اور کہنے لگا ملکہ اس اندھے کے لیے دعا کیجئے کہ یہ اپاہج بھی ہوجائے۔ مجھ پر اور میری بے گناہ بیوی پر اس نے جو ظلم توڑا ہے اس کی تو یہ کچھ بھی سزا نہیں اسی طرح جب حبشی غلام نے شہزادی کی بے گناہی اور اپنی کمینگی کا اقرار کیا تو ڈاکو سردار کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور وہ غلام کی طرف لپکا کہ ایسے پاجی کا گلا گھونٹ دے ملکہ کے حکم سے دربار میں سناٹا چھاگیا۔ ملکہ نے کہا میں اب سب کے لئے دعا کروں گی کیونکہ سب نے اپنے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا ہے یہ کہنے کے بعد ملکہ نے زردار اور ڈاکوؤں

کے سردار سے کہا آپ لوگ کل پھر تشریف لائیں اور میرے ساتھ کھانا کھائیں دونوں نے ملکہ کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے دن وقت پر حاضر ہوئے ملکہ نے دونوں سے باتیں شروع کیں اور زردار سے پوچھا آپ کے لئے دعا کروں کہ آپ کو اور بیوی مل جائے۔ زردار نے کہا۔ حضور اب دوسری بیوی نہ گلنار ہوسکتی ہے اور نہ میں کسی اور کی خاطر اس کی یاد کو بھلاکر ایک جنجال میں پھنسنے کے لئے تیار ہوں۔ ملکہ نے کہا "خدا بڑا داتا ہے اس کے ہاں کیا کمی ہوجائے گی۔ اگر گلنار ہی تم کو مل جائے۔ سردار سے پوچھا اچھا آپ کے لئے دعا کروں کہ خدا آپ کو اور بیٹا دے۔ سردار نے عرض کیا" بیٹا تو خدا کے فضل اور آپ کی دعا سے مجھے مل بھی چکا ہے میری انتہائی خواہش یہی ہے کہ میں اس شہزادی کی دوبارہ زیارت کروں تاکہ اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں۔ ملکہ نے کہا

بہتر، تو پھر دونوں کے لئے دعا کروں!! شہزادی نے ہاتھ اٹھاکر کہا:-
"اے وہ خدا جو سب طاقتوں کا مالک، اور انسان کا آخری سہارا ہے اے وہ جو بچھڑے ہوؤں کا ملانے والا کھوئے ہوؤں کا دلانے والا اور درد بھری صداؤں کا سننے والا ہے۔ اپنی سچائی اور اُن کی سچی طلب کے صدقے زردار کو گلنار اور سردار کو شہزادی دکھادے"

زردار اور سردار ابھی آمین بھی نہیں کہنے پائے تھے کہ ملکہ نے درمیان سے پردہ ہٹادیا۔ اور اس کے ہٹتے ہی ان دونوں آدمیوں کی نظر میں خدا کی خدائی ہی کچھ اور ہوگئی۔

# لالچ

ایک آدمی کے پاس ایسی مرغی تھی جو سونے کا انڈا دیتی تھی۔ وہ ان انڈوں کو بہت بڑی رقم پر فروخت کرتا تھا۔ اور ایک ایسی بطخ بھی تھی۔ جو چاندی کا انڈا دیتی تھی اس آدمی کے دل میں لالچ سماگیا اور اس نے کہا کہ "اگر اس مرغی کا پیٹ چیرا جائے تو اس کے پیٹ سے بہت سے انڈے مل جائیں گے۔ اور ان سے بڑی رقم مل جائے گی"

یہ سوچ کر اس نے چھری نکالی وہ مرغی کا پیٹ چیرنا چاہتا ہی تھا کہ اتنے میں اس کا لڑکا آیا اور کہنے لگا۔ ابا آپ کیا کر رہے ہیں؟ باپ نے کہا بیٹا۔ مرغی کے انڈے نکالنے کی ترکیب بیٹا بولا تو میں بطخ کا پیٹ چاک کروں۔ باپ نے کہا اچھی بات ہے۔ دونوں نے مل کر بطخ اور مرغی کا پیٹ چاک کر دیا اور ان کو سونے کے انڈے ملے نہ چاندی کے

سچ ہے لالچ بری بلا ہے۔

(نیناد۔ میرٹھی)



# گرمیوں کی رات

(محوی، صدیقی، لکھنوی، از مدراس)

کیا ہی گرمی پڑ رہی ہے آج کل — کل نہیں ملتی کسی کو ایک پل
ناک میں دم آگیا ہر ایک کا — جسم سے سیروں پسینہ بہ گیا
کروٹیں ہم ہیں بدلتے رات بھر — کیا پسینے سے ہیں بستر تر بتر
ہر بچھونا چارپائی گرم ہے — چادریں، تکیے، رضائی گرم ہے
سوزنی ہو، یا چٹائی، یا دری — گرم ہونے سے الگ سب ہیں دھری
کروٹیں ہم ہیں بدلتے بار بار — اور ہیں اُٹھ کر ٹہلتے بار بار
ہم رہے بے چین آدھی رات تک — تب کہیں مشکل سے جھپکی ہے پلک
ورنہ گرمی سے کہاں آتی ہے نیند — لو کے اک جھونکے میں اُڑجاتی ہے نیند
خس کے پنکھے وہ بھی ہیں پانی سے تر — ہاتھ سے چھٹتے نہیں ہیں رات بھر
گرمی دانے جسم پر ہیں بے شمار — ہوتی ہے پھر ان میں کھجلی بار بار
پیٹھ رگڑی چارپائی سے تبھی — تن کو دم بھر کے لئے راحت ملی
دور ہو اللہ یہ گرمی کہیں — مینہ پڑجائے تو کچھ تر ہو زمیں

# قیمتی ٹکٹ

از جناب محمد شمیم صاحب - جامعی

مئی کے مہینے میں سلور جوبلی کے یادگاری ٹکٹوں کی اطلاع دی گئی تھی اس میں جن قیمتوں کا ذکر تھا اس میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے حکومت ہند نے جوبلی کی تاریخ سے کچھ دن پہلے اس کا اعلان کر دیا تھا اب ان سات قیمتوں کے ٹکٹ جاری ہوئے ہیں۔ ½ ، ۹ ، ۱ ، ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۸

مجھے امید ہے کہ اب تک تم نے یہ ٹکٹ جمع کر لئے ہوں گے۔ یہ ٹکٹ صرف تین مہینے جاری رہیں گے۔ ان پر ہندوستان کی مختلف عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ دو اور تین پیسے والے ٹکٹوں کے علاوہ بقیہ ٹکٹوں پر ہندوستان کے مشہور مذہبوں کے مقبول مندر یا عمارتیں ہیں جس کی تفصیل یہ ہے:-

۹ کے ٹکٹ پر بمبئی کا گیٹ وے آف انڈیا ، ۱ کے ٹکٹ پر کلکتہ کا وکٹوریہ میموریل ۱ کے ٹکٹ پر مدراس کا رامیشورم مندر ہندوؤں کا مشہور مندر ہے ۱½ کے ٹکٹ پر کلکتہ کا جین مندر یہ جینیوں کا مقبول مندر ہے ۲ کے ٹکٹ پر آگرے کا تاج محل - یہ گویا مسلمانوں کی مقبول عمارت ہے۔ ۳ کے ٹکٹ پر امرتسر کا گولڈن ٹمپل یا طلائی مندر یہ سکھوں کا مندر ہے ۸ کے ٹکٹ پر مانڈلے (برما) کا پگوڈا - یہ بدھ مذہب والوں کا مندر ہے ان ٹکٹوں میں ۲ اور ۳ والے ٹکٹ زیادہ کمیاب اور اس لئے زیادہ قیمتی ہو جائیں گے یہ ٹکٹ تمیں جس قدر مل جائیں سب جمع کر لو اور ان کا غیر ملکی یا ریاست حیدر آباد کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہو یا ۲ فی سینکڑہ کے حساب سے فروخت کرنا چاہو تو مجھ سے خط کتابت کرو۔[1]

(محمد شمیم)

اس مضمون میں ہم نے چند نئے لفظ استعمال کئے ہیں اگر یہ چل گئے اور جن کے معنی پہلے ہی سے بتا دینا ضروری ہے وراق - ٹکٹ جمع کرنے والا - وراقین (جمع) ٹکٹ جمع کرنے والے - وراقی ٹکٹ جمع کرنے کا شغل۔[2]

پچھلے مضمون میں ہم نے یہ بتانے کا وعدہ کیا تھا کہ کون کون سے ٹکٹ قیمتی ہو جاتے

[1] محمد شمیم جامعی - ڈاک خانہ ڈسنہ ضلع پٹنہ [2] یہ اصطلاحیں مضمون نگار صاحب نے وضع کی ہیں ہم ان کی پسندیدگی و ناپسندیدگی کے بارے میں دوسرے بھائیوں کی رائے بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس مضمون میں ہم نے انھیں

ہیں یہ مضمون اسی کے بارے میں ہے

کسی ٹکٹ کے قیمتی ہونے کی بنیادی وجہ اس کی کمیابی ہوتی ہے جو ٹکٹ جس قدر زیادہ کمیاب ہوگا اسی قدر زیادہ اس کی قیمت ہوگی۔ پچھلے مہینے ہم نے ایک ٹکٹ کی قیمت ایک لاکھ روپیہ لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے دوسرے ٹکٹوں کا اب تک پتہ نہیں چلا ہے۔

اب یہ پتہ لگانا کہ کون سے ٹکٹ قیمتی ہوتے ہیں یا کچھ دنوں میں ہو جائیں گے۔ تمہارے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ پھر بھی ہم موٹی موٹی باتیں تمھیں بتا دیتے ہیں

(۱) پرانے ٹکٹ :- شروع شروع میں لوگوں میں ٹکٹ جمع کرنے کا شوق پیدا نہیں ہوا تھا۔ یا ان کی تعداد بہت کم تھی اس وجہ سے پرانے ٹکٹ اکثر و بیشتر ضائع ہوگئے جو کچھ ادھر ادھر خطوط وغیرہ پر بچ گئے تھے اور ڈھونڈھنے والوں نے انھیں جمع کرلیا ہے اُن کی مانگ بہت زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے ان کی قیمت بھی بہت زیادہ ہے۔ پچھلے مضمون میں ہم نے چند پرانے ہندوستانی ٹکٹوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے تم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہو

۲۔ غلط چھپے ہوئے ٹکٹ۔ غلطی کرنا انسان کی فطرت ہے ٹکٹ بنانے والے انسان ہی ہوتے ہیں اس لئے کبھی کبھی ٹکٹ غلط بھی چھپ جاتے ہیں۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ مطبع ہی میں غلطی پکڑی جاتی ہے اور وہ ٹکٹ برباد کردئے جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی مطبع والوں کی نظر بھی چوک جاتی ہے۔ اور ٹکٹ فروخت ہونے لگتے ہیں لیکن جیسے ہی غلطی معلوم ہو جاتی ہے ٹکٹوں کے تاجر تمام ٹکٹ خرید لیتے ہیں اور ان کو بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے غلط ٹکٹ، استعمالی کم ملتے ہیں۔

غلطیاں مختلف قسم کی ہوتی ہیں کبھی رنگ غلط ہوتا ہے کبھی قیمت غلط ہوتی ہے

کبھی لفظوں کے ہجے غلط چھپ جاتے ہیں اس قسم کی غلطی ہندوستانی ریاستوں کے ٹکٹوں میں بہت عام ہے۔ کبھی "سروس" یا "سرچارج" الٹا چھپ جاتا ہے کبھی ٹکٹ دوبارہ چھپ جاتے ہیں

۱۸۸۵ء کا آدھ آنے کا ٹکٹ غیر استعمالی تین آنے میں ملتا ہے۔ لیکن اسی قیمت کا دوبارہ چھپا ہوا غیر استعمالی ٹکٹ تقریباً ساٹھ (۶۰) روپے میں ۱۹۲۱ء میں ایک آنے کے ٹکٹ پر "نائن پائیز" چھاپ کر تین پیسے میں بیچا جاتا تھا لیکن کچھ ٹکٹوں پر غلطی سے نائن، نائن "پائیز پائیز" چھپ گیا۔ ایسے ٹکٹوں کی قیمت تقریباً چالیس (للعہ۴۰) روپے فی غیر استعمالی ٹکٹ ہے۔

۴۔ عارضی ٹکٹ :- یعنی ایسے ٹکٹ جو فوری ضرورت کے لئے جاری ہوتے ہیں کسی دوسری وجہ سے بہت جلد بند ہو جاتے ہیں۔ ایسے ٹکٹ چند قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً :-

۱۔ جنگ کے زمانے میں فوجی ضرورتوں کے لئے ٹکٹ جاری ہوں یا کوئی حکومت کسی دوسری حکومت کے ملک پر قبضہ کر کے وہاں کے ٹکٹوں پر اپنا نام چھاپ کر چلانے لگے اور کچھ دنوں کے بعد اس حکومت کے ہٹ جانے سے پھر پرانے ٹکٹ بدستور چلنے لگیں تو ایسے عارضی ٹکٹ بہت قیمتی ہوتے ہیں ہندوستانی ٹکٹوں پر سی ای الیف یا آئی، ای، الیف لکھے ہوئے ٹکٹ اسی قسم کے ہیں۔

انگریزوں نے ۱۹۱۱-۱۳ء میں قسطنطنیہ پر قبضہ کرکے وہاں اپنے ٹکٹوں پر "C" لکھ کر جاری کیا تھا ایسے استعمالی ٹکٹ بہت قیمتی ہوتے ہیں۔

۱۹۱۸ء میں انگریزوں نے عراق پر قبضہ کرکے وہاں کے ترکی ٹکٹوں پر ان برٹش آکوپیشن (In British Occupation) لکھ دیا تھا۔ یہ ٹکٹ بھی قیمتی ہیں۔

# نڈر

## (۲)

(سید محمد ٹونکی صاحب بی اے جامعہ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ)

**صادق**:۔ ابراہیم تم نے دیکھا کہ لوگ کس بے خوفی سے اپنی گاڑیاں لے جاتے ہیں۔

**ابراہیم**:۔ مجھے تو یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں اور میں تو کچھ اور سننا چاہتا ہوں۔

**صادق**:۔ لو سنو، یورپ کی سب سے زبردست دوڑ لامان گرانڈ پری ہے جس میں عجیب و غریب حادثات پیش آتے ہیں۔ ایک چلانے والے کی گاڑی چلتے چلتے دیوار سے لگ گئی۔ گاڑی بہت تیز جا رہی تھی۔ جھٹکا ایسا لگا کہ چلانے والا ہوا میں اچھل گیا لوگوں نے بعد میں اس سے حادثے کی کیفیت دریافت کی تو اس نے کہا میرے حواس بالکل بجا تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ گاڑی کس طرح میرے نیچے سے نکلی۔ جس وقت گاڑی نکل رہی تھی تو مجھے پورا اطمینان تھا کہ میں زخمی نہیں ہونے کا۔ اس کے بعد ایک شخص فریڈی ڈکسن نامی کی گاڑی اچھلی اور ایسی اچھلی کہ وہ گاڑی سے اچھلا اور سڑک پر آ رہا۔ اسی

وقت کسی فوٹو والے نے اس کی تصویر لی اور دیکھا کہ وہ ہنس رہا تھا۔ لوگوں نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی اس نے کہا میرا مستری گھبرا گیا تھا مجھے اس کی گھبراہٹ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آئی

تم نے مردوں کے واقعات تو سن لئے اب میں تمھیں ایک عورت کا واقعہ سناتا ہوں۔

**ابراہیم:۔** ایسی عورتیں بھی نڈر ہو کر کام کرتی ہیں ہمارے ہاں کی عورتیں تو بجلی سے۔ آندھی سے اور اس قسم کی بہت سی باتوں سے ڈرتی ہیں۔

**صادق:۔** اس ڈرنے سے فائدہ نہیں نقصان ہوتا ہے نہ وہ خود کچھ کرتی ہیں اور نہ اپنے بچوں کو کچھ کرنے دیتی ہیں

**ابراہیم:۔** اچھا تو مجھے سنائیے کہ عورت نے کس بہادری سے دوڑ میں حصہ لیا

**صادق:۔** اُن خاتون کا نام سیکو ہے دوڑ میں حصہ لینے والے لوگ میدان کے چاروں طرف خیموں میں پڑے تھے پوری رات انھوں نے خیموں میں گذاری۔ دن نکلنے سے پہلے وہ لوگ تیار ہی ہو رہے تھے کہ گولے کے پھٹنے کی سی آواز آئی اس کے چند منٹ بعد صنوبر کے درختوں پر سرخی ہی سرخی تھی۔ آسمان کے سُرخ ہوتے ہی ہر شخص نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ کیا ہو گیا۔ جواب کون دیتا تھوڑی دیر تک تو سوالوں کی بوچھار رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ واقعہ معلوم ہونے لگا ہوا یہ کہ گاڑی نوے میل فی گھنٹے کی رفتار سے جا رہی تھی کہ سیکو کی موٹر کیچڑ میں پھسل پڑی۔ اس میں ایسا جھٹکا لگا کہ موٹر سڑک سے دور جا پڑی اور بڑے دہشت ناک شور کے ساتھ ایک بڑے موٹے صنوبر کے درخت سے ٹکرائی اور اس کو اس طرح

کاٹتی چلی گئی گویا وہ مکھن کا درخت تھا اس درخت کو کاٹ کر دوسرے کو ختم کیا اور تیسرے پر پہنچی تو وہاں رک گئی اسی درخت کے پاس وہ گر پڑی۔ اس وقت گاڑی جلتا ہوا ڈھیر تھا جس سے اس درخت میں آگ لگی اور تمام جنگل میں پھیل گئی

پہلا صنوبر کا درخت سڑک کے آر پار گرا تھا دوسری گاڑی اس کے پیچھے آرہی تھی جب درخت گر رہا تھا تو وہ اس کی شاخوں میں سے نکل گئی اگر گاڑی ایک لمحہ دیر میں آتی تو شاخوں میں دب جاتی اور چلانے والا مرجاتا۔

یہ تمام حادثات پیش آئے چار گھنٹے تک جنگل جلا کیا لیکن جب آگ بجھائی تو معلوم ہوا کہ سیکو بالکل محفوظ تھیں کیونکہ جب گاڑی لوٹی تو وہ اچھل گئی تھیں اسی لئے صاف بچ گئیں

ابراہیم:۔ سیکو تو خوب بچیں۔

**صادق**:۔ ہاں یہ بچنا اور صاف بچنا صرف اس لئے ممکن تھا کہ سیکو بے خوف رہیں اگر ڈر جاتیں تو پریشانی اور گھبراہٹ میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالتیں۔

اٹلی میں ایک ہزار میل کی دوڑ ہوتی ہے۔ ۱۹۳۲ء میں آنریبل برین لوئٹس نے بھی اس میں حصہ لیا یہ دوڑ بڑی صبر آزما ہوتی ہے خاص طور سے رات کے وقت جب گاڑی اپی نائن پہاڑوں میں رستہ بھٹک جائے۔ تاریکی میں اس نے معلوم کیا کہ گاڑی اچک گئی اور گاڑی پندرہ فٹ نیچے جاکر درخت سے ٹکرائی۔ اور وہیں رہ گئی۔ اس حالت میں لوئٹس کا بچنا سمجھ میں نہیں آتا لیکن نہ اس کے چوٹ آئی اور نہ اس کے مستری کے۔

لطیفہ یہ ہوا کہ لوئٹس اس خیال سے قریب کے گاؤں میں گیا کہ گاڑی پھر چل جائے۔ وہاں اشاروں کے ذریعے اسا

نے ایک شخص کو اپنا واقعہ سنایا۔ وہ شخص سمجھ گیا اور لوئٹس کو چوپال میں لے گیا۔ وہاں ایک مشہور مقرر لوئٹس کا ترجمان ہوا جس نے پندرہ منٹ تک دھواں دھار تقریر کی اس کی تقریر جتنی بڑھتی جاتی تھی لوئٹس کو غصہ آرہا تھا کہ دوڑ جیتنے کا موقع کم ہو رہا ہے لیکن کرتا کیا۔ مجبور تھا۔ آخر دیہاتیوں کی فوج لالٹینیں لے کر چلی اور گاڑی سڑک تک پہنچا دی۔

۱۹۳۱ء میں زیکو سلاویکیا میں دوڑ تھی ایک عارضی پل سڑک پر بنوا دیا گیا تھا۔ تاکہ تماشائی راستے پر سے جا بھی سکیں اور دوڑ بھی جاری رہے اس کی دوسری جانب گاڑیاں آ آکر جمع ہو رہی تھیں ان میں سے فجیا ڈلی کی گاڑی سب سے آگے تھی وہ پل سے ٹکرائی اور اس کو گرا دیا۔ اب دوسری گاڑیوں کے لئے راستہ بند تھا۔

اس کے چند گز پیچھے دوسری موٹر اتنی تیز آرہی تھی کہ رک نہیں سکتی تھی اس کے چلانے والے وارزی نے اپنا سر جھکایا اور گرے ہوئے پل پر زور سے حملہ کر دیا۔ اور دوسری طرف نکل گیا۔ گاڑی تو ٹوٹ گئی مگر وہ بچ گیا۔

دوسری گاڑی اسی کے پیچھے اسی میل فی گھنٹے کی رفتار سے آرہی تھی گرے ہوئے پل سے ٹکرائی اور آدھی دور تک تو چھیدتی ہوئی نکل گئی لیکن گاڑی پارہ پارہ ہو گئی۔ اس حالت میں بھلا چلانے والا کیا بچتا۔ جب گاڑی نکالی گئی تو چلانے والے کے بالکل چوٹ نہیں آئی۔

یہ نڈر شخص اسی ہفتے دوسری دوڑ میں شریک ہوا

ابراہیم :- سچ ہے اگر لوگ بے خوف ہو کر کام نہ کریں تو کسی قسم کی ترقی نہ ہو اور لوگ بے دل ہو کر بیٹھ جائیں۔

# گھڑی کی تاریخ

(از محمد احمد صاحب سبزواری - نائب مدیر - "نورس")

یہ تو اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ انسان نے کس زمانے میں وقت دیکھنے کا آلہ ایجاد کیا۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ گھڑی کی ابتدائی شکل وہ تھی جب کہ غاروں میں رہنے والے انسان درختوں کے سائے سے وقت معلوم کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ایک لکڑی کو بیچ میں لگا کر دو پتھر لگائے گئے جن کے درمیان لکڑی کا سایہ گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔ اور اِسی سے وقت کا اندازہ ہوتا تھا۔

گھڑی کی دوسری شکل دھوپ گھڑی ہے۔ اب گول دائرے کے چاروں طرف ۵ سے ۱ تک اور دوسری طرف ۱۲ سے ۶ تک نشان بناتے ہیں۔ اور دائرے کے مرکز پر ایک لکڑی لگاتے ہیں۔ اس طرح ہر گھنٹے کے بعد لکڑی کا سایہ ایک نشان پر پڑتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت کیا بجا ہے ہماری موجودہ گھڑی بھی اسی اصول پر بنائی گئی ہے۔ لیکن دھوپ گھڑی رات کے وقت کام نہیں دیتی اور سورج بادلوں میں چھپ جائے اس وقت بھی بے کار ہے۔ ان ملکوں میں تو اس سے کام ہی نہیں چل سکتا جہاں سورج بہت کم نکلتا ہے۔ رات کے وقت یا اندھیرے میں وقت دیکھنے

کے لئے پانی کی گھڑی ایجاد کی گئی ایک بڑے برتن میں پانی بھرا جاتا ہے اور اس کی تلی میں سوراخ کر دیا جاتا ہے۔ یہ سوراخ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ پانی کا ایک قطرہ کچھ وقفے سے گرے۔ چنانچہ اس وقفے کو منٹ کہا جاتا تھا برتن کے اندر نشان لگا دئے جاتے تھے اور یہ معلوم ہوتا رہتا تھا کہ اب کیا بجا ہے۔ پرانے زمانے میں یونانیوں کے یہاں عام جلسوں میں تقریر کرنے والوں کو اس کے حساب سے وقت دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ گھڑی صرف گرم ملکوں ہی میں استعمال ہو سکتی ہے۔ سرد ملکوں میں پانی جم جاتا ہے اور گھڑی بے کار ہو جاتی ہے۔

صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ موجودہ گھڑی جس میں کمانی، سوئیاں اور پہیے وغیرہ ہوتے ہیں کب ایجاد ہوئی لیکن خلیفہ ہارون رشید نے سنہ ۷۶۳ء میں بادشاہ چارلی مگن کو اس قسم کی گھڑی تحفے میں دی تھی۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد پوپ نے پےپن کو جو اس زمانے میں فرانس کا بادشاہ تھا۔ اس قسم کی گھڑی پیش کی جس زمانے میں رچرڈ اول بادشاہ انگلستان فلسطین پر صلیبی (مذہبی) لڑائیوں میں مشغول تھا اسی زمانے میں سارا سین لوگوں نے مختلف قسم کی گھڑیاں ایجاد کیں۔ تیرھویں صدی کے آخر میں بہت سی گھڑیاں اٹلی میں تیار کی گئیں یہ نئی ایجاد بہت جلد دوسرے ملکوں میں پھیل گئی اور سنہ ۱۲۲۶ء میں ویسٹ منسٹر (جو لندن کا بہت بڑا گرجا ہے) کے مینارے پر ایک گھنٹہ لگایا گیا جسے بعد میں مشہور گھڑی "بگ بین" سے تبدیل کیا گیا۔ چودھویں صدی کے شروع میں اکثر انگریزی گرجاؤں کے اوپر اس قسم کی گھڑیاں لگائی گئیں جن میں سے

اکثر آج تک کام کر رہی ہیں۔

تم نے بڑے اور چھوٹے گھنٹوں میں ایک چیز لٹکی ہوئی ہلتی ہوئی دیکھی ہوگی اس کو لنگر یا پنڈولم کہتے ہیں اس ایجاد کا سہرا اٹلی کے مشہور سائنس داں گلیلو کے سر ہے اس کا مفصل حال ہم پھر بتائیں گے۔ ایک دن یہ سائنس داں گرجا میں بیٹھا تھا کہ اس کی نظر چھت میں لٹکے ہوئے ایک لیمپ پر جا پڑی اس نے اس وقفے کو اپنی نبض کے وقفے سے ملایا۔ اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ مگر وقفہ ایک ہی رہتا ہے۔ اس سے گھڑیوں کے بنانے میں بہت آسانی پیدا ہوگئی

سنہ ۱۵۷۰ء میں اسٹراس برگ میں ایک دل چسپ گھڑی تیار ہوئی انگریز لوگ حضرت عیسیٰ کے بارہ دوستوں اور ساتھیوں کو مانتے ہیں اور ان کو "حواری" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس گھڑی میں ہر ایک گھنٹے پر ایک حواری باہر نکلتا تھا اور بارہ بجے سب حواری حضرت مسیحؑ کے سامنے سے گذرتے تھے۔

سنہ ۱۹۲۷ء تک یہ گھڑی دنیا کی عجیب وغریب گھڑی سمجھی جاتی تھی لیکن اس سال ڈائنا میں ایک دوسری گھڑی ایجاد ہوئی ہے جس میں ہر گھنٹے کے بعد ایک مشہور تاریخی آدمی باہر آتا ہے۔ اور اس کی آمد پر گیت گایا جاتا ہے۔ ہر شخص کا گیت دوسرے سے الگ ہوتا ہے۔

ایک شخص نے بانس کی گھڑی بھی بنائی تھی اس میں سب چیزیں بانس کی تھیں۔ مگر یہ گھڑی برسات میں خراب ہو جایا کرتی تھی۔ ایجاد کرنے والے نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ اس خرابی کو دور کرے اس لئے یہ گھڑی ختم ہوگئی اگر وہ کوشش کرتا تو ضرور کامیاب ہوتا۔

# حافظ دھنّا

(از جناب مرزا ظفر حسین بیگ صاحب سیفی - دہلوی)

نام نیکو رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کا قول ہے کہ بزرگوں کے نیک نام کو ضائع نہ ہونے دو - تاکہ تمھاری نیک نامی بھی برقرار رہے - اس لئے ہم تمھارے سامنے کبھی کبھی نیک اور اچھے لوگوں کے حالات بیان کیا کریں گے -!

دلّی کے پرانے حافظوں میں شاذ ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے حافظ دھنا کا نام نہ سنا ہوگا ، سانولا رنگ ، بھاری بھرکم ، چھوٹا سا قد ، موٹے موٹے ہونٹ اونچی پیشانی چہرے پر چیچک کے گہرے گہرے داغ اور آنکھوں سے نابینا تھے کہتے ہیں جوانی میں چیچک سے آنکھیں جاتی رہی تھیں - الٰہی بخش ان کا اصلی نام اور قوم کے بھشتی تھے -

وہ خود کہا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میرے والد کسی بات پر بہت خفا ہوئے - اور مجھے مار کر گھر سے نکال دیا - میں گھر سے نکلا تو اس حال میں کہ کندھے پر ایک مشکیزہ اور آدھ آنے والا ایک پیسہ (یعنی ادھنا) میری انٹی میں تھا چند روز اِدھر اُدھر یا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پیاسوں کو پانی پلاتا پھرا ، پھر جو ، ترنگ سوجھی تو دلی پیاری کو سلام کر ، پردیس کا رستہ لیا - اور اسی حالت سے گھاٹ گھاٹ کا پانی

پتیا پلاتا اور شہر در شہر کی سیر کرتا کراتا بمبئی پہنچ گیا۔ وہاں شوق نے زیادہ پاؤں پھیلائے تو جہازیوں میں نام لکھا حج کے ارادے سے مکہ معظمہ جا پہنچا۔ اسی طرح حاجیوں کی خدمت کرتا، جو کچھ ٹکڑا پارچہ کوئی دے دیتا اس سے اپنا پیٹ پالتا حج کرکے وطن واپس ہوا دلی پہنچا تو وہی ادھنا پیسہ جو گھر سے نکلتے وقت میرے پاس تھا۔ اب بھی بطور تبرک انٹی میں موجود تھا۔

دلی کے لوگ ہمیشہ ہی سے خوش طبع اور من چلے واقع ہوئے ہیں بعض شریر شاگردوں نے یہ قصہ سنا تو اسی دن سے اُن کا نام حافظ اَدھنّا یا حافظ دھنّا مشہور کردیا۔!

ان ہی حافظ دھنّا کے ایک شاگرد رشید حافظ الٰہ بخش ان کے گھر سے نکلنے کے واقعے کو دوسری طرح روایت کرتے ہیں۔ اور بھی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ ۱۸۵۷ء عیسوی کے زمانۂ انقلاب میں میرے استاد حافظ دھنّا کی عمر زیادہ نہ تھی، تیرہ، چودہ برس کا سن ہوگا۔ مسیں بھیگ رہی تھیں شہر میں بھاگڑ مچی تو جس کے جہاں سینگ سمائے چل دیا۔ ان کے والد بھی اپنے بال بچوں کو لے کر دلی سے نکل گئے۔ یہ بھی بے ٹھکانا ہو کر عرصے تک اِدھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے کہ ان کے باپ کا ایک واقف کار مل گیا۔ اس نے انھیں دیکھتے ہی کہا:۔

"میاں الٰہی بخش۔ تم اچھے مل گئے اگر نوکری کرو تو اس وقت بڑا اچھا موقع ہے"

یہ بولے:۔

"کیا مضائقہ ہے"

اس نے کہا:۔

"اس وقت قلعہ معلی میں فرنگیوں کا عمل دخل ہوگیا ہے۔ بادشاہ سلامت

حضرت ظفر بہادر شاہ کو نظر بند کر لیا ہے ، تمام
بیگمات کو الگ ایک جگہ قید کر رکھا ہے
وہ پردہ کرتی ہیں اور اُن کے پاس کسی
کے آنے جانے کی اجازت نہیں اس
لئے اُن کے پانی پلانے کے لئے صرف
ایک لڑکے کی ضرورت ہے ۔ میرے
ساتھ چلو تو آج ہی تمھیں سارجنٹ سے
ملادوں "

یہ راضی ہوگئے اور قلعہ میں
بیگموں کے پانی پلانے پر نوکر ہوگئے
جس کنوئیں سے ان کو پانی لانے کا
حکم دیا گیا تھا اتفاق سے اس کا پانی
کھاری تھا ۔ وہ ناز کی پلی ہوئی بدنصیب
بیگموں سے پیا نہ جاتا تھا ۔ وہ اس
سقہ بچہ کی خوشامد کرنے لگیں ۔

" بھیا ۔ الٰہی بخش ہم سے یہ نمکیں
شور پانی نہیں پیا جاتا ۔ اگر ہو سکے تو
ہم کو کہیں سے میٹھا پانی لا کر پلا جایا
کرو "

قلعہ کے اندر دوسرے سرے پر
ایک کنواں میٹھے پانی کا بھی تھا میاں
الٰہی بخش کبھی کبھی سب کی آنکھ بچا کر
ایک مشکیزہ اس میں سے بھر لاتے اور
آڑ میں چھپا کر رکھ دیتے اور دوسری
مشک کھاری پانی کی بھر کر اسی کنوئیں
پر تیار رکھتے ۔ سارجنٹ خود آکر اس
مشک کے پانی کو چکھتا اور وہی کھاری
پانی بیگمات کو پلانے کا حکم دے کر چلا
جاتا ۔ یہ اس کی پیٹھ پھرتے ہی اپنا
چھپا ہوا مشکیزہ اٹھا کر محل سرا میں
جا پہنچتے ۔ غریب بیگمات میٹھا اور ٹھنڈا
پانی پی کر اِن کو دل سے ہزاروں دعائیں
دیتیں اور رو رو کر کہتیں :۔

" میاں ہم بے کس و بے بس ہیں
اس احسان کا بدلہ تمھیں کیا دیں ۔ اور
یہاں ہمارے پاس کیا رکھا ہے ۔ یہ
جو کچھ زیور ہے اسے لے جاؤ ۔ تمھاری ۔
اولاد تک کے کام آئے گا ۔ اب ہمارے

لئے یہ بے کار ہے۔ جان جوکھوں کی چیز ہے۔ موئے فرنگی اسے دیکھیں گے تو زبردستی ہم سے چھین لیں گے۔ تم بھی اسے لے کر ہو سکے تو اس ملک سے نکل جاؤ اور خانہ کعبہ پہنچ کر ہمارے اور اپنے بادشاہ سلامت کے حق میں دعا کرنا۔"

غرض کسی بیگم نے جڑاؤ چمپا کلی ان کے حوالے کی کسی نے سچے موتیوں کا ہار۔ کوئی ہیروں کی پہنچیاں دے رہی ہیں۔ کوئی مرصع کنگن۔ میاں الٰہی بخش لاکھ انکار کرتے ہیں۔ مگر وہ نہیں مانتیں۔ آخرکار وہ سب چیزیں اپنی خالی مشک میں ڈال چپ چاپ قلعہ سے نکل آئے۔ چند روز بعد بادشاہ سلامت قید کر کے رنگون بھیج دئے گئے ان تیس چالیس بیگمات کا کچھ حال نہ کھلا کہ کیا ہوا۔ کوئی کہتا ہے کہ ان کو مار کر پرانے قلعہ کی باؤلی میں ڈال دیا گیا۔ اور گاؤں والوں کو اب بھی کبھی کبھی ان کی کوئی نہ کوئی چیز مل جاتی ہے۔ اور کوئی کچھ کہتا ہے غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔!

ادھر میاں الٰہی بخش کی نوکری بھی قلعہ سے چھوٹ گئی۔ کچھ دن تو یہ گھر میں بیٹھے رہے۔ پھر سفر کا سامان کر حج کے ارادے سے چل کھڑے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچ کر کچھ ایسا جی لگا کہ وہیں رہ پڑے۔ وہاں رہ کر انھوں نے قرآن شریف حفظ کیا۔ کئی قسم کی قرأت کے اصول سیکھے۔ اور کئی سال برابر محراب سنائی۔

بعد میں جب حضرت بہادر شاہ کی بیٹی راحت زمانی بیگم حج کر کے مدینہ منورہ پہنچی ہیں تو یہ بھی آمد کی خبر سن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب تک وہ بیگم وہاں رہیں یہ برابر ان کی خدمت کرتے رہے جب وہ واپس

آئیں تو ان کا دل بھی وہاں سے اُچاٹ ہوگیا۔ یہ بھی وطن لوٹ آئے اور اپنی عمر سکھ چین سے گذار دی۔

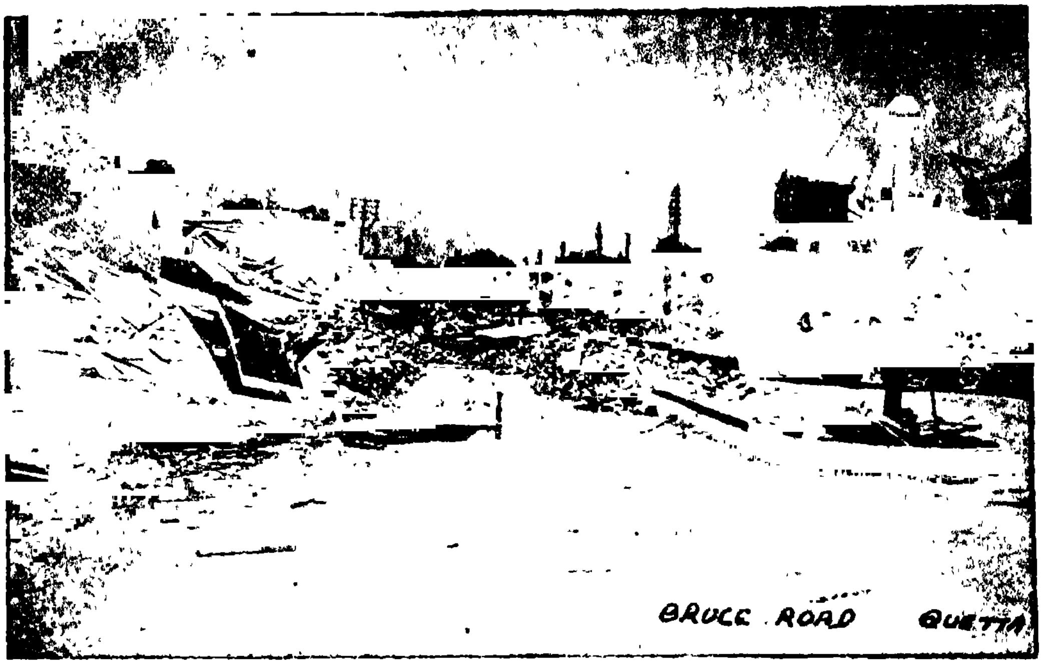
معلوم ہوتا ہے آدمی نہایت ہوشیار اور سمجھ دار تھے زمانہ خراب دیکھ کر انھوں نے زیور ملنے کا حال کسی پر ظاہر نہیں کیا بلکہ اپنے ذریعۂ آمدنی پر پردہ ڈالنے کے لئے ادھنے کا قصہ گڑھ کر سب کو سناتے رہے تاکہ لوگ ان کو قابل رحم ہی سمجھیں اور کسی کو اُن کے دولت مند ہونے کا شبہ تک نہ ہو۔!

حافظ دھنا دلی پہنچ کر جامع مسجد کے سامنے مچھلی والان کی مسجد میں بچے پڑھانے لگے یہ وہی مسجد ہے جس میں مولوی عبد الرحمٰن صاحب راسخ دہلوی مرحوم عمر بھر اپنے شیریں وعظ و کلام سے خلق خدا کو فائدہ پہنچاتے رہے اور اب عرصے سے ان کے شاگردِ رشید حاجی حافظ قاری مولوی احمد سعید صاحب دہلوی ناظم جمعیت علمائے ہند دہلی اسی مسجد میں وعظ و نصیحت سے مسلمانوں کو فیض عام پہنچا رہے ہیں یہ مسجد پہلے معمولی حالت میں تھی۔ مولانا احمد سعید صاحب نے غریب مسلمانوں کے چندہ سے اسے خوب صورت اور شان دار بنوا دیا ہے اور حوض کو بند کرانے سے گنجائش بھی کافی نکل آئی ہے

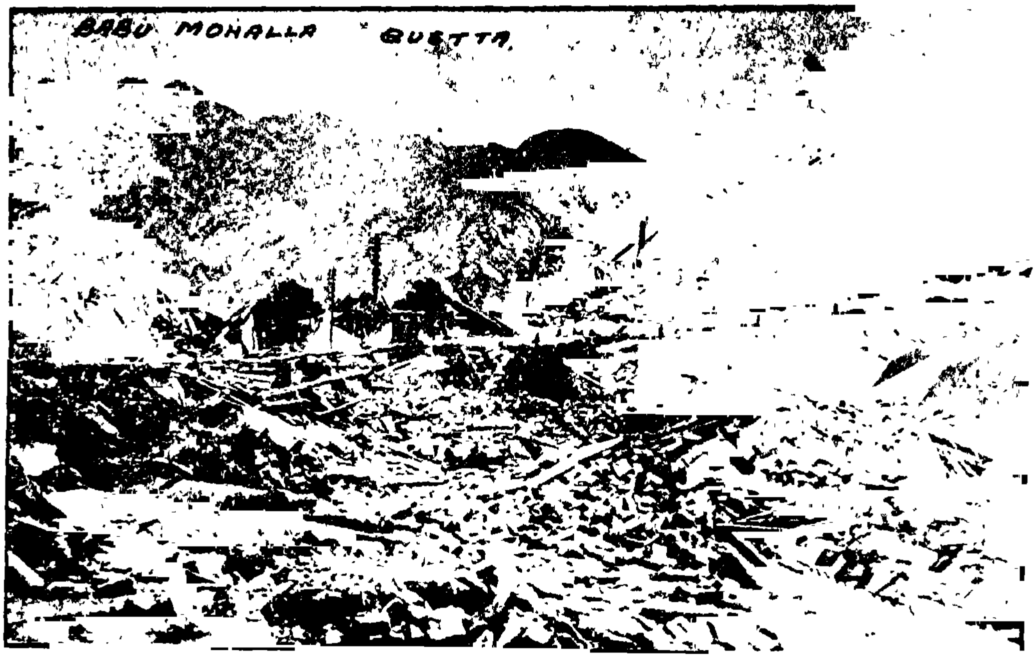
مختصر یہ کہ عرب سے واپس آکر حافظ الٰہی بخش عرف حافظ دھنّا نے شادی بھی کی اولاد بھی ہوئی۔ لیکن سب اولادیں ان کے سامنے ہی ختم ہوگئیں۔ اسّی برس کے قریب عمر پائی۔ ان کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی تھی شاگردوں کے ساتھ نہایت خلوص اور محبت سے پیش آتے تھے۔ مزاج میں قدرے مذاق بھی تھا۔ آخر میں ان پر فالج کا اثر ہوگیا تھا جس روز ان کا انتقال ہوا سارا شہر اُمنڈ آیا رات بھر ایک سو کے قریب حافظوں نے قرآن خوانی کی حضرت باقی باللہ صاحبؒ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔



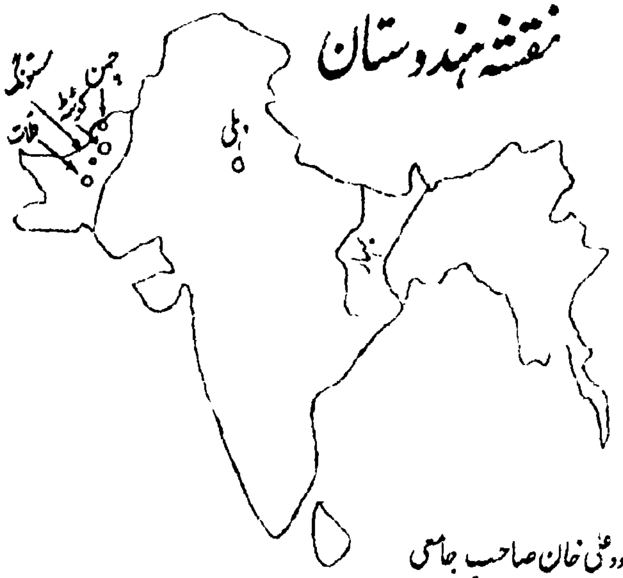
[illegible] کے میدان میں [illegible]




کوئٹے کی ایک سڑک (بروس روڈ) کا منظر




کوئٹے کا بابو محلہ جو بالکل تباہ ہوگیا




# کوئٹہ کا زلزلہ

از جناب محمود علی خان صاحب جامعی

ابھی بہت دن کی بات نہیں ہے۔ تمھیں یاد ہوگا کوئی سال بھر ہوا کہ بہار میں بڑا زبردست زلزلہ آیا تھا سینکڑوں مکان گرگئے تھے۔ اور ہزاروں آدمی دب کر مرگئے تھے پچھلے سال کے فروری کے پرچے میں ہم نے اس کا حال بھی لکھا تھا سارے ہندوستان میں ان مصیبت کے ماروں کے لئے روپیہ بھی جمع ہوا تھا۔ اور ان کی مدد کا کام ابھی تک جاری تھا کہ خبر ملی کوئٹہ بلوچستان میں بھی زلزلہ آگیا۔ اللہ میاں ہمیں تمھیں سب کو ہر بلا سے اپنی امان میں رکھے۔

اس مضمون کے ساتھ ہم نے ایک نقشہ بھی دیا ہے۔ اس میں دیکھو بلوچستان ہندوستان کے بالکل پچھم میں ایک کونے میں واقع ہے۔ اس کے اُتر میں سرحد کا صوبہ پچھم میں افغانستان، دکھن میں بحر عرب اور پورب میں پنجاب ہے۔ کوئٹہ اسی

بلوچستان کی راجدھانی ہے یہاں صوبے کے سب سرکاری افسر رہتے ہیں۔ یہ چھاؤنی بھی ہے اس لئے یہاں بہت سی فوج اور ہوائی جہاز بھی رہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ۳۰ اور ۳۱ مئی کی بیچ کی رات میں کوئی پونے تین بجے جب سب لوگ میٹھی نیند سو رہے تھے بڑے زور سے زمین ہلی اور تین منٹ تک برابر ہلتی رہی لوگ گھبرا گھبرا کے اُٹھے لیکن ابھی اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ بھی نہ پائے تھے۔ کہ مکان اور عمارتیں اوپر آ گریں اور بیچارے وہیں کے وہیں دب کے رہ گئے۔

کوئٹہ کی آبادی کوئی چالیس ہزار کے قریب ہے اس میں سے تیس ہزار آدمی مکانوں کے نیچے دب گئے باقی جو دس ہزار بچے ان میں سے بھی چار ہزار کے قریب سخت زخمی ہوئے

اللہ کی قدرت دیکھو کہ ذرا سے جھٹکے سے ہزاروں کی مٹی عزیز ہوگئی اور ہزاروں بے گھر ہوگئے۔ انھیں اپنے بال بچوں کے مرنے کا غم الگ ہے اور اپنے گھربار کی بربادی کا رنج الگ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی حالت بالکل پاگلوں کی سی ہوگئی ہے۔

کوئٹے کا زلزلہ بہار کے زلزلے سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے کیونکہ بہار کے مقابلے میں جان و مال کا یہاں بہت زیادہ نقصان ہوا۔ لوگوں کا اندازہ ہے کہ صرف عمارتوں کا نقصان ۳ کروڑ روپے ہوا ہوگا۔ ان کے نیچے مال و اسباب جو کچھ دب گیا ہے وہ الگ رہا۔

کوئٹہ کئی حصوں میں آباد ہے یعنی خاص شہر جہاں عام ہندوستانی آبادی ہے۔ سول لائن جہاں بڑے بڑے افسر رہتے ہیں چھاؤنی جہاں ریل کے ملازم رہتے ہیں۔ اور شہر کے باہر آس پاس

کی آبادی جہاں دیہاتی رہتے ہیں۔

یہ سب کے سب علاقے بالکل تباہ ہوگئے۔ خاص شہر کا تو یہ حال ہے کہ مٹی کے اونچے نیچے ڈھیروں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ جدھر بھی جاؤ یہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آخر کس محلے یا کس بازار میں سے گذر رہے ہیں۔ سول لائن کے بھی سب بنگلے اور سرکاری عمارتیں گر گئیں۔ اور بہت سے افسر دب کر مر گئے اور زخمی ہوئے چھاؤنی میں اتنا زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ ہاں ہوائی جہازوں کے محکمہ کو کافی نقصان پہنچا۔ بہت سے ہوائی جہاز ٹوٹ گئے اور ۴۰ ہوا باز دب گئے۔ ۲۰، ۲۰ لاپتہ ہیں۔ ریلوے کا علاقہ بالکل برباد ہوگیا۔ سارا اسٹیشن گر پڑا۔ ریلوے کے ملازموں کے مکان بھی گر گئے اور کوئی بارہ میل تک ریل کی پٹری اکھڑ گئی۔ آس پاس کے گاؤں میں بھی بہت سے آدمی مرے۔ اور زخمی ہوئے اس کے علاوہ شہر کی ساری پولیس تباہ ہوگئی محکمہ بھر میں شاید تھوڑے سے آدمی بچ رہے ہوں تو بچ رہے ہوں اسی طرح ڈاک خانے اور تار گھر بھی برباد ہوگئے سب تار ٹوٹ گئے اور ڈاک کا سلسلہ بالکل بند ہوگیا۔ اسی لئے وہاں سے جو خبریں آتی ہیں وہ یا تو ہوائی جہاز کے ذریعے سے یا وائرلیس (بے تار کی تار برقی کے ذریعے سے) البتہ یہ کوشش ہو رہی ہے کہ جلد سے جلد ڈاک اور تار کا انتظام ٹھیک کر دیا جائے۔ اب ٹھیک ہوگیا

زلزلے کے بعد فوج کی طرف سے فوراً کھدائی شروع ہوگئی اور جو لوگ دبے ہوئے تھے اُن کو آٹھ آٹھ گھنٹے کے بعد تک نکالا گیا۔ سچ ہے جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ اس کے بعد جو لوگ بچ رہے تھے ان کی مرہم پٹی کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام

شروع ہوا ۔ چاروں طرف سے ڈاکٹر
اور نرس کافی تعداد میں وہاں پہنچ گئے
اور سب جگہ ان کی مدد کے لئے روپیہ
جمع ہونے لگا

خاص کوئٹے کے علاوہ قریب کے
دوسرے شہروں میں زلزلے کا اثر ہوا
وہیں ایک جگہ مستونگ ہے اس میں
بھی دس ہزار آدمی دب گئے ۔ قریب
ہی قلات کی ریاست ہے یہ بھی بالکل
تباہ ہوگئی اور ہزاروں آدمی مرگئے یہاں
کے نواب صاحب کو "خان" کہتے ہیں

اُن کا محل بڑا خوب صورت تھا وہ بھی
گرپڑا لیکن وہ اتفاق سے دوسری
جگہ تھے اس لئے بچ گئے ۔

بلوچستان کے علاقے میں یہ کوئی پہلا
زلزلہ نہیں ہے یہاں اکثر زلزلے آتے
رہتے ہیں ایک زلزلہ ۱۸۹۲ء میں آیا تھا
دوسرا ۱۹۰۹ء میں ۔ تیسرا ۱۹۳۱ء میں
یہ چوتھا زلزلہ ہے ۔ عالموں کا خیال ہے کہ
کہ یہ پہاڑی علاقہ ہے ۔ اس لئے
یہاں کوئی نئی پہاڑی نکل رہی ہے
اسی وجہ سے بار بار زلزلے آتے ہیں ۔

## لطیفے

استاد ۔ بگلے کی گردن لمبی کیوں ہوتی ہے ؟
چھوٹا لڑکا ۔ تاکہ وہ پانی میں ڈوب نہ سکے ۔

باپ :۔ بیٹے ہاتھ منہ دھوکر کھانا کھاؤ
بیٹا :۔ ابا میں نے کل رات تو منہ ہاتھ دھولئے تھے ۔




جرمنی میں ایک ایسی گولی ایجاد کی گئی ہے جو چھ انچ موٹے لوہے کے آر پار ہو جاتی ہے ایک خود بخود چلنے والی مشین تیار کی گئی ہے جو ہوائی جہاز پر گولیاں چلانے میں بہت کارآمد ثابت ہوگی، ایک ایسا گولا تیار کیا گیا ہے جس میں زہریلی گیس بھری گئی ہے یہ دو سو میل کا علاقہ تباہ کرنے کے لئے کافی ہے

---

۱۹۳۷ء میں پیرس میں بہت بڑی نمائش ہونے والی ہے اس نمائش کے لئے دو ہزار تین سو فٹ اونچا مینار بنایا جا رہا ہے کوئی ۱۸۸۹ء میں بھی یہاں نمائش منعقد ہوئی تھی اس وقت ایفل ٹاور کے نام سے ایک مینار بنایا گیا تھا مگر یہ صرف ۹۸۴ فٹ اونچا تھا۔ نئے مینار کے سب سے اونچے حصے میں لائٹ ہوس ہوگا جس کی روشنی ۱۰۰ میل تک دکھائی دے گی

عام طور سے زمین کے تمام مقامات سے ۷ ہزار تارے دکھائی دیتے ہیں ایک مقام سے دو ڈھائی ہزار سے زیادہ تارے دکھائی نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ بہت سے تارے افق کے نیچے پڑ جاتے ہیں یا اس کے اتنے قریب ہو جاتے ہیں کہ دکھائی نہیں دیتے۔ البتہ خوردبین سے لاکھوں تارے دیکھے جا سکتے ہیں بعض جوتشیوں کا اندازہ ہے کہ کل تاروں کی تعداد تین ملین کے قریب ہے اس لئے سب تاروں کو دیکھنا ناممکن ہے۔

---

ملیشیا میں ایک قسم کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں جو درختوں پر رہتی ہیں۔

---

ولنگٹن کا ایک شخص جان ڈبلیو ہارٹن سیمنٹ کھاتا ہے۔ اسے لوگ لوہے کا آدمی کہتے ہیں۔

---

ایران کی حکومت ۱۳ کروڑ روپیہ خرچ کرکے موصل سے کر سمندر کے کنارے تک یعنی چھ سو میل دور کی بندرگاہ تک مٹی کا تیل پہنچانے کے فولادی نلوں کی ایک بڑی بھاری نہر بنوا رہی ہے۔ اتنی لمبی تیل کی نہر دنیا میں نہیں ہے۔

---

نیویارک کا ایک پہلوان اپنے ٹخنوں کو خم دئے بغیر ۶۲ منٹ اور گیارہ سیکنڈ میں جھک کر اپنے پاؤں کے پنجوں کو ۳۱۲۵ بار چھوتا ہے اب تک یہ اس طرح کے ایک کروڑ ۷ لاکھ ڈنڈ لگا چکا ہے۔

---

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ بجلی کی گرمی سے ہوا پھیلتی ہے۔ خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے اس پاس کی ہوا بڑی تیزی سے آتی ہے اسی سے بجلی کی کڑک اور چمک پیدا ہوتی ہے اب ایک دوسرا سبب معلوم کیا گیا ہے۔ یعنی جب بجلی کرۂ ہوا کو پار کرنے لگتی ہے تو ہوا کے ذرے گرم ہو ہو کر پھٹنے لگتے ہیں۔ بس ان ہی کے ایک دم زور سے پھٹنے پر آواز ہوتی ہے

---

الجیریا میں بربر قوم کی ایک رانی ہے اس کے چار سو خاوند ہیں جو بیڑے میں رہتے ہیں۔

---

یورپ میں پاسیر ہنسپر ایک ایسا لڑکا ہے جو دن میں بھی تارے دیکھ سکتا ہے۔

---

انگلینڈ کے ایک ہوٹل میں ایک ایسا طوطا ہے جو انگلینڈ بھر کے طوطوں سے ہوشیار ہے۔ یہ بہت سے عجیب و غریب کام کرتا ہے۔ مردہ بن جانا، دعا مانگنا۔ اپنے مالک کی ٹوپی اتار کر ٹھیک سے رکھ دینا ٹائی کھولنا، کوٹ واسکٹ کے بٹن کھولنا۔ گھڑی دیکھ کر وقت بتانا۔ ٹیلیفون سننا۔ جواب دینا بلی کی طرح بولنا، کتے کی طرح بھونکنا۔ وغیرہ اس کے عجیب و غریب کام ہیں۔

# خط کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم

افغانستان سے جو ٹکٹ آپ کے پاس آئے ہیں میری رائے یہ ہے کہ وہ آپ ایک ہی شوقین بچے کو نہ دیں بلکہ کئی شوقین بچوں میں بانٹ دیں میں بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوقین ہوں اس لئے چند ایک مجھے بھی عنایت فرمایئے۔ میں نے آپ کو ایک خریدار دیا تھا اس کے معاوضے میں مجھے اپنے بچوں کے اسمٰعیل نہیں بھجوائی

خاکسار محمد بشیر اعظمی۔ سیال کوٹ

(۱) افغانستان کے ٹکٹوں کے بارے میں کئی بچوں کے خط آچکے ہیں ہم ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکے ہیں

(۲) کتاب آپ کو بھیج دی گئی ہے (ایڈیٹر)

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

شمیم صاحب کو آپ کی ہدایت کے مطابق بھوپال کے چند ٹکٹ روانہ کردئے تھے شمیم صاحب نے جواب میں شکریہ ادا کیا کیوں کہ یہ ٹکٹ ان کے پاس نہیں تھے کچھ اور باتیں بھی دریافت کیں جن کا مفصل جواب دیا گیا کیں صاحب افغانستان، ایران وغیرہ ملکوں یا ہندوستانی ٹکٹوں میں ساماجہ نہیں اگر کبھی ایسے ٹکٹ آجائیں تو ادھر بھی بھیج دیا کیجئے

خدا کا شکر ہے کہ اس سال میں ایف اے سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوگیا۔ اب بی اے کا ارادہ ہے

اس امتیازی کامیابی پر دلی مبارک باد قبول فرمایئے ٹکٹ بھی حاضر کئے جائیں گے۔ (ایڈیٹر)

---

مکرمی۔ تسلیم

مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے اگر کوئی بھائی مبادلہ کرنا چاہیں تو کوئی پرانا ٹکٹ ہندوستان کا بھیج دیں انھیں افغانستان کے ٹکٹ روانہ کردئے جائیں گے۔ آج بہت سے خط ٹکٹ جمع کرنے کے بارے میں لکھ رہا ہوں۔ شاد کمپنی کے منیجر صاحب نے جو ٹکٹ آپ کو بھیجے ہیں وہ مجھے روانہ کردیں۔ اور آپ ٹکٹ جمع کرنے میں میری مدد فرمایئے۔ والسلام

خاکسار محمد فصیح اللہ پھلواری شریف۔ ضلع پٹنہ

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

آپ نے اپنے پرچے میں لکھا ہے کہ آپ کے پاس شاد کمپنی کے منیجر نے کچھ ٹکٹ بھیجے ہیں۔ آپ یہ کسی بچے کو بھیجنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ مجھ ہی کو ان کا مستحق سمجھیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔

خاکسار شام کمار جماعت دھم۔ پشاور

آپ کی طرح کئی بچوں نے خط لکھے ہیں۔ کوشش کی جائے گی کہ سب کو کچھ نہ کچھ مل جائے۔ (ایڈیٹر)

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا کچھ (؟) شوق ہے اور میں نے کئی قسم کے ٹکٹ جمع کئے ہیں ان میں ایک بادشاہ شریف علی کا ٹکٹ میرے پاس موجود ہے جس نے صرف ایک سال حجاز پر حکومت کی تھی۔ اب اس کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیا یہ ٹکٹ کسی پیامی بھائی کے پاس موجود ہے۔ والسلام

نقی اشرف دسنوی۔ شبلی منزل اعظم گڈھ

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

میں جامعہ ملیہ میں ایک سال پڑھ چکا ہوں مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ میرے پاس بہت کافی تعداد میں ٹکٹ موجود ہیں میں ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں کے شوقینوں سے خط کتابت اور ٹکٹوں کا مبادلہ کرنا

ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر آپ میرا پتہ پیامِ تعلیم میں شائع کردیں گے۔ والسلام۔ محمد محمود میمن جامعی۔ میمن منزل۔ معرفت مولوی میمن عبدالعزیز صاحب مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔

---

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم۔

پیامِ تعلیم کے ٹکٹوں والے مضامین کو میں بے حد پسند کرتا ہوں جس کی وجہ سے میری معلومات ٹکٹوں کے متعلق بہت وسیع ہوگئے ہیں میں بھی ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوقین ہوں، تقریباً تین سال سے یہ شوق جاری ہے۔ بہت کچھ حیدرآباد کے ٹکٹوں کا ذخیرہ ہوگیا ہے۔ اگر جناب مجھے یہ بتادیں تو مناسب ہوگا کہ ہندستانی دیسی ریاستوں کے ٹکٹ کس طرح حاصل کئے جاسکتے ہیں اور کون سے اچھے ٹکٹ البم میں لگائے جانے کے قابل ہیں میں ٹکٹوں کا مبادلہ بھی کرتا ہوں جواب کے لئے ایک آنے کا ٹکٹ ارسال ہے۔ والسلام۔ خاکسار عبدالخالق مکان نمبر ۱۰۰ محلہ جدید۔ نام پلی۔ حیدرآباد دکن

---

مکرمی۔ تسلیم

جون کے پیامِ تعلیم میں آپ نے افغانستان کے ٹکٹوں کا ذکر کیا ہے۔ مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے اور میرے پاس اب ۵۸ ملکوں کے ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں اگر آپ مہربانی فرماکر افغانستان کے ٹکٹ بھیج دیں تو ایک ملک اور بڑھ جائے گا۔ اس ملک کے ٹکٹ میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ فقط

اکبر بادشاہ۔ کوچہ زرد علی شاہ مکان نمبر ۱۱/۴۸ حیدرآباد دکن

---

مکرمی تسلیم

میں ٹکٹوں کا بہت شوقین ہوں چنانچہ میرے پاس تیس ملکوں کے ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں اگر آپ افغانستان کے چند ٹکٹ عنایت کریں تو ممنون ہوں گا میرا پتہ حسب ذیل ہے۔ والسلام

سید محمد موسیٰ معرفت سید قادر محی الدین مکان نمبر ۱۱/۴۸ حیدرآباد دکن

آپ دونوں کو اللہ نے چاہا تو تھوڑے سے ٹکٹ روانہ کردے جائیں گے۔

ایڈیٹر

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم

مجھے ٹکٹ جمع کرنے کا بے حد شوق ہے چنانچہ میرے پاس دو ہزار کے قریب ٹکٹ موجود ہیں میں ان ٹکٹوں کا دوسرے شوقین حضرات کے ٹکٹوں سے تبادلہ کرنا چاہتا ہوں براہِ مہربانی ان کے پتوں سے مطلع فرمائیے تاکہ براہِ راست خط و کتابت کے ذریعے اس سلسلے میں پورے حالات معلوم ہوجائیں۔

فاروق اسداللہ معرفت جناب محمد اسداللہ خاں صاحب اسسٹنٹ انجینر۔ نظام ساگر۔ حیدرآباد دکن

---

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

سید اطہر حسین صاحب سے گزارش ہے کہ وہ ان معلومات کو جو وہ ٹکٹ اور اس کے جمع کرنے والے بچوں کو بتانا چاہتے ہیں بذریعہ پیامِ تعلیم بتادیں تاکہ اُن سے تمام بچے آگاہ ہوسکیں علاوہ ازیں میرے پاس عراق کے ٹکٹ موجود ہیں جو صاحب لینا چاہیں یورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے مبادلے میں مجھ سے لے سکتے ہیں۔

خاکسار ناصر احمد۔ معرفت دی نیو اسٹوڈنٹس اردو بک ڈپو موہن لال روڈ۔ لاہور

---

انکھے عددوں کے نقش مربعے یا تعویذ افسوس ہے کہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اب ہم شائع نہیں کرسکتے یہاں ہم ان لوگوں کے نام لکھتے ہیں جنھوں نے اس مہینے اپنے نقش بھیجے ہیں۔

آیندہ سے یہ سلسلہ بند کیا جاتا ہے۔

محمد یوسف صاحب سیالکوٹی۔ عزیز احمد ارکوی، سید مجیب اشرف شہاب الدین صاحب سدی پیٹھ، مظہر حسین صاحب صدیقی، آگرہ محمد فصیح اللہ پھلواری، عقیدہ خاتون گیا، سید نقی اشرف۔ اعظم گڑھ ناصر احمد صاحب لاہور محمد حسین صاحب، سید حسن بخاری

# پیامِ تعلیم پر بچوں کی رائے

بہت سے بچوں نے اپنی اپنی رائیں پیامِ تعلیم کے بارے میں لکھ کر بھیجی ہیں ان کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔ بچوں سے ہماری درخواست ہے کہ اس قسم کے خط مختصر لکھا کریں ورنہ ہمیں ان کے چھاپنے میں بڑی مشکل ہوگی

(ایڈیٹر)

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

ماہرِ تعلیم صاحب، جناب شمیم صاحب اور دوسرے مضمون نگار بھائیوں کا شکریہ۔ ان کی بدولت ہمیں ایسے اچھے مضامین پڑھنے کو ملتے ہیں، انوکھے عدد، لال قلعہ اور ٹکٹوں والے مضمونوں کا سلسلہ برابر قائم رکھئے اگر آپ کچھ مذہبی مضمون بھی شائع کریں تو بہت اچھا ہو

خاکسار عزیز احمد شاکی۔ ارکوی

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم۔

انوکھے عددوں والے مضمونوں کا سلسلہ تو اس قابل ہے کہ ہمیشہ جاری رکھا جائے ہم ماہرِ تعلیم صاحب کا بہت بہت شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا

عثمان الرحمٰن نوشہ میرٹھ

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

ویسے تو اس پرچے کے سب ہی مضمون بہت اچھے ہیں مگر پروفیسر عطار اللہ صاحب کا مضمون مجھے خاص طور پر پسند آیا۔ آپ ان سے اور بھی ایسی ہی اچھی اچھی کہانیاں لکھوائیے۔

خاکسار احمد علی بیگ (خریدار)

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم۔

مئی کے پیامِ تعلیم میں مجھے یہ چیزیں پسند آئی ہیں:۔

(۱) ٹکٹ جمع کرنا۔ یہ مضمون بہت عمدہ ہے اس سے لڑکوں کو علمی کام کا شوق پیدا ہوتا ہے (۲) انوکھے عدد اس سے بچوں کی عقل میں ترقی ہوتی ہے بہتر ہو کہ آپ حسابی سوال بھی شائع کروائیں۔ (۳) قلعہ۔ یہ مضمون بھی بہت اچھا ہے اس سے ہمیں اس مشہور قلعے کے متعلق معلومات حاصل ہوتے ہیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ اس سلسلے کے بعد دنیا کے مشہور شہروں اور دنیا کی مشہور عمارتوں کے حالات شائع کریں۔ صحت کے متعلق بھی مضمون ہونے چاہئیں ان میں ایسی باتیں ہوں کہ بچے بڑی آسانی سے ان پر عمل کرکے ساری زندگی خوش و خرم رہیں۔ مزاحیہ مضامین بھی ہونے چاہئیں۔ اس میں ایسے قصے ہوں کہ بچے خوب خوب ہنسیں۔ تصویروں میں رنگ بھرنے کا سلسلہ بھی اچھا ہے مگر آپ کو اور قسموں کے انعامی مقابلے بھی کروانے چاہئیں۔ فقط

شام کمار جماعت دہم، پشاور

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

انوکھے عدد اور ٹکٹ جمع کرنے سے مجھے خاص دلچسپی ہے اس لئے یہ مضمون تو آپ ضرور لکھوایا کیجئے ۔ بادشاہوں کے پرانے زمانے کے قصے بھی۔ پروفیسر عطاء اللہ صاحب کی کہانیوں سے خاص طور سے دلچسپی ہے وہ ہر مہینے ایک یا دو کہانیاں پیام تعلیم کے لئے لکھوایا کریں تو کیا اچھا ہو۔ مئی کے پرچے میں ایک مضمون ہمارا سفر کے عنوان سے بھی ہے مجھے تو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوئی ۔ حاضر دماغ بکری کی طرح کے مضمون بھی لکھوایا کیجئے آپ کے مضمون نگاروں میں سب سے زیادہ پروفیسر عطاء اللہ صاحب کے مضمون پسند ہیں ۔ خاکسار رسید خلیل احمد ۔ دہلی

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

یوں تو پیام تعلیم کا ہر ایک مضمون اپنے اپنے لحاظ سے اچھا ہے مگر مجھے حاضر دماغ بکری والا بہت پسند آیا ہے میں نے تو اس سے کئی نتیجے نکالے ہیں اگر سب لکھ دوں تو پیام تعلیم کے کئی صفحے بھر جائیں ۔ اس لئے بس کرتا ہوں ۔

عبدالوالی ۔ حیدرآباد دکن

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

پیام تعلیم ایک دلچسپ رسالہ ہے اور دن بدن مفید اور دلچسپ ہوتا جاتا ہے ۔ انوکھے عددوں ۔ ٹکٹوں اور دہلی کی عمارتوں والے مضامین بے حد دلچسپ ہیں اور تعلیمی حلقوں میں انھیں بے حد پسند کیا گیا ہے معلومات کے صفحوں کے اضافے سے بھی مجھے بڑی خوشی ہوئی رسالے کو دلکش بنانے کے لئے ضروری ہے کہ عمدہ عمدہ سوالات کا حل معمے ، سائنٹیفک مضمون ، حفظان صحت کے تعلیمی و تاریخی مضمون شائع ہوں علاوہ اس کے آپ بچوں کے لئے کوئی مضمون نہیں چھاپتے ۔ ان کے لئے دستکاری سوزن کاری اور دوسرے مضمون چھاپا کیجئے ۔

(ناچیز محمد یوسف مدرس ۔ احمد پور شرقیہ)

---

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

پیام تعلیم میں یہ مضمون مجھے ناپسند ہیں ۔ انوکھے عدد ٹکٹ جمع کرنا ۔ یہ مجھے پسند ہیں ۔ حاضر دماغ بکری خوشحال اور اس کے بیٹے ۔ اچھا دوست سچا دوست ۔

محمد ادریس ۔ کلکتہ ۔

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

مجھے آپ کا رسالہ بہت پسند آیا ۔ جب ہم میں نے ٹکٹوں والا مضمون پڑھا ہے ۔ اسی وقت سے میں نے ٹکٹ جمع کرنے شروع کردئے ہیں ۔ میرے خیال میں دو ایک صفحے مذہبی مضمون کے بھی ہونے چاہئیں ۔

خواجہ اکرام احمد ۔ امراؤتی

---

جناب ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم تسلیم

مجھے کہانیوں کا بہت شوق ہے ۔ براہ مہربانی آپ بہت اچھی کہانیاں پیام تعلیم میں شائع فرمایا کیجئے

نظام الدین

# شکریہ

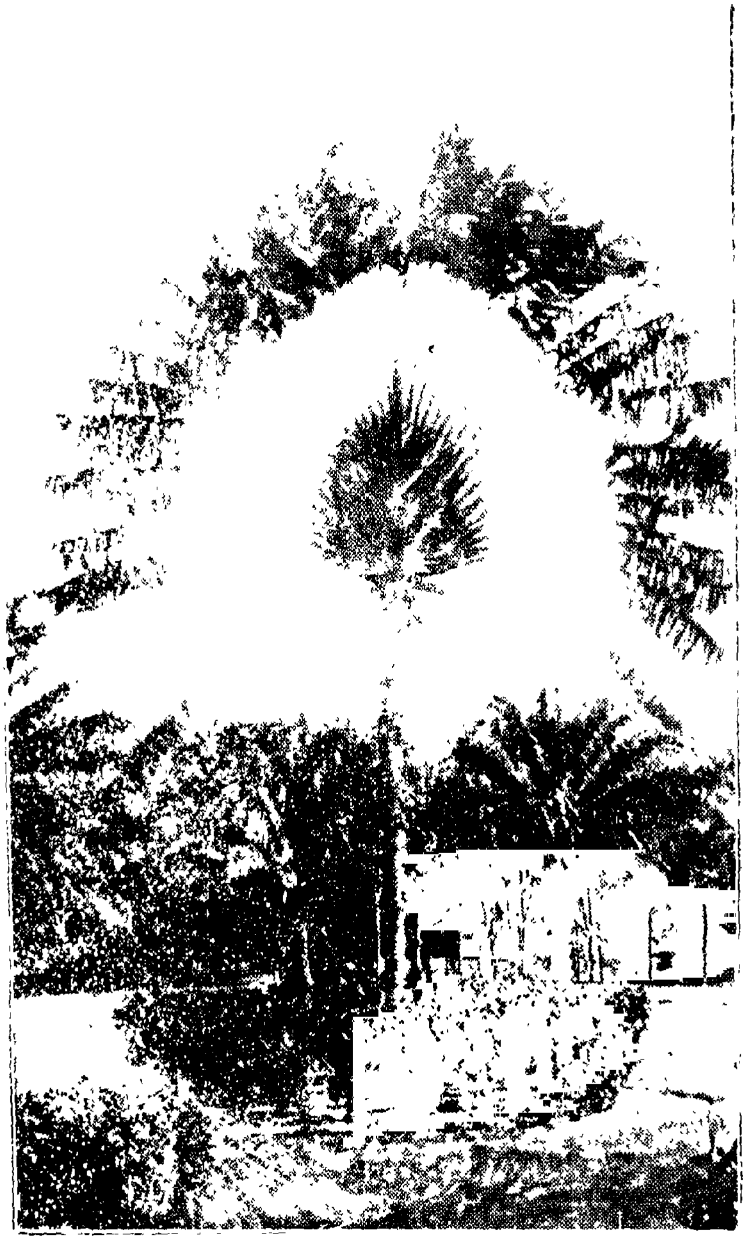
اس ماہ کا رسالہ طباعت کے لئے پریس میں جاچکا تھا کہ حیدرآباد سے خریداری کے متعلق کئی احکامات موصول ہوئے۔ الحمدللہ کہ جولائی کا مہینہ "پیام تعلیم" کے لئے بہت مبارک ثابت ہوا کہ یعنی علاوہ ان ۲۸ خریداروں کے جو متفرق طور پر بنے حیدرآباد کے ۲۲۵ مدارس کے نام رسالہ جاری کرایا گیا۔ ہمارے پاس افسران متعلق کے شکریے کے لئے الفاظ نہیں البتہ اُن کا ہم اپنے تمام کرم فرماؤں اور ہمدردوں کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر توجہ کی یہی صورت رہی تو وہ دن دور نہیں کہ "پیام تعلیم" بچوں کی کسی حقیقی خدمت کے لائق ہو جائے۔

جولائی میں سب سے زیادہ خریدار (۱۴۵) جناب مرزا محمود علی بیگ صاحب بی اے بی ٹی مہتمم تعلیمات ضلع نلگنڈہ نے مرحمت فرمائے۔ ہم آپ کے تہ دل سے ممنون ہیں جناب مولوی سید معین الدین صاحب بی ایس سی (علیگ) بی ٹی مہتمم تعلیمات ضلع ورنگل نے اب سے دو ماہ قبل جن پچاس مدارس کے نام رسالہ جاری کرانے کا خیال ظاہر فرمایا تھا ان کی خریداری کی باقاعدہ اطلاع دی اور رسالہ جاری ہوگیا۔ مولوی سید محمد علی بلگرامی صاحب بی اے (آنرز) بی، ٹی، مہتمم تعلیمات ضلع محبوب نگر نے (۲۱) خریدار عنایت فرمائے۔ اور جناب مولوی مہدی حسن صاحب زبیری۔ بی اے، بی ٹی مہتمم تعلیمات ضلع عثمان آباد نے (۱۹) مدارس کے نام رسالہ جاری کرایا۔ ان تمام حضرات کے ہم شکر گذار ہیں۔ کہ

ہماری درخواست کو قابل قبول سمجھ کر بزرگانہ ہمت افزائی فرمائی۔ اے کاش کہ دوسرے اضلاع کے افسر بھی کچھ امداد فرمائیں تو جنوری ۳۶ء سے رسالے کا چندہ دو روپے (عہ) کیا جاسکتا ہے۔ اور ظاہری شان و شوکت میں بھی اضافہ ممکن ہے۔

حیدرآباد کے مندرجہ بالا اضلاع کے علاوہ تقریباً تیس نئے خریداروں کا اور اضافہ ہوا ہے اور اسی قدر وی۔ پی اس کے علاوہ جا چکے ہیں۔ ان سب کے اسمائے گرامی ستمبر کے پرچے میں شائع کئے جائیں گے۔ اس وقت یکم جولائی سے آج ۲۵ جولائی تک جس قدر خریداروں کا اضافہ ہوا ہے اس کی مجموعی تعداد تفصیل وار درج ذیل کی جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| (۱) مہتمم صاحب تعلیمات ضلع نلگنڈہ | ۱۴۵ |
| (۲) " " " ورنگل | ۵۰ |
| (۳) " " " محبوب نگر | ۲۱ |
| (۴) " " " عثمان آباد | ۱۹ |
| (۵) وہ خریدار جن کی فہرست اس پرچے میں شائع ہو رہی ہے | ۲۸ |
| (۶) نئے خریدار جن کی فہرست اگلے ماہ شائع ہوگی | ۳۰ |
| (۷) وی پی۔ جن کی رقم ابھی وصول نہیں ہوئی ہے | ۳۰ |
| جولائی کے نئے خریدار | ۳۲۳ |





# پیام تعلیم

دهلی

| جلد ۱۸ | اگست سنہ ۳۵ء | نمبر ۸ |
|---|---|---|


## فہرست مضامین




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب - جامعہ پریس



(پیام تعلیم کے نئے خریداروں کی فہرست صفحہ ۲۸۹ پر دیکھو)

# بچوں سے باتیں

ہمارے پرانے کرم فرما جناب محمد اسحاق صاحب (سبزی منڈی دہلی) نے مبلغ پانچ روپے اس غرض سے مرحمت فرمائے ہیں کہ ضلع ایٹہ (یوپی) کے پانچ بچوں کے لئے جو رسالے کا پورا چندہ ادا نہیں کر سکتے رسالے کی قیمت ڈیڑھ روپیہ کر دی جائے اس ضلع کے بچے بہت جلد اپنے ہیڈ ماسٹر صاحب کی تصدیق کے بعد ڈیڑھ روپے کے وی پی کی درخواست یا اتنی رقم منی آرڈر کے ذریعے بھیج دیں۔ اسحاق صاحب خود بھی ایٹہ کے رہنے والے ہیں اسی لئے یہ رعایت انھوں نے یہاں کے لئے مخصوص کر دی ہے ہم جناب محمد اسحاق صاحب کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں امید ہے کہ ہمارے دوسرے بزرگ بھی اس مثال کی تقلید کریں گے۔

---

رنگ بھرنے کے انعامی مقابلے کی تاریخ ہم نے بڑھا دی تھی اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے بچوں نے ہمارے کہنے کے مطابق تصویریں بھیج دیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر نے کوپن بھر کر نہیں بھیجا بعض بچوں کے کوپن پر استاد یا سرپرست کی تصدیق نہ تھی بعض بچوں نے تصویریں اس قدر خراب اور بے احتیاطی سے رنگ کر بھیجی تھیں کہ کسی طرح مقابلے میں شریک نہ کی جا سکتی تھیں ایسی سب تصویریں الگ کر دی گئیں جن بچوں کی تصویریں مقابلے میں شرکت کے لائق تھیں۔ ان کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں۔

شام کمار درجہ دھم (عمر دس سال) پشاور۔ سید شفاعت علی (عمر ۱۰ سال) دہلی۔ محمد عبدالوالی (عمر ۱۵ سال) حیدرآباد فرید احمد مدنی (عمر ۸ سال) بہار شریف ضلع پٹنہ۔ سید نقی اشرف (عمر ۹ سال) دسنہ ضلع پٹنہ۔ ولی الحق (عمر ۸ سال) جہان آباد۔ گیا۔ مظہر حسین صدیقی (عمر دس برس ۹ ماہ) اگرہ۔ خواجہ اکرام احمد آغا۔ (عمر ۱۱ برس) امرادتی کیمپ برے عزیزہ جمیلہ بیگم (عمر ۱۲ سال) گورنمنٹ ہاؤس۔ لاہور۔ محمد ادریس (عمر ۱۰ سال) کلکتہ۔ محمد عبدالجبار (عمر ۱۱ سال) بانسی ضلع بستی۔ محمد یعقوب (عمر ۱۲ سال) برن سائڈ۔ یوسف علی خاں اسد (عمر ۱۳ سال) پربھنی دکن عبدالغفور (عمر ۱۰ سال) میسور (اپر برما) صالحہ خاتون (عمر ۸ سال) دہلی

ان میں سید شفاعت علی دہلی کی تصویر اچھی سمجھی گئی اس کے بعد شام کمار پشاور۔ اور پھر محمد عبدالوالی حیدرآباد کی تصویریں تھیں۔ یہ تینوں ترتیب کے مطابق اول دوم اور سوم آئے ہیں اس مقابلے کا فیصلہ ہندوستان کے مشہور آرٹسٹ جناب سوبھا سنگھ صاحب نے کیا ہے سردار صاحب پیام تعلیم کو اپنا پرچہ سمجھتے اور اس کی ... کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔

---

اس موقع پر ہم بچوں کو تصویروں میں رنگ بھرنے کے بارے میں چند موٹی موٹی باتیں بتا دینا مناسب سمجھتے ہیں

امید ہے کہ بچے اُن کا خیال رکھیں گے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے اکثر بچے بغیر سوچے سمجھے تصویروں میں رنگ بھر دیتے ہیں مثلاً اسی تصویر میں بعض بچوں نے لڑکیوں کے چہرے۔ اور ہاتھ پیر وغیرہ گلابی رنگ دیے ہیں بعض نے آسمانی گہرے سرخ رنگ سے رنگ دیا ہے جنہوں نے درختوں جھاڑیوں کو پیازی رنگ سے رنگا ہے۔ حالانکہ آدمی کا قدرتی رنگ گلابی ہرگز نہیں ہے۔ آسمان کا رنگ نیلا اور جھاڑیوں کا سبز یا ہرا ہے وغیرہ۔ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھو کہ ہر ایک چیز اپنے قدرتی رنگ میں رنگی جائے ورنہ تمھاری ساری محنت اکارت جائے گی۔ چنانچہ اس تصویر میں بعض بچوں نے بہت محنت سے رنگ بھرا ہے لیکن محض اس غلطی کے سبب وہ مقابلے میں ناکام رہے۔ جس کا ہمیں افسوس ہے۔

---

پیام تعلیم کے سالگرہ نمبر کی تیاری کا وقت آگیا ہے پچھلے سال کے سائنس نمبر کو تم نے اور تمھارے بزرگوں نے بہت پسند کیا تھا اللہ نے چاہا تو اب کی دفعہ پچھلے سال سے بھی زیادہ بہتر ہوگا۔ تمھارے لئے ہم اچھے اچھے مضمون لکھوا رہے ہیں اور دوسری تیاریاں بھی زور شور سے جاری ہیں۔ اس مرتبہ ہم چاہتے ہیں کہ تمھارے بھی مضمون ہوں۔ ہم تمھیں عنوان بتائے دیتے ہیں۔ اُسی پر لکھو

۱۔ تمھیں اپنے بہن بھائیوں سے تو بے حد محبت ہوگی تم ان کی شرارتیں بھولی بھالی باتیں اور اس طرح کی دلچسپ حرکتیں صحیح صحیح لکھ کر بھیج دو۔ اگر کسی شرارت کے وقت اُن کا فوٹو لیا گیا ہو تو وہ بھی بھیج دو۔

۲۔ تم خود اپنے صحیح صحیح حالات لکھ کر بھیجو اپنی زندگی میں تم نے کوئی نیک کام کیا ہو تو اسے بھی ضرور لکھنا۔

۳۔ تم نے کوئی ایسی فلم یا تماشا یا کتاب دیکھی ہو جو تمھیں بہت پسند ہو تو اس کے متعلق اپنے خیالات لکھ کر بھیج دو۔

۴۔ تم کیا بننا چاہتے ہو۔ بادشاہ۔ وائسرائے، گورنر استاد، ڈاکٹر، حکیم وغیرہ اور کیوں؟

۵۔ اگر تم سے کہا جائے کہ کوئی اچھی سی بستی بساؤ تو تم کیا کروگے کیسی بستی بساؤگے کیسی زمین پسند کروگے بستی کے بسنے والوں کی تندرستی، تعلیم، امن و اماں اور دوسرے انتظامات کی کیا صورت ہوگی اس کا ایک خاکہ الفاظ میں کھینچ کر ہمارے پاس بھیج دو ان میں سے ہر عنوان کے ماتحت جو مضمون سب سے اچھا ہوگا اس پر ہم انعام دیں گے اور مضمون سالگرہ نمبر میں شائع ہوگا یہ مضمون زیادہ سے زیادہ ۱۰ ستمبر تک آجائیں اس لئے ابھی سے تیاری کروگے تو کام چلے گا۔ سالگرہ نمبر میں ہم تمھاری تصویر بھی شائع کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں تم ہم سے الگ خط کتابت کرو۔

---

تھوڑا عرصہ ہوا امریکا کی بہت بڑی انجمن نیو ہسٹری سوسائٹی نے مضمون لکھنے کے ایک انعامی مقابلے کا اعلان کیا تھا اور ایشیا کے طالب علموں سے اس موضوع پر مضمون طلب کئے تھے کہ نوجوان دنیا کے لئے ایک مشترک مذہب پیدا کرنے میں کہاں تک مدد دے سکتے ہیں۔"

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے محترم بھائی ڈاکٹر عبدالحمید صاحب اس مقابلے میں اول آئے ہیں اور انھیں سو ڈالر ملے ہیں۔ قاضی صاحب جامعہ کے بی اے ہیں۔ اور ان لوگوں میں ہیں جن سے ہمارے ملک اور قوم کو بڑی امیدیں ہیں۔

# درگاہ حضرت نظام الدین اولیا

از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی

ہمایوں کے مقبرے سے تھوڑی دور پر حضرت نظام الدین اولیا کا مزار ہے۔ چلو اس کی زیارت بھی کرتے چلیں۔

حضرت نظام الدین دہلی کے بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ آپ دن رات اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ بُرے کاموں سے بچتے تھے۔ اچھے کام کرتے تھے۔ اللہ کے نیک بندے تھے۔ بس اللہ تعالیٰ بھی اُن سے خوش ہوا اور انھیں اتنا بڑا مرتبہ بخشا کہ یہ اللہ والے، اللہ کے پیارے یعنی محبوب الٰہی مشہور ہو گئے۔ پھر تو ان کی خدمت میں بڑے بڑے بادشاہ حاضر ہونے لگے۔ سارے ہندوستان میں اُن کا نام مشہور ہو گیا۔ اور لوگ انھیں ولی اللہ اور پہنچے ہوئے فقیروں کا بادشاہ یعنی سلطان جی کہنے لگے۔ اب بھی دور دور سے لوگ اُن کے مزار کی زیارت کے لئے آیا کرتے ہیں۔

چاند کے مہینے تو شاید تمھیں معلوم ہوں۔ محرم سے سال شروع ہوتا ہے اس کے بعد صفر کا مہینہ آتا ہے پھر ربیع الاول کا۔ پھر ربیع الثانی کا۔ بس اسی ربیع الثانی کے مہینے سترھویں تاریخ کو سلطان جی کا عرس ہوتا ہے۔ درگاہ کے چاروں طرف بڑا بھاری میلہ لگتا ہے اور ہزاروں آدمی وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

سلطان جی کو انتقال کئے کوئی سوا چھ سو برس کا عرصہ گذرا ہے۔ انھوں نے دلی کے سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا تھا یعنی غلام خاندان کے بادشاہ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ خلجیوں کے سارے خاندان کو دیکھا اور غیاث الدین تغلق کے زمانے میں وصال ہوا

مزار کے پھاٹک سے داخل ہونے پر سب سے پہلے ایک باؤلی پڑتی ہے یہ باؤلی بہت گہری ہے اور نیچے تک اس میں بڑی خوب صورت سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ سلطان جی نے اپنے جیتے جی بنوائی تھی کہتے ہیں کہ اس میں نہانے سے جلد کے بہت سے مرضوں۔ مثلاً کھجلی، پھنسی وغیرہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس باؤلی میں گندھک کی بو آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پانی میں ضرور گندھک کا اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پھوڑا یا پھنسی کو آرام ہو جاتا ہے۔ اس باؤلی میں ایک تماشہ خوب ہوتا ہے۔ اوپر سے لوگ اس میں پیسے پھینکتے ہیں تیرنے والے لڑکے پیسے کے ساتھ ہی کود تے ہیں اور اس سے پہلے کہ پیسہ پانی تک پہنچے۔ یہ راستے ہی میں لپک لیتے ہیں۔

باؤلی کے بعد پھر مزار کا اصل دروازہ آتا ہے۔ اس کے بعد ایک کھلا ہوا صحن ہے۔ اور بیچوں بیچ میں مزار کی نہایت خوب صورت چھوٹی سی عمارت ہے۔ عمارت کے اوپر سنگ مرمر کا گنبد ہے بیچ میں حجرہ ہے اور اس کے چاروں طرف بارہ دری ہے۔ اس کی چھت تانبے کی ہے جس پر سونے اور لاجورد کی مینا کاری کی ہوئی ہے حجرے کے دروازے چاندی کے ہیں۔ اسی کے اندر مزار ہے اور اس پر صندل کا جالی دار چھپر کھٹ سا بنا ہوا ہے۔

مزار کے پچھم کی طرف ایک عالی شان مسجد ہے اسی سلطان علاء الدین خلجی

اور اس کے بیٹوں نے بنوایا تھا۔ اس کا گنبد اندر سے بہت اونچا ہے۔ لمبائی چوڑائی کم ہے۔ اور کھلا ہوا صحن بالکل نہیں ہے اس لئے یہ مسجد کچھ بند بند سی معلوم ہوتی ہے اس کے بیچوں بیچ میں ایک سونے کا کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ جب جاٹوں نے دلی پر چڑھائی کی تو انھوں نے اس پر بندوقیں چلائی تھیں۔ اس کے سوراخ اب تک موجود ہیں۔

مزار کے بالکل سامنے تین کھلی چھت کے حجرے ہیں۔ اِن کی دیواریں خوب صورت جالی دار پتھر کی ہیں۔ سیدھے ہاتھ کی طرف پہلے حجرے میں شاہ جہاں بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا کی قبر ہے۔ اس کی قبر پر فارسی کا ایک شعر لکھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گھاس کے سوا میری قبر پر کوئی غلاف نہیں کیوں کہ غریبوں کی قبر پر اسی کا غلاف ہوتا ہے دوسرے حجرے میں دلی کے بادشاہ محمد شاہ رنگیلے دفن ہیں اور تیسرے حجرے میں آخری بادشاہ بہادر شاہ کے بھائی مرزا جہانگیر کی قبر ہے۔

---

انھیں دیکھنے کے بعد آگے چلو یہاں سلطان جی کے مرید حضرت امیر خسرو کا مزار ہے۔ یہ فارسی اور ہندی کے بہت مشہور شاعر گذرے ہیں اور بڑے اچھے بزرگ تھے۔ انھوں نے بہت سی پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ بھی کہی ہیں۔ تم کو بھی ان کے سننے کا بڑا شوق ہوگا اس لئے ہم علیحدہ علیحدہ سب کے نمونے لکھتے ہیں۔

## بوجھ دار پہیلیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں اُن کی بوجھ بھی موجود ہو۔ اور ذرا سے غور کرنے سے سمجھ میں آجائے۔ مثلاً

لوٹا:— گول مول اور چھوٹا موٹا
ہردم وہ تو زمیں پہ لوٹا
خسرو کہے یہ نہیں ہے چھوٹا
جو نا بوجھے عقل کا کھوٹا

موری :۔
ساون بھادوں بہت چلت ہی ماگھ پوس میں تھوڑی
امیر خسرو یوں کہیں تو بوجھ پہیلی موری

ناخن :۔ بیسوں کا سر کاٹ لیا
چوری کی ناخون کیا

## بن بوجھ پہیلیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں بوجھ موجود نہ ہو اور زیادہ غور کرنا پڑے ۔ یہ زیادہ دل چسپ ہوتی ہیں۔

آسمان :۔ ایک تھال موتیوں سے بھرا
سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں اُور وہ تھالی پھری
موتی اس سی ایک نہ گرے

آئینہ :۔ سامنے آئے کر دے دو۔
مارا جائے نہ زخمی ہو

بچھو :۔ آگے سی وہ گانٹھ گٹھیلا
پیچھے سے وہ ٹیرھا
ہاتھ لگائے قہر خدا کا
بوجھ پہیلا میرا

بُھٹا :۔
آگے آگے بہنا آئی پیچھے پیچھے بھیا
دانت نکالے باوا آئے برقعہ اوڑھے میا

پھوٹ :۔
کھیت میں اُپجے سب کوئی کھائے
گھر میں ہووے گھر کو کھائے

روپیہ :۔
دانائی سی دانت اس پہ لگاتا نہیں کوئی
سب اس کو بھناتی ہیں پہ کھاتا نہیں کوئی

## کہہ مکرنیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں اُتا پتا اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اصل بوجھ کے بجائے کسی دوسری چیز کا شبہ ہو پھر بعد میں وہ بوجھ کہہ دی جاتی ہے ۔ مثلاً:۔

رام (خدا) :۔
بھت بے بھت موہی وا کی آس
رات دنا وہ رہوت پاس
میرے من کے کرت سب کام
اے سکھی ساجن نا سکھی رام

ڈھول۔ وہ آوے تب شادی ہووے
اس بن دوجا اور نہ کوئے
میٹھے لاگیں واکے بول
اے سکھی ساجن نا سکھی ڈھول

## دو سخنے

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں کئی سوال کئے جائیں اور سب کا جواب ایک ہی ہو مثلاً

روٹی جلی کیوں۔ گھوڑا اڑا کیوں، پان سڑا کیوں
پھیرا نہ تھا

گوشت کیوں نہ کھایا۔ ڈوم کیوں نہ گایا؟
گلا نہ تھا

راہجر پیاسا کیوں۔ گدھا اداسا کیوں؟
لوٹا نہ تھا

## نسبتیں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں دو چیزوں کی ایک ہی ملتی جلتی بات پوچھی جاتی ہے۔ مثلاً

گوٹے اور آفتاب میں کیا نسبت ہے؟ کرن
گہنے اور درخت میں کیا نسبت ہے؟ پتے
گھوڑے اور بزاز میں کیا نسبت ہے؟ تھان

## انمل ڈھکوسلے

ان میں بالکل بے جوڑ بات کہی جاتی ہے مثلاً:۔

کوٹھی بھری کلہاڑیاں تو حریرہ کرکے پی
بہت جلدی ہے تو چھپر سے منہ پونچھ

---

اچھا اب تم نے امیر خسرو کی پہیلیاں بھی سن لیں۔ اور یہاں کی سب عمارتیں اور مزار بھی دیکھ لئے لیکن ایک چیز رہ گئی ہے۔ چلو وہ بھی دکھا دیں۔

درگاہ سے باہر نکل کر سیدھے ہاتھ کی طرف تھوڑے دور جاؤ تو مرزا اسد اللہ خان غالب کی قبر ملے گی۔ یہ بھی دیکھ لو۔ کیوں کہ یہ اردو کے بہت بڑے شاعر گذرے ہیں۔ ان کی شاعری بہت مشکل ہے۔ اس لئے جب تم بڑے ہوگے تو ان کے شعر تمھاری سمجھ میں آئیں گے۔ ابھی تم انھیں پوری

طرح نہیں سمجھ سکتے۔

غالبؔ کی قبر کے ذرا آگے بڑھ کر ایک پھاٹک پڑتا ہے۔ اس کے اندر جاکر سامنے ایک بڑی خوب صورت عمارت نظر آتی ہے۔ جسے چونسٹھ کھمبا کہتے ہیں۔ اسے بھی ضرور دیکھ لو اور اس کے بعد گھر واپس چلو۔

یوں دیکھنے کو یہاں بہت سے بڑے بڑے آدمیوں کی قبریں ہیں۔ لیکن سب چیزیں دیکھنے میں تو بہت وقت لگے گا۔ اور اب دیر بھی کافی ہوگئی ہے

# پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

صلاح الدین خاں صاحب۔ لبنی پٹھاناں
مدرسہ وسطانیہ۔ لنگسکور
مولانا حامد حسین صاحب۔ اورنگ آباد
محمد عبد الرحمٰن صاحب ناطق۔ بمبئی ۱۳
شیخ محمد دین صاحب ق۔ بلوچستان۔
دختر انعام علی صاحب۔ کاکوروی۔
عطیہ خاتون صاحبہ۔ اورنگ آباد
بورڈ محمڈن ہائی اسکول۔ چنڈولی
مولانا مقصود علی صاحب۔ اورنگ آباد
سید عبد المنان صاحب۔ اورنگ آباد
مڈل اسکول۔ نلگنڈہ
مولوی اشرف حسین صاحب۔ اورنگ آباد
میاں عبد الحفیظ صاحب۔ اورنگ آباد
سید مظہر علی صاحب۔ حیدرآباد

محمد بدر الدین حسن صاحب۔ اورنگ آباد دکن
گورنمنٹ نارمل اسکول۔ لالہ موسیٰ
حسین دادا قاسم صاحب۔ کولمبو
مدرسہ وسطانیہ۔ مالوی
قدسیہ بیگم صاحبہ۔ حیدرآباد
سید نقی اشرف صاحب۔ اعظم گڈھ
احمد کمال دیدی صاحب۔ مدراس
مڈل اسکول۔ بہاولپور
سراج المحسن صاحب۔ اورنگ آباد
زاہد حسین صاحب۔ برہانپور
محمد اکبر صاحب۔ الٰہ آباد
سرور الرحمٰن صاحب۔ فرخ آباد
چیف انسپکٹر آف اسکولز۔ بہاولپور
فہیم الحسن صاحب۔ اورنگ آباد

# دو بچے اور شریر پری

(عزیز جہاں بیگم صاحبہ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ)

بہت دنوں کی بات ہے ایک گھنے جنگل کے کنارے ایک غریب آدمی رہتا تھا۔ اور لکڑیاں کاٹ کر اپنی گذر کرتا تھا۔

ایک دن وہ جنگل سے گھر لوٹ رہا تھا تو اس کو راستے میں ایک چھوٹی سی لڑکی ملی جس کو ایک گدھ کہیں سے اُٹھا لایا تھا اور ایک پیڑ کے ٹہنے پر چھوڑ گیا تھا۔ لکڑہارا اس لڑکی کو گھر لے آیا۔ اور اس کا نام سلیمن رکھا۔ اور اپنے اکلوتے لڑکے کریم کے ساتھ اس کی پرورش کرنے لگا۔ تھوڑے عرصے کے بعد لکڑہارے کی بیوی مر گئی اور لکڑہارے نے دوسری شادی کر لی

کچھ عرصے کے بعد اتفاق سے لکڑہارے پر ایسا بُرا وقت پڑا کہ وہ بے چارہ بہت غریب ہو گیا۔ اور بڑی مشکل سے اپنی روزی کما سکتا تھا۔

ایک روز رات کے وقت جب گھر والے بھوک سے نڈھال پڑے تھے تو کریم اور سلیمن نے سنا کہ ان کی سوتیلی ماں اُن کے باپ سے کہہ رہی ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو تھوڑے دن میں ہم سب بھوک سے مر جائیں گے۔ اگر ہم دو نوں آدمی اکیلے ہوتے تو خیر کسی نہ کسی طرح پیٹ پال لیتے۔ مگر اب صرف ایک ترکیب سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کل صبح ہم

دونوں بچوں کو جنگل میں لے جائیں اور انھیں وہاں چھوڑ آئیں۔ بڈھے نے کہا:۔ نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے بچوں کو جنگل میں وحشی جانوروں کے کھانے کے لئے چھوڑ دوں۔ مگر اس سنگ دل عورت نے طرح طرح کی باتیں بنا کر بڈھے کو اپنی تجویز پر راضی کر لیا۔

یہ باتیں سن کر سلیمن ڈر کے مارے رونے لگی لیکن کریم نے جو اس سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا اس کو تسلی دی اور کہا۔ "پیاری سلیمن تم کیوں روتی ہو۔ میں کوئی ایسی ترکیب نکالوں گا کہ ہم گھر واپس آسکیں" یہ کہہ کر وہ چپکے سے اٹھا اور باہر گیا۔ اور اپنی جیبوں میں چھوٹے چھوٹے سفید کنکر بھر لئے۔ اور پھر لیٹ کر سو گیا۔

صبح کو ان کی سوتیلی ماں نے ان کو جگایا اور کہا بچو جلدی اٹھو۔ ہم جنگل میں لکڑیاں چننے جا رہے ہیں۔ اس نے دونوں کو دو روٹیاں دیں جو سلیمن نے اپنی جیب میں رکھ لیں۔ کیوں کہ کریم کی جیبیں پتھروں سے بھری ہوئی تھیں۔ جب وہ جا رہے تھے تو کریم مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتا جاتا تھا۔ ماں نے اسے ڈانٹا کہ کیوں پیچھے دیکھتا ہے۔ کریم نے کہا کہ میں اس سفید بلی کو دیکھتا ہوں جو چھت پر بیٹھی ہے۔ اس نے کہا "تم بڑے بے وقوف ہو۔ وہ تو سورج کا عکس ہے۔ جو روشن دان پر پڑ رہا ہے۔ جب وہ لوگ بیچ جنگل میں پہنچے تو ماں نے کہا کہ "جلدی سے دوڑ کر کچھ لکڑیاں چن لاؤ تاکہ ہم آگ جلالیں"

کریم اور سلیمان نے لکڑیاں چنیں اور آگ جلائی چونکہ دونوں تھک گئے تھے اس لئے وہیں لیٹ کر سو گئے لیکن جب وہ جاگے تو انھوں نے دیکھا کہ خوب رات ہو گئی ہے اور اندھیرا چھا گیا ہے اور وہ بالکل اکیلے ہیں۔ یہ دیکھ کر سلیمن خوب روئی مگر کریم نے اسے تسلی دی اور کہا کہ جب چاند نکل آئے گا تو ہمیں راستہ مل جائے گا کیوں کہ راستے میں جگہ جگہ میں سفید پتھر پھینکتا چلا آیا ہوں۔

جب وہ خیریت کے ساتھ گھر پہنچے تو سوتیلی ماں تو بہت خفا ہوئی۔ مگر باپ ان کو صحیح و سلامت آتے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کچھ عرصے بعد پھر اُن پر بہت مصیبت آگئی اور ماں نے باپ کو دوبارہ اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اب کی مرتبہ بہت دور بچوں کو جنگل میں چھوڑ آئے بچوں نے اس دفعہ بھی ان کی باتیں سن لیں لیکن اب کی مرتبہ کریم کو پتھر لینے کا موقع نہ ملا۔ کیوں کہ سوتیلی ماں نے دروازے میں قفل لگا دیا تھا۔ لیکن وہ ذرا پیچھے پیچھے چلتا رہا اور راستے میں اپنی روٹی کے ٹکڑے پھینکتا گیا۔ ماں نے پوچھا کریم تم پیچھے کیوں رہ جاتے ہو

کریم نے کہا کہ میں اپنے سفید کبوتر کو دیکھ رہا ہوں جو چھت پر بیٹھا مجھے خدا حافظ کہہ رہا ہے۔

سوتیلی ماں نے کہا احمق لڑکے وہ تو روشن دان پر سورج اپنی روشنی ڈال رہا ہے۔

ان کی ماں نے انھیں پہلے کی طرح پھر سوتا چھوڑ دیا جب وہ جاگے تو سلیمن نے کہا کہ اب ہم کیا کریں رات ہوگئی ہے اور گھر اب پہلے سے بھی زیادہ دور ہے۔ کریم نے جواب دیا" پیاری بہن ڈرو نہیں میں نے راستے بھر روٹی کے ٹکڑے بکھیر دیے ہیں۔

یہ سن کر سلیمن نے آنسو پونچھے اور شکر گذاری کے طور پر اپنے حصے کی آدھی روٹی کریم کو دی۔ جب چاند نکل آیا تو وہ روانہ ہوئے لیکن انھیں یہ دیکھ کر بہت پریشانی ہوئی کہ روٹی کے سب ٹکڑے غائب ہیں کیوں کہ چڑیوں نے انھیں کھا لیا تھا۔ بچے تمام رات اور اگلے دن جنگل میں بھٹکتے رہے وہاں انھیں صرف جنگلی بیر کھانے کو ملے مگر انھیں گھر کا راستہ کسی طرح نہ ملا۔ اور آخرکار وہ تھک گئے اور زمین پر پڑ کر سو گئے

دوسرے دن دوپہر کے وقت جب وہ جنگل میں پھر رہے تھے تو انھوں نے

ایک سفید چڑیا شاخ پر بیٹھی دیکھی جو اپنے
میٹھے بول بول رہی تھی وہ اس کا گانا سنتے
رہے۔ اور جب چڑیا گانا ختم کرکے اُڑی
تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلے تھوڑی دیر
میں چڑیا ایک چھوٹے سے گھر کی چھت پر
جا بیٹھی۔ بچوں کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا
کہ اس گھر کی دیواریں روٹی کی چھت کیک
کی اور کھڑکیاں شکر کی بنی ہوئی ہیں!

بھوکے کریم نے کہا خدا کا شکر ہے
کہ ہمیں کچھ کھانے کو ملا۔ لو کریمن یہ شکر
تم کھاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے خود روٹی کی دیوار
توڑی اور کھانا شروع کیا یکایک اندر
سے آواز آئی۔

میرا گھر کون کھا رہا ہے؟

بچوں نے اپنے جی میں کہا۔ یہ تو
صرف ہوا ہے۔ جس سے آواز پیدا ہو رہی
ہے۔

ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور
ایک بڑھیا نے اندر سے جھانکا اور کہا
ہائے ہے غریب بچو! تم کتنے بھوکے اور
تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ اندر آجاؤ
میں تمھیں بہت سا کھانا دوں گی۔"

بچے بڑھیا کے ساتھ اندر چلے گئے
اور وہاں دودھ اور حلوا اور سیب جو
بڑھیا نے دئے تھے خوب کھائے پھر بڑھیا
نے انھیں خوب صورت پلنگوں پر لٹا دیا۔
بچے سو گئے اور انھیں ایسا آرام ملا جیسے
بہشت میں پہنچ گئے ہوں

اب سنئے وہ بڑھیا ایک بہت ظالم
پری تھی اور اس نے روٹی اور شکر کا
مکان محض بچوں کے پھانسنے کے لئے بنایا تھا
تاکہ جب بچے وہاں آئیں تو وہ انھیں پکڑ کر
کھا جائے اس لئے جب کریم سو گیا تو اس نے
اسے پکڑ کر ایک لوہے کے پنجرے میں
بند کر دیا۔ اور سلیمن کو جھوڑ کر کہا۔ اُٹھ ری
کام چور! پانی لا اور کھانا پکا۔ جب تیرا
بھائی خوب موٹا ہو جائے گا تو میں اسے
کھاؤں گی"

کھانا کھانے کے بعد بڑھیا باہر چلی گئی اور سلیمن جلدی سے کریم کے پاس آئی اور اسے بڑھیا کی سب باتیں سنائیں۔

کریم نے کہا کہ:- "بڑھیا ضرور کوئی ظالم پری ہے تم کہیں سے اس کا جادو کا باجا اور چھڑی ڈھونڈ کر لاؤ اور مجھے کسی طرح پنجرے میں سے نکالو"

سلیمن نے اس کا باجا اور چھڑی ڈھونڈ لی اور دونوں وہاں سے بھاگے تھوڑی دیر بعد جب پری واپس آئی اور یہ دیکھا کہ دونوں بچے بھاگ گئے ہیں تو وہ بہت غصے ہوئی۔ اور اپنے سات کوس فی منٹ پہ چلنے والے جوتے پہن کر انھیں پکڑنے چلی۔ سلیمن نے جو دور سے پری کو آتے دیکھا تو فوراً جادو کی چھڑی ہلائی اور اس کا یہ عجیب اثر ہوا کہ وہ خود تو ایک جھیل بن گئی اور کریم راج ہنس اور وہ جھیل میں تیرنے لگا۔ پری نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح راج ہنس کنارے پر آجائے۔ اس نے اس کے لئے روٹی کے ٹکڑے بھی ڈالے لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ آخرکار رات ہوگئی اور پری تھک کر اپنے گھر چلی گئی۔ ادھر کریم اور سلیمن پھر اپنی اصلی شکل پر آگئے اور وہاں سے بھاگے۔

(باقی)

# لطیفہ

بچے نے شور مچا کر کہا۔ اماں جان وہ دیکھئے گائے نے ابا کو سڑک پر پھینک دیا
ماں نے دریچے سے سر نکال کر باہر جھانکا اور کہا
"بٹیا یہ گائے نہیں سانڈ ہے"



# ہندوستانی بچے کا عہد

(فضل اثر بی اے ۔ آگرہ)

پروردگارِ عالم! وعدہ ہے تجھ سے اپنا ؛ جو بات کہنی ہوگی تجھ سے کہا کریں گے
ہم بے نیازِ کفر و اسلام ہو کے بالکل ؛ قرآن اور گیتا دونوں پڑھا کریں گے
جب مادرِ وطن کو پہنچے گا کوئی صدمہ ؛ ہم شمع بن کے چپکے چپکے جلا کریں گے
ماں، باپ، بھائی پر غم جو کوئی آیا ؛ ہم ہاتھ اٹھا کے اپنے دل سے دعا کریں گے
دنیا چبھوئے کانٹے دل میں ہمارے لیکن ؛ پہلو میں ٹیس ہوگی اور ہم ہنسا کریں گے
سجدہ کریں گے تجھ کو اس وقت مسکرا کر ؛ جب مل کے سارے ظالم ہم پر جفا کریں گے
دنیا میں ہم رہیں گے دنیا کا نور بن کر ؛ تاریکیوں کو دھو کر نور و ضیا کریں گے
بھوکے مریں گے یارب کب تک کسان اپنے ؛ دریا خلاف فطرت کب تک بہا کریں گے
افلاس کی غلامی دولت کی بادشاہی ؛ ہم تیرے ہاتھ بن کر ان کو فنا کریں گے
دُکھے ہوئے دلوں کو دیں گے پیامِ رحمت ؛ دنیا کی ہر مصیبت ہم خود سہا کریں گے
ہو جائے لاکھ نازک حالت مریضِ غم کی ؛ جو کی نہیں کسی نے ہم وہ دوا کریں گے
اے کاش تو بھی اپنا بندہ نواز کر دے ؛ کرنے کو سب یہ باتیں عمریں دراز کر دے

# مولانا سیّد ممتاز علی صاحب (مرحوم)

مرنا تو ہر ایک کو ہے مگر بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے جی کو کچھ ایسا دکھ پہنچتا ہے جیسے اپنا کوئی عزیز مر گیا۔ مولینا سید ممتاز علی صاحب مرحوم کی موت بھی کچھ ایسی ہی تھی انھوں نے ابھی پچھلے جون ۱۹۳۵ء میں انتقال فرمایا ہے۔ ان کی موت کی خبر سن کر ہر شخص کو بہت صدمہ پہنچا ہے۔ تم میں سے شاید بہت سے بچے مولوی صاحب کے حالات سے واقف نہ ہوں گے اس لئے اُن کے مختصر سے حالات ہم یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ تمھیں اندازہ ہو کہ مولوی صاحب کیسی خوبیوں کے بزرگ تھے۔

مولوی صاحب ۷ ستمبر ۱۸۶۰ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد پنجاب میں ایک بڑے عہدے پر تھے۔ مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم دیوبند اور پھر راولپنڈی میں ہوئی کچھ عرصے تک دیوبند کے مشہور مدرسے میں عربی پڑھی پھر انگریزی تعلیم شروع ہوئی اور بی اے تک سلسلہ جاری رہا۔ لیکن بی اے میں مولینا کامیاب نہ ہوئے اور پڑھنا چھوڑ دیا۔ اسی زمانے میں انھیں پنجاب چیف کورٹ میں ملازمت مل گئی ۱۸۸۹ء میں آپ کی شادی ہوئی ۱۸۹۱ء میں سخت بیمار ہوگئے اور ملازمت بھی چھوڑ دی۔ ۱۸۹۵ء میں آپ کی بیوی کا بھی انتقال ہوگیا۔ آپ کی دوسری شادی محترمہ محمدی خانم مرحومہ سے ہوئی جو ایک فاضل خاتون تھیں ۱۸۹۸ء میں آپ نے دارالاشاعت پنجاب کے نام سے ایک

تجارتی کتب خانہ اور رفاہ عام پریس کے نام سے ایک چھاپہ خانہ کھولا ساتھ ہی تہذیب نسواں کے نام سے ایک زنانہ اخبار جاری کیا۔ اس اخبار کے کاموں میں محترمہ محمدی بیگم ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ اور اخبار بہت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا ۱۹۰۸ء میں محمدی بیگم صاحبہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ ۱۹۰۹ء میں چھوٹے بچوں کے لئے مولینا نے "پھول" کے نام سے ایک اخبار نکالا جو اب تک کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔

مولینا مرحوم بہت قابل اور عالم فاضل بزرگ تھے۔ مطالعے کا بہت شوق تھا انگریزی کے علاوہ عربی بھی بہت اچھی جانتے تھے۔ تصنیف و تالیف کا بھی بہت شوق تھا کئی اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ آخری عمر میں قرآن کے متعلق ایک بہت اچھی کتاب لکھ رہے تھے اور خدا کا شکر ہے کہ مرنے سے دو چار روز پہلے اسے ختم کر لیا تھا مولینا مرحوم کو سرسید مرحوم کی صحبت بھی نصیب ہوئی ہے شاید یہ سرسید ہی کی صحبت کا فیض تھا کہ انھیں مسلمانوں خصوصاً مسلمان عورتوں کی جہالت اور پستی کا بہت احساس تھا۔ انھوں نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں بہترین خدمات انجام دی ہیں ان کے اخبار تہذیب نسواں نے عورتوں کے طبقے میں ایک خاص زندگی اور بیداری پیدا کردی ہے۔

مولینا نے اپنے چھاپے خانے اور کتب خانے کے ذریعے بھی اردو کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اردو کی بہت اچھی اچھی کتابیں بڑوں اور بچوں کے لئے چھاپی اور شائع کی ہیں پنجاب میں ہماری اردو کو جو ترقی نصیب ہوئی ہے اس میں اُن کی کوششوں کو بھی بہت دخل ہے

اللہ نے انھیں علم، عزت اور دولت سبھی کچھ دے رکھا تھا۔ لیکن اس پر بھی ان میں غرور نام کو نہ تھا طبیعت میں بہت سادگی اور انکسار تھا۔ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لباس بھی بہت سادہ ہوتا

تھا ۔ اپنا علم بڑھانے کی ہر وقت فکر رہتی تھی ۔ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی کوئی اچھی کتاب چھپتی تھی وہ اسے ضرور منگاتے تھے ۔ کوئی شخص بات کرتا تو اُسے بہت توجہ سے سنتے اور اس سے اس طرح کرید کرید کر باتیں پوچھتے جیسے کوئی طالب علم معلومات بڑھانا چاہتا ہو ۔ وقت کے بہت پابند تھے ۔ ہر کام ، کھانا ، سونا ، اٹھنا ٹھیک وقت پر ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کا اخبار تہذیب نسواں ہمیشہ وقت پر نکلا ۔

بہت ہمدرد اور رحم دل تھے ۔ دوسرے کو تکلیف اور پریشانی میں دیکھ کر پریشان ہو جاتے تھے اور جس طرح ممکن ہوتا اس کی تکلیف اور پریشانی کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ۔ محتاجوں اور یتیموں کی سرپرستی کرتے بہت سے ضرورت مندوں کی وہ مستقل طور پر مدد کرتے رہتے تھے اور یہ سلسلہ آخر دم تک جاری رہا ۔ یہ اُن کی اچھی عادتوں میں سے چند ایک ہیں جنھیں ہم نے اس چھوٹے سے مضمون میں بہت اختصار کے ساتھ لکھا ہے ۔ مولانا کے دو لائق صاحبزادے ہیں اور امید ہے کہ وہ مرحوم کے سب کاموں کو بہت کامیابی کے ساتھ جاری رکھیں گے ۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کو جنت میں جگہ دے اور ہمیں تمھیں سب کو ان ہی کی طرح مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے اور نیک کام اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

# چھاپہ خانہ

از جناب محمد احمد صاحب سبزواری ۔ نائب مدیر "نور س"

آج ہر شہر اور قصبے میں چھوٹے بڑے ہاتھ اور بجلی کے چھاپے خانے موجود ہیں ۔ اور ہر چیز چھپی ہوئی نظر آتی ہے دیکھو تمھارا رسالہ "پیام تعلیم" کتنا اچھا اور خوبصورت چھپتا ہے۔ لو آج تمھیں چھاپہ خانے کی ایجاد اور اس کے موجد (ایجاد کرنے والے) کا کچھ حال سناتے ہیں ۔

جان گوٹن برگ پندرھویں صدی کے شروع میں (یعنی اب سے کوئی پانچ سو برس پہلے) جرمن میں پیدا ہوا ۔ یہ قیمتی پتھروں مثل ہیرے لعل اور جواہرات کو کاٹنے کا کام کیا کرتا تھا ۔ اپنے کام میں ماہر ہونے کی وجہ سے بہت مشہور تھا ایک دن یہ تاش کھیل رہا تھا کہ اسے خیال پیدا ہوا کہ یہ اپنے لئے خود ہی کچھ تاش بنائے ۔ چنانچہ اس نے ایک لکڑی کے ٹکڑے پر کچھ نشانات بنائے ان نشانوں کے علاوہ باقی لکڑی چھیل ڈالی اس کے بعد اُن پر روشنائی لگا کر کاغذ پر دبایا۔ نشان کاغذ پر آ گئے لیکن بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ روشنائی کی وجہ سے لکڑی بہت جلد خراب ہو جاتی ہے بعد میں اس نے معلوم کیا کہ سیب کے درخت کی لکڑی سخت ہوتی ہے اور اس کام کے لئے بہت عمدہ ہے اس لکڑی پر اس نے ایک تصویر بنائی اور اس کے نیچے کچھ الفاظ لکھ کر چھاپنا چاہا مگر روشنائی نے کام نہ دیا اس لئے اس نے توے کی سیاہی میں تیل ملا کر نئی

گاڑھی روشنائی تیار کی اور اپنا کام شروع کردیا۔

گوٹن برگ نے اپنی اس ایجاد کا حال کسی سے بیان نہیں کیا لیکن وہ اکیلا اتنے بڑے کام کو نہ کرسکتا تھا اس لئے اپنے دو دوستوں کو سب قصہ سنایا۔ ان لوگوں نے اس کی مدد کی اور روپیہ بھی دیا آخر کئی مہینے کی مسلسل محنت کے بعد انھوں نے ساٹھ صفحے کی ایک کتاب چھاپ دی۔

اس زمانے میں آج کل کی طرح کتابیں نہ ہوتی تھیں۔ بلکہ طالب علم چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھا کرتے تھے اس قسم کی کتابوں میں بہت محنت اور وقت صرف ہوتا تھا۔ اور ان کی قیمت بھی اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ غریب آدمی تو ان کو خرید بھی نہ سکتے تھے جب گوٹن برگ نے اپنی اس ایجاد کا حال طالب علموں سے بیان کیا تو ان کو اس حیرت انگیز چیز پر بہت تعجب ہوا

اب گوٹن برگ نے بائبل کو جو انگریزوں کی مذہبی کتاب ہے چھاپنے کا ارادہ کیا لکڑی کا پہلا بلاک بن کر تیار ہو تو اتفاق سے اس پر ایک تیز چاقو گر گیا اور اس طرح اس کی ساری محنت بیکار گئی۔ اب اُسے خیال پیدا ہوا کہ اگر تمام حرف علیحدہ علیحدہ تیار کر لئے جائیں تو بہت آسانی ہو جائے گی اور ایک صفحہ چھاپنے کے بعد وہی حرف دوسرا صفحہ چھاپنے کے کام آجائیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسے ہی حرف تیار کئے۔ مگر اب ایک اور دقت پیدا ہوئی لکڑی کے یہ حرف کچھ دنوں کے بعد روشنائی کی وجہ سے نرم ہو کر خراب ہو جاتے تھے۔ اور ان سے زیادہ عرصے تک کام نہ لیا جاسکتا تھا۔ آخر اس کے ایک مددگار نے ایک اہم چیز تیار کی پہلے اس نے دھات کا ایک حرف بنایا اور اس کو ایک نرم دھات میں رکھ کر اس کا سانچہ تیار کر لیا۔ سانچے میں جانے کی وجہ سے کام میں بہت سہولت ہو گئی اور چھپائی کا کام بہت جلد ہونے لگا۔ اس نئی

ایجاد کی مدد سے گوٹن برگ نے ۵ سال کے طویل عرصے میں بائبل کا کام ختم کیا

انگلستان میں چھپائی کا کام سب سے پہلے ولیم کے ٹن کے ذریعے سے پہنچا۔ یہ بہت دنوں تک بلجیم میں رہا جہاں گوٹن برگ کا کارخانہ تھا اور بہت اچھی طرح اس نئی ایجاد کا مطالعہ کیا پھر انگلستان آکر سب سے پہلا پریس قائم کیا اور یونانیوں کے ایک تاریخی قصے "ٹرائے" پر ایک کتاب لکھی۔ اس کے بعد اس نے لندن میں ایک دوسری کتاب "شطرنج کا کھیل" شائع کی

تھوڑے عرصے کے بعد یورپ کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں چھاپے خانے قائم ہوگئے۔ اور اس طرح یہ نئی چیز ساری دنیا میں پھیل گئی۔ آج خود ہمارے ملک میں بڑے بڑے چھاپے خانے قائم ہیں۔ چنانچہ ٹائمس آف انڈیا کا پریس بمبئی میں بہت بڑا چھاپہ خانہ ہے جہاں سب کام بجلی سے لیا جاتا ہے اور سینکڑوں آدمی روزانہ کام کرتے ہیں

یہ تو تم جانتے ہی ہوگے کہ انگریزی اور ہندی زبانوں میں سب حرف الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو آسانی سے تیار کر لیا جاتا ہے۔ مگر ہماری اردو میں حروف ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا توڑ جوڑ بڑا مشکل ہے۔ اگرچہ اردو میں نو ہے کے ٹائپ موجود ہیں مگر ان کا خط عربی ہے تم نے شاید حیدرآباد کے رسالے اردو، سائنس، نورس دیکھے ہوں یہ اسی ٹائپ میں چھپتے ہیں۔ مگر عام لوگوں کو یہ خط ناپسند ہے۔ اور وہ ایسا ٹائپ چاہتے ہیں جس کی چھپائی ایسی ہو جیسا تمہارا پرچہ "پیام تعلیم" چھپتا ہے ایسے ٹائپ کو نستعلیق ٹائپ کہا جاتا ہے چنانچہ ایک عرصے سے اس بات کی کوشش ہو رہی تھی کہ کوئی ایسا ٹائپ ایجاد ہو جائے۔ مختلف لوگوں نے کوششیں

کیں۔ مگر پوری کامیابی کسی کو حاصل نہ ہوئی۔ مگر ابھی حال میں حضور نظام تاجدار دکن کی سرپرستی میں علامہ حسینی صاحب ایم اے اسسٹنٹ ڈائرکٹر مطابع حیدرآباد نے اس قسم کا ٹائپ تیار کرلیا ہے۔ یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں جب کہ گھر گھر اس ٹائپ کا چرچا ہوگا۔ اور اردو میں اچھے ٹائپ کی جو کمی تھی وہ پوری ہو جائے گی۔

# بچپن کی یاد

(از اقبال الدین احمد صاحب متوطن رڑول ضلع میرٹھ۔ یوپی)

آتا ہے یاد مجھ کو بھولا ہوا فسانہ
بچپن کے دن تھے میرے کیا تھا عجب زمانہ

دن رات کام کیا تھا ہنستا تھا یا کہ رونا
گھر میں کبھی وہ آنا باہر کبھی وہ جانا

اور یا کہ کھیلنا تھا دن بھر کا کام میرا
ہنستے ہوئے کبھی وہ راحت کے گیت گانا

دنیا کے غم نہ تھے جب دل کو کبھی ستاتے
دنیا کی کلفتوں سے خالی تھا وہ زمانا

اس وقت کیا خبر تھی آئے گا وہ زمانا
دنیا کے غم بھی ہوں گے اور ہوگا ان میں جانا

بجھ میں بھی ہیں تغیر لے بے ثبات دنیا
قسمت میں اس کی غم ہیں جس کو یہاں ہے آنا

کیا میں نے کی خطا جو محروم کردیا اب
میں تھا نثار دل سے میرا تھا وہ زمانا

قابل نہ تھا اگر میں پھر کیوں دیا تھا مجھ کو
ملتا نہ یاد آتا رہ رہ کے یہ زمانا

دل میں خیال باقی مخمور چشم اب تک
پھر یاد کیوں نہ آئے بھولا ہوا فسانہ

یارب کرم ہے تو بخشش ہے کام تیرا
احسان تیرا کیوں کر مانے نہ یہ زمانا

میں سائل تمنا مجھ پر بھی کچھ کرم ہو
مجھ کو نہیں ہے بھاتا اک آنکھ یہ زمانا

مجھ کو عطا تو کردے لے بے نیاز خالق
بچپن کا وہ زمانا۔ بچپن کا وہ زمانا

بچپن میں جو خوشی تھی اقبال اب کہاں ہے
بچپن کا وہ زمانہ اب ہوگیا فسانہ

# قیمتی ٹکٹ

از جناب محمد شمیم صاحب (جامعی)

(۲)

پچھلے پرچے میں شمیم صاحب نے یہ بتایا تھا کہ کون کون سے ٹکٹ قیمتی ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے (۱) پرانے (۲) غلط چھپے ہوئے اور (۳) عارضی ٹکٹوں کا ذکر کیا۔ عارضی ٹکٹوں کے ضمن میں انھوں نے جنگ کے زمانے میں جاری ہونے والے ٹکٹوں پر اپنا مضمون ختم کیا تھا اس سے آگے آپ لکھتے ہیں:-

(ب) ایسے ٹکٹ جو پسند نہ کئے جائیں اور اس لئے فوراً روک دئے جائیں ایسے استعمالی ٹکٹ زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ جیسے وکٹوریہ کے زمانے میں ۱۸ پائی ۱۰ر، ۴۰ر کے ٹکٹ جاری ہوئے لیکن فوراً روک دئے گئے۔ اب وہی استعمالی ۹ پائی والے، ۸ آنے میں ۱۰ر والے ۹ر میں۔ ۴۰ر والے ایک روپے میں بکتے ہیں۔

(ج) سرچارج:- اس نشان کو کہتے ہیں جو زیادہ قیمت کے ٹکٹوں پر لگا کر کم قیمت پر بیچتے ہیں۔ مثلاً دو پیسے والے ٹکٹوں پر ۱/۴ کا نشان لگا کر ایک پیسے میں بیچتے تھے۔ ایسے ٹکٹ بھی اگر کم تعداد میں ہوں تو معمولی قیمت کے ٹکٹوں سے زیادہ قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

(۴) غیر جاری ٹکٹ۔ ایسے ملکوں کے ٹکٹ جہاں پہلے اپنے ٹکٹ رائج تھے اور

اب دوسرے دن سے کے ٹکٹ چلتے ہیں بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ حکومتوں کے بدل جانے سے اس ملک کے ٹکٹ بھی بدل جاتے ہیں اس لئے غیر جاری یعنی ایسے ٹکٹوں کی قیمت جو اب جاری نہیں ہیں (حکومت بدل جانے کی وجہ سے جاری نہیں ہیں) زیادہ ہوتی ہے اس فہرست میں بعض ہندوستانی ریاستوں کے ٹکٹ خاص طور پر ممتاز ہیں جنگ عظیم کے بعد بہت سے ملکوں کی سیاسی حالت بدل گئی ہے۔ ایسے ملکوں کے ٹکٹ بھی قیمتی ہیں۔

چھوٹے ملکوں اور ریاستوں کے ٹکٹ بھی کمیابی کی وجہ سے قیمتی ہوتے ہیں۔ چونکہ ایسے ملکوں میں زیادہ ٹکٹ استعمال نہیں ہوتے اس وجہ سے زیادہ تیار بھی نہیں ہوتے۔ مثلاً افغانستان، عرب شام، ہندوستان کی بعض ریاستیں۔ یورپ اور جنوبی امریکہ میں بہت سی چھوٹے چھوٹے ایسے ملک ہیں جو اپنی ضرورت سے بہت زیادہ تیار کرتے ہیں۔ اور ٹکٹ جمع کرنے والوں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں ایسے ٹکٹوں کی قیمت زیادہ نہیں ہوتی۔

(۶) چونکہ بادشاہوں کی تبدیلی سے ٹکٹ بھی بدل جاتے ہیں اس لئے کم مدت بادشاہوں کے ٹکٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں ۱۹۳۳ء میں امیر فیصل کے یکایک انتقال کی وجہ سے عراق کے وہ ٹکٹ جن پر امیر فیصل کی تصویر ہے۔ اور جو صرف دو تین سال جاری رہے بہت جلد قیمتی ہو جائیں گے۔ نادر شاہ کے زمانے کے افغانی ٹکٹ بھی جلد قیمتی ہو جائیں گے۔

(۷) بڑی قیمتوں کے ٹکٹ مثلاً ۵، ۱۰، ۱۵، ۲۵ روپے والے ٹکٹ عموماً قیمتی ہوتے ہیں۔

(۸) ایسے ٹکٹ جن کو لوگ کم استعمال کرتے ہیں عموماً دوسرے ٹکٹوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ مثلاً ۱۰ر، ۰۲ر، ۰۳ر، ۶ر یا ۱۲ار والے ٹکٹ۔

(۹) سرکاری ٹکٹ بھی عموماً معمولی ٹکٹوں سے زیادہ قیمت پر فروخت ہوتے ہیں بشرطیکہ کمیاب ہوں اور اگر یہ کاری ٹکٹ بھی افراط سے موجود ہوں تو ان کی قیمتیں معمولی ہوتی ہیں۔

(۱۰) قیمتی ٹکٹوں میں یادگاری ٹکٹ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ایسے ٹکٹ کسی خاص واقعے کی یا شخص کی یادگار میں جاری کئے جاتے ہیں۔ اور چونکہ بہت کم مدت کے لئے اور کم تعداد میں چھپتے ہیں اسی وجہ سے اُن کی قیمت معمولی سے زیادہ ہوتی ہے بعض ملک تو آئے دن یادگاری ٹکٹ جاری کرتے رہتے ہیں۔ اٹلی کو اس میں خاص شغف ہے۔ اسی وجہ سے اٹلی کے یادگاری ٹکٹ ٹکٹ جمع کرنے والوں کی نظر سے گرتے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ہندوستان میں بہت کم یادگاری ٹکٹ جاری ہوئے ۔ ۱۹۳۱ء میں نئی دلی کے افتتاح کے موقع پر پہلی بار ہندوستان میں یادگاری ٹکٹ جاری ہوئے تھے چونکہ ان کی تعداد بھی بہت کم تھی اس وجہ سے ان کی قیمت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور اب دوسری مرتبہ جوبلی کے موقع پر یادگاری ٹکٹ جاری ہوئے ہیں۔

(۱۱) بعض دوسری حالتوں میں بھی ٹکٹ قیمتی ہو جاتے ہیں مثلاً آبی نشان تبدیل ہو جانے کی وجہ سے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک ہندوستان کے ٹکٹوں میں ایک ستارے کی جگہ چند ستارے آبی نشان کے طور پر استعمال کئے گئے ایسے ٹکٹوں کی ایک ستارے والے ٹکٹوں سے زیادہ قیمت ہے۔

**سالگرہ نمبر** سالگرہ نمبر کا ذکر ہم نے "بچوں سے باتیں" کے سلسلے میں کیا ہے تم جلد سے جلد مقرر کئے ہوئے عنوانوں پر اچھے اچھے مضمون لکھ کر بھیجو۔ اس کے علاوہ اپنے درجے کے ساتھیوں اور ہمجولیوں کو دکھاؤ اور انھیں خریداری پر آمادہ کرو۔

# سورج کے سات رنگ

از جناب رشید الدین صاحب لاہور

کل شام کو جب ہم دریا کی سیر سے واپس آ رہے تھے۔ تو کالے کالے بادل چھنٹ رہے تھے، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ یہی دل چاہتا تھا کہ دریا کے کنارے بیٹھے رہیں۔

ہم ابھی گھر سے بہت دور تھے کہ خورشید میاں بولے " اہا دیکھو بھائی جان وہ کیا " ہم نے پوچھا کہاں۔ تو اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھادی " وہ دیکھو اللہ میاں کی کمان۔ کیسی خوب صورت کتنی بڑی ہے۔ اس کے رنگ تو دیکھو کیسے اچھے معلوم ہو رہے ہیں "

انور:۔ نہیں جی وہ تو اللہ میاں کا جھولا ہی۔ بچپن میں اللہ میاں اسی میں جھولا جھول کر تو اپنا دل بہلایا کرتے تھے

ان کی باتیں سن کر مجھے بہت ہنسی آئی۔ بشیر کہنے لگا " ابھی بچے ہی تو ہیں۔ کیا جانیں۔ جو کسی سے سن لیا اسی پر یقین کرلیا۔ ٹھیک ہو یا غلط ان کی بلا سے "

میں:۔ ہاں بہت سے بڑے بوڑھے بھی نہیں جانتے اور یہ تو بیچارے ابھی بچے ہی ہیں۔

ہماری باتیں سن کر خورشید ہمارا منہ تکنے لگا اور حیران ہوکر بولا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

**بشیر:۔** ہاں بھائی ابھی تم بچے ہی تو ہو۔

**خورشید:۔** تو کیا یہ جھولا نہیں ہے؟

**بشیر:۔** ہرگز نہیں۔

**خورشید:۔** اچھا تو اللہ میاں کی کمان ہی سہی۔ کیوں ہے نا ٹھیک؟

**بشیر:۔** بھیا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ تم ابھی بچے ہو۔

**انور:۔** اس دن باجی ہی تو کہتی تھیں کہ یہ جھولا ہے۔

**بشیر:۔** ہاں ہاں یہی تو میں کہتا ہوں کہ جو کسی سے سن لیا۔ اس پر یقین کرلیا۔

**میں:۔** ارے بھائی کیوں بچوں کو پریشان کرتے ہو۔ بتا کیوں نہیں دیتے۔ اچھا میاں خورشید ہم تمھیں بتادیں گے کہ اصل میں یہ کیا چیز ہے۔ مگر گھر پہنچ کر بتائیں گے۔ اس جگہ تم سمجھ بھی نہیں سکو گے

**خورشید:۔** نہیں بھائی جان آپ یہیں بتادیں ہم ضرور سمجھ جائیں گے۔

**میں:۔** یہ وقت تو دماغ کو تازہ کرنے کا ہے۔ ابھی گھر پہنچ کر تمھیں سمجھادیں گے۔ جلدی کاہے کی ہے۔

اس پر خورشید چپ ہوگیا اور انور اور خورشید جلدی جلدی قدم اُٹھانے لگے۔ تاکہ جس قدر جلدی ہوسکے گھر پہنچ جائیں۔ جوں جوں گھر قریب آتا توں توں وہ اور جلدی کرتے تھے۔

گھر پہنچ کر انور اور خورشید دونوں سیدھے کمرے میں پہنچے اور کرسیوں پر بیٹھ کر ہماری راہ تکنے لگے۔ جوں ہی میں اور بشیر اندر داخل ہوئے دونوں بولے " جلدی کرو بھائی جان اب تو ہم گھر آ پہنچے۔

دونوں بہت بیتاب ہورہے تھے اس لئے اسی وقت انھیں سمجھادینا مناسب سمجھا۔ ناشتے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ اور

ان سے کہا " اچھا تو لو بھائی تم تیار ہو جاؤ "

خورشید :- ہم بالکل تیار ہیں آپ سنائیے

میں نے الماری سے ایک تکونا سفید شیشہ نکال کر ان کو دکھایا اور پوچھا کہ کیا تم جانتے یہ کیا ہے اِسے پرزم (prism) کہتے ہیں یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ اس کا کوئی اپنا رنگ نہیں جس چیز پر رکھا جائے وہی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ کہہ کر میں کرسی پر سے اٹھا اور کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پرزم کو میں نے کھڑکی کے سامنے دھوپ میں رکھا سامنے کی دیوار پر پرزم کا سایہ جو کور شکل کا پڑا۔ اس سایے میں سات رنگ ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ یہ چوکور اور رنگین سایہ بہت خوب صورت معلوم ہو رہا تھا

خورشید اور انور دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

میں :- دیکھا خورشید یہ کیا ہے

خورشید :- جی ہاں بھائی جان مگر یہ رنگ کہاں سے آئے ؟

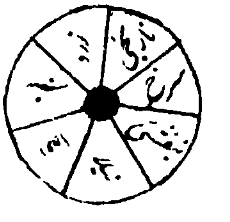
میں :- پرزم میں سے سوائے دھوپ کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کے یہ رنگ ہوں اور دھوپ جانتے ہو سورج کی روشنی ہی ہوتی ہے

خورشید :- گویا یہ سورج کے رنگ ہیں

میں :- ہاں ہاں شاباش تم ٹھیک کہتے ہو۔

:- مگر بھائی جان یہ کیسے ہو سکتا ہے

خورشید کے اس سوال پر میں نے ایک لٹو الماری میں سے نکالا اس پر چاک مل کر اسے بالکل سفید بنا دیا تھا اُن کے سامنے ہی میں نے لٹو پر اس طرح لکیریں ڈالیں کہ اس کے پورے سات حصے ہو گئے جس طرح تم شکل میں دیکھتے ہو۔



اس کے بعد پھر میں نے ان سات خانوں میں سات رنگ ایک ترتیب سے بھر دئے یعنی پہلے سُرخ پھر نارنجی پھر زرد پھر سبز پھر اودا پھر نیلا اور اس کے بعد بنفشئی۔ اگر ان رنگوں کی ترتیب بگڑ جائے تو تجربہ غلط ہو جائے گا ان کی ترتیب یاد رکھنے کے لئے ہر رنگ کا پہلا حرف لے لو یعنی سُرخ کا 'س' نارنجی کا 'ن' وغیرہ ان حرفوں کے ملانے سے یہ لفظ بن جاتا ہے۔ (سنزسانب)

اس کے بعد میں نے لٹو کو زور سے میز پر گھمایا۔ لٹو سفید معلوم ہونے لگا بالکل ایسا جیسے اس میں کوئی رنگ بھرا ہی نہیں۔ خورشید اور انور یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ خورشید کہنے لگا "بھائی جان یہ تو جادو کے کھیل ہیں"۔

میں :۔ دیکھا خورشید۔ سات رنگ سفید ہوگئے۔ یہی سورج کا حال ہے سورج لٹو سے کہیں زیادہ تیز گھومتا ہے۔ اس لئے وہ بھی سفید معلوم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ ہم سے بہت ہی دور ہے ہم یقین نہیں کرتے کہ اس کے سات رنگ ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ ہے سات رنگوں سے مل کر بنا ہوا اچھا تو تمھیں معلوم ہوگیا کہ سورج کے سات رنگ ہیں۔

**خورشید:۔** جی ہاں نہایت اچھی طرح

**میں:۔** یہ تو تم جانتے ہو کہ ——— پانی کا کوئی رنگ نہیں ہوتا بلکہ جس چیز میں رکھا جائے اسی کا رنگ اختیار کرلیتا ہے۔

**خورشید** جی ہاں بالکل ٹھیک

**میں:۔** تو سنو۔ یہ جو سات رنگی کمان کبھی کبھی تم آسمان پر دیکھا کرتے ہو اور آج بھی دیکھی تھی، اس کا بھی یہی قصہ ہے۔ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک طرف سورج چمکتا ہوتا ہے اور دوسری طرف بادلوں میں

سے ننھی ننھی بوندیں برس رہی ہیں اسی کو ہم پھوہار کہتے ہیں۔ وہ پھوہار چونکہ لگاتار برستی رہتی ہے اس لئے وہ ایک بہت بڑا بلور سا بن جاتا ہے اب سورج کی شعاعیں اس انوکھے بلور میں سے گذرتی ہیں اور یہ توتمھیں معلوم ہی ہے کہ سورج میں سات رنگ ہیں ان ہی سات رنگوں کا عکس شعاعوں کے ذریعے بلور پر پڑتا ہے۔ اور ہمیں سات رنگوں کی بہت خوب صورت دھنک نظر آنے لگتی ہے۔ سورج چونکہ گول ہے اس لئے وہ شعاعیں بھی گول ہوتی ہیں۔ اب یہ بات تم بڑے ہوکر معلوم کرلوگے کہ ہمیں یہ دھنک کمان سی یعنی آدھا دائرہ کیوں نظر آتا ہے۔ بالکل گول دائرہ کیوں نہیں دکھائی دیتا

دیکھا یہ ہے تمھاری کمان کی حقیقت۔ اسے قوس قزح اور ابھی ہم بتاچکے ہیں کہ دھنک بھی کہتے ہیں اب اسے کمان یا جھولا مت کہنا۔ اگر تمھارا کوئی دوست ایسی غلطی کرے تو تم اسے بھی سمجھا دینا اور بتادینا کہ دھنک نہ کمان ہے نہ جھولا

# لطیفہ

غفیر:۔ آج مجھے بدہضمی ہوگئی ہے۔

امیر:۔ تو میں تمھاری کس طرح مدد کرسکتا ہوں۔

فقیر:۔ مجھے کوئی ایسی چیز کھلا دیجئے جو آسانی سے ہضم ہو جائے

# گیدڑ کا فیصلہ

از حامد حسین حمدی صدیقی، فرزند محوی صاحب قبلہ (بنگلور)

ایک سوداگر اپنے خچر پر سوار کہیں دور کے سفر سے واپس آرہا تھا اپنے مکان سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا کہ رات ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ کہیں ٹھہر جانا چاہئے۔ اور سڑک کے کنارے ایک چکی گھر دیکھ کر وہیں کواڑ کھٹکھٹائے پسنہارا اُٹھ بیٹھا۔ اور بولا :- اندر آیئے "

سوداگر :- "کیا میں آج رات یہاں ٹھہر سکتا ہوں ؟"

پسنہارا :- "بسر وچشم۔ اگر آپ مجھ کو اس کا کچھ معاوضہ دیں "

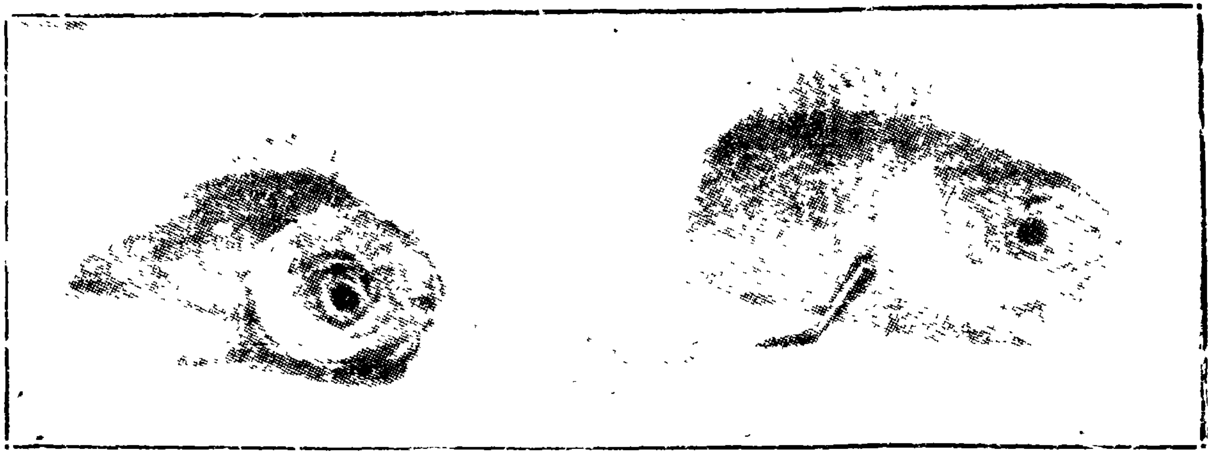
سوداگر سمجھ گیا کہ کچھ معاوضہ دے دیا جائے تو آرام بہت ملے گا۔ اس زمانے میں لوگ اجنبی اور مسافر سے بہت خاطر مدارات سے پیش آتے تھے۔ اور انھیں بہت آرام سے رکھتے تھے مہمان سے رہنے اور کھانے کے دام بھی وصول نہیں کئے جاتے تھے۔ غرض کہ " اچھی بات ہے " کہہ کر سوداگر دروازے میں داخل ہوا اور پسنہارے نے اس کا خچر اپنے اصطبل میں لے جاکر باندھ دیا

سوداگر :- میرے خچر کو اچھی طرح رکھنا مجھے ابھی بہت دور جانا ہے

"واہ" پسنہارا بولا " آپ کا خچر بہت اچھی طرح رہے گا۔ اطمینان رکھئے۔ اس نے خچر کی مالش کی اور اس کے سامنے کچھ گھاس بھی لاکر ڈال دی

صبح ہوئی تو سوداگر نے اپنے خچر
کو پوچھا۔
"مجھے بہت ہی افسوس ہے" پسنہارا
بولا" اس کی رسی شاید ڈھیلی ہو گئی تھی
وہ کہیں چل دیا۔ میں نے بہت ڈھونڈا
لیکن کہیں پتہ نہیں چلا"
سوداگر بہت رنجیدہ ہوا اور خود
خچر دیکھنے نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کا خچر
وہیں چکی سے بندھا ہوا ہے
"کیوں، یہاں دیکھو پسنہارے"۔
اس نے کہا "میرا خچر یہ ہے"۔
پسنہارا" اجی نہیں، یہ میرا خچر ہے"۔
سوداگر (غصہ سے) تمھارا؟ کل رات تو
تمھارا اصطبل خالی تھا۔ تم کو یہ
نہیں معلوم کہ میں اپنے خچر کو
پہچانتا ہوں"۔
پسنہارا:۔"یہ تو میرا خچر ہے۔ میری چکی
نے اسی رات ایک خچر دیا ہے وہ
یہی ہے"۔

سوداگر اس وقت زیادہ غصے میں
نہ تھا۔ اور غصہ کرتا تو کر ہی کیا سکتا تھا
وہ لڑاکا بھی نہ تھا۔ امن پسند آدمی
تھا۔ اس لئے اس نے نرمی سے کہا
اچھا میں مانتا ہوں کہ جو کچھ تم
کہہ رہے ہو سب ٹھیک ہے۔ لیکن میرے
اطمینان کے لئے مسٹر گیدڑ کا فیصلہ ضروری
ہے۔ جو کچھ وہ کہیں میں مان لوں گا"۔
پسنہارا:۔ بہت خوب۔ دونوں ایک
گیدڑ کے مکان پر پہنچے۔ ڈاکٹر
گیدڑ اپنے پیچھے کے دو بالوں کی
قینچی بنائے بیٹھے ہوئے مزے
سے حقہ پی رہے تھے۔
گیدڑ:۔ "السلام علیکم" اے لائق و شریف
آدمیو۔ میرے لائق کوئی خدمت
ہو تو بتائیے؟
سوداگر:۔ مہربان منصف کل رات
میں اس پسنہارے کے پاس
ٹھہرا اور اپنا خچر بھی اس کے سپرد



[illegible]



[illegible]

امریکہ کی ایک چڑیا [illegible]



کر دیا تھا لیکن اب یہ کہتا ہے کہ خچر بھاگ گیا حالانکہ میں اپنا خچر اپنی آنکھ سے اس کی چکی سے بندھا ہوا دیکھ آیا ہوں یہ کہتا ہے کہ جو خچر چکی سے بندھا ہے وہ اسی کا ہے اور چکی اس خچر کی ماں ہے کل رات یہ خچر چکی کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

گیدڑ:۔ "چکی کے پاس چلے جاؤ" اور وہاں میرا انتظار کرو۔ میں منہ دھوکر آتا ہوں۔ پھر تمھارا معاملہ طے کروں گا۔"

وہ دونوں چلے گئے اور بہت دیر تک گیدڑ کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آیا۔ گیدڑ کا راستہ دیکھتے دیکھتے وہ تھک گئے آخر دوپہر کو پھر اس کے پاس گئے۔ دیکھا کہ وہیں اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا حقہ گڑگڑ گڑگڑ پی رہا ہے۔ اس کو ان لوگوں کا کچھ خیال ہی نہ رہا تھا۔

پسنہارا:۔ ارے بھائی تم کیوں نہیں آئے؟ ہم تمام دن تمھارا انتظار کرتے رہے اور اب پھر تمھیں بلانے آئے ہیں۔

گیدڑ:۔" اجی جناب عالی! میں ایک ضروری کام میں مشغول تھا۔ جب میں اپنا منہ دھونے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تمام پانی میں آگ لگی ہوئی ہے میں ابھی تک اس آگ کو بجھاتا رہا

پسنہارا:۔ آپ دیوانے ہوگئے ہیں آج تک کسی نے سنا بھی ہے کہ پانی میں آگ لگی ہو؟"

گیدڑ:۔ اور یہ کس نے سنا ہے کہ چکی کے پیٹ سے خچر پیدا ہوتا ہے؟"

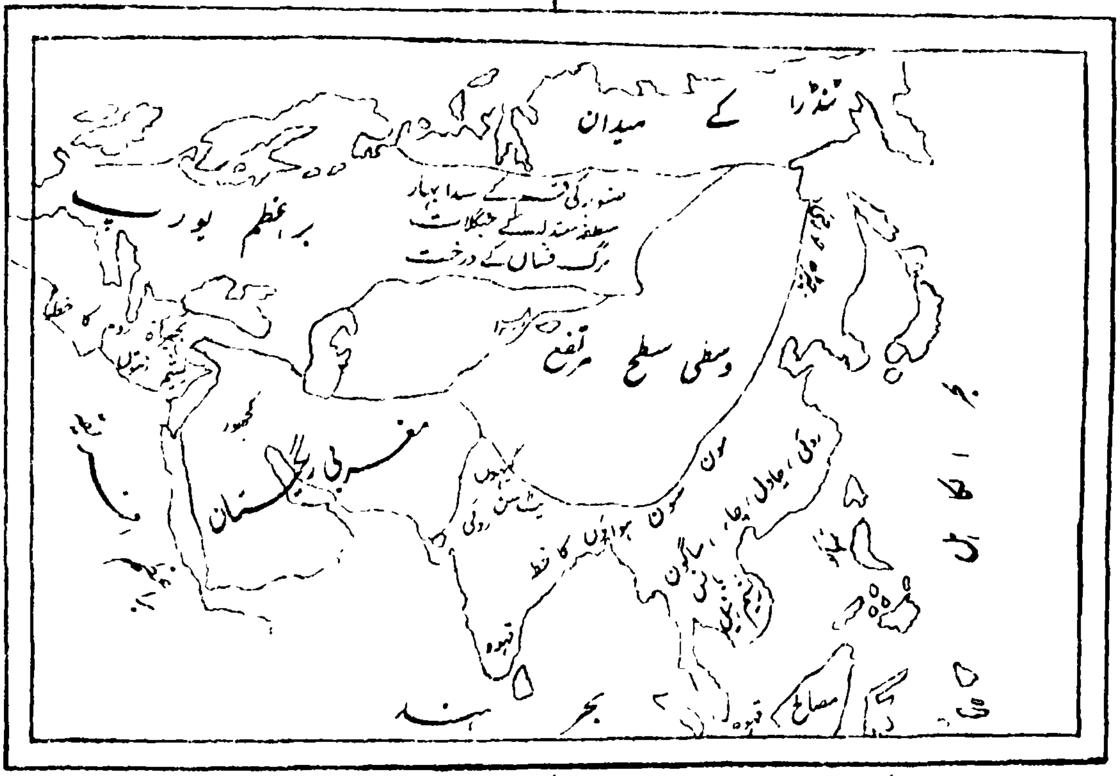
جب پسنہارے نے دیکھا کہ گیدڑ اس بھید کو پا گیا ہے تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور سوداگر کو اس کا خچر واپس کر دیا

گیدڑ کے انصاف اور سمجھ داری کی کہانی اب تک کتابوں میں لکھی ہے (ترجمہ)

# غذا

(جناب غلام طاہر صاحب صدر مدرس مدرسہ سلطانیہ کھیڑ ضلع (ناندیڑ)

اب سے ہزار ہا سال پہلے انسان محض ایک جنگلی باشندہ تھا۔ پہاڑوں کے غاروں میں رہتا اور جنگل کے پھل




پھلاریوں پر گذر کرتا تھا۔ کبھی کوئی جنگلی جانور ہاتھ آگیا تو اسے بھی کھا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے پتھر کے ہتھیار بنانے شروع کئے اور جنگلی جانوروں کا شکار اس کا اہم پیشہ ہوگیا۔ اور ہزار ہا سال تک یہی پھل اور گوشت اس کی خوراک رہے مردوں کا کام زیادہ تر شکار کرنا تھا۔ اور عورتیں جنگل کے تر و خشک پھل اکٹھا کیا کرتی تھیں۔ تاکہ فوری ضرورت کے وقت کام آسکیں بعض جانوروں کے بچے بھی پکڑ کر پال لئے جاتے تھے

تاکہ بیماری و تکلیف کے وقت زیادہ دوڑ دھوپ کی ضرورت نہ پڑے آگے چل کر اُن ہی جانوروں کا دودھ بھی بطورِ غذا کے استعمال ہونے لگا۔ اس دوران میں بعض ایسے گھاس کے بیجوں کا تجربہ ہوا جو زیادہ دن تک رہ سکتے تھے۔ اور اچھی غذا کا کام دے سکتے تھے انھیں اپنی سہولت کے لئے انسان نے بونا شروع کیا اور یہیں کاشتکاری کی ابتدا ہوگئی۔ جب کاشتکاری شروع ہوگئی تو کھیتوں کی حفاظت کے لئے انھیں قریب ہی رہنا بھی پڑا۔ جھونپڑیاں اور مکان بنانا پڑے مدنیت یا شہریت بھی پیدا ہونے لگی۔ تجربے نے بتایا ہوگا کہ بعض زمینیں اچھی پیداوار مہیا کر سکتی ہیں اس لئے ان ہی زمینوں میں بود و باش زیادہ ہونے لگی اس طرح زرخیز زمینوں میں آبادیاں بڑھنے لگیں اور ہر ایسی جگہ اچھا خاصا تمدن وجود میں آگیا۔ ایسی زمینوں کی مثالیں ہندوستان چین، عراق، عرب اور مصر ہیں۔ تجربے نے یہ بھی بتایا ہوگا کہ ہر زمین میں تمام چیزیں پیدا نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ مختلف چیزوں کی پیداوار کا دار مدار زمین کی حالت، آب و ہوا اور بارش پر ہے۔ میوے بھی جو زیادہ مزے دار اور مفید معلوم ہوئے ان کی بھی کاشت ہونے لگی۔ یہ بھی آب و ہوا کے ساتھ مخصوص ہیں اس طرح جب انسان کرۂ زمین پر پھیلنے لگا تو مقامی حالات نے اس کی غذا بھی مخصوص کر دی (نقشہ اوپر دیکھو)

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ کن مقامات پر کس قسم کی غذا کا استعمال ہوتا ہے اور وہ کیسے دستیاب ہوتی ہے غذا کی دو تقسیمیں کی جا سکتی ہیں، حیوانی غذا اور نباتی غذا حیوانی غذا میں عموماً چرندوں کا گوشت اور دودھ، پرندوں کا گوشت اور انڈے اور آبی (پانی کے جانوروں) میں مچھلی ہیں:۔

## حیوانی غذا

اب تم دنیا کا ایک نقشہ لے کر قطب شمالی کے اطراف کے علاقے پر غور کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ یہاں سورج کی کرنیں بہت ترچھی پڑتی ہیں اس لئے سردی بہت ہوتی ہے اور تمام علاقہ سال بھر برف پوش رہتا ہے۔ کسی قسم کی نباتی پیداوار نہیں ہوسکتی صرف کائی اور ایک قسم کی گھاس کھن پیدا ہوسکتی ہے یہ ٹنڈرا کا علاقہ یا برفستانی خطہ کہلاتا ہے۔ شمالی امریکا، یورپ اور ایشیا کے شمال میں تھیں یہ علاقہ نظر آئے گا یہاں جانور بھی بہت کم رہتے ہیں اور انسانی آبادی بھی بہت تھوڑی ہے

جانوروں میں برفستانی بارہ سنگھا (رینڈیر) اور دوسرے برفستانی جانور مثلاً سفید ریچھ اور لومڑیاں وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ کچھ پستہ قد انسان بھی یہاں خال خال نظر آتے ہیں جنھیں اسکیمو کہتے ہیں۔ اب تم خود ہی اندازہ کرسکتے ہو کہ ایسے مقامات پر جہاں کوئی نباتی پیداوار نہیں ہو سکتی اُن کی غذا سوائے گوشت کے اور کیا ہو سکتی ہے لہٰذا اسکیمو سیل، والرس مچھلی، بارہ سنگھے اور دوسرے جانوروں کے گوشت پر اپنی گذران کرتے ہیں۔ مگر یہاں کے باشندوں کو سب سے زیادہ دقت جاڑوں کے موسم میں پیش آتی ہے جبکہ سوائے برف کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور جانور بھی سردی کی شدت اور غذا نہ ملنے کی وجہ سے مہینوں کی گہری نیند سوجاتے ہیں۔ اور صرف گرما کے موسم میں بیدار ہوتے ہیں اس لئے اسکیمو شکار کر کے گوشت محفوظ رکھتے ہیں جو انتہائی سردی کی وجہ سے سالوں نہیں سڑتا۔

مگر تمھیں یہ خیال نہیں کرلینا چاہئے کہ صرف برفستانی خطے میں ہی گوشت خوار انسان بستے ہیں۔ منطقات نیم سرد اور نیم گرم میں بھی اس کا کافی استعمال ہوتا ہے البتہ منطقۂ حارہ میں نباتی غذا زیادہ استعمال کی جاتی ہے کیوں کہ گوشت زیادہ حرارت کرنے والی چیز ہے جس کی گرم ممالک میں چنداں ضرورت نہیں۔ ہندوستان میں بدھ مت کے پیرو جین اور ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد گوشت کا استعمال نہیں کرتی۔ دودھ مکھن کے لئے اہم جانور تو گائے اور بھینس ہیں جو ہر ملک میں پالے جاتے ہیں مگر گائے بھینس، بھیڑ، بکری زیادہ تعداد میں صرف ان ہی ممالک میں پرورش پاسکتے ہیں۔ جہاں گھاس کی افراط ہو

(باقی آئندہ)

## تصحیح

پچھلے (جولائی کے) پرچے میں ہمارے محترم مضمون نگار جناب میرزا مظفر حسین بیگ صاحب سیفی دہلوی کا نام غلط ظفر حسین چھپ گیا تھا ہمیں اس کا افسوس ہے۔ بچے اپنے اپنے رسالوں میں اس نام کو ٹھیک کرلیں۔ ایڈیٹر




چین کی بڑی نہر ایک ہزار میل لمبی ہے اس سے زیادہ لمبی دنیا میں اور کوئی نہر نہیں۔

---

سنترے کا درخت ڈیڑھ سو برس تک پھل دیتے جاتا ہے۔

---

جزائر غرب الہند میں ایک قسم کا جگنو پایا جاتا ہی جس کے آگے کی طرف دو سبز روشنیاں اور پیچھے کی طرف ایک سبز روشنی ہوتی ہے

---

دہلی میں ایک مرغی کے انڈے سے دو بچے نکلے انڈے کا وزن ساڑھے سات تولے تھا۔

---

کناڈا میں ایک شخص کی عمر ایک سو گیارہ سال کی ہی اس نے اپنی سالگرہ کے موقع پر اپنی مضبوط بینائی کا ثبوت اس طرح دیا کہ سوئی میں ایک ہی دفعہ میں تاگہ پرو دیا۔

---

انگلستان میں ایک جہاز کوئن میری کے نام سے بنایا گیا ہی۔ یہ دنیا میں سب سے بڑا اور تیز چلنے والا جہاز ہی اس پر ایسا رنگ لگایا گیا ہے جس سے آگ کا اثر نہ ہو۔ آزمائش کے لئے ایک کمرے پر منوں پٹرول چھڑک کر آگ لگائی گئی پٹرول جل چکنے کے بعد صرف دیواریں ذرا ذرا جھلس گئیں باقی آگ کا مطلق اثر نہ ہوا۔

---

ریاست بڑودہ میں ایک جگہ زمین کھودنے پر ایک بالشتیے کی ہڈیاں یا ڈھانچہ نکلا ہی جس کا قد صرف ۱۵ انچ تھا ایک بالشتیا گائے بھی ملی ہے جو ۱۸ انچ اونچی ہی اور قریب ہی دس انچ کی ایک چھڑی بھی ملی ہے۔ ابھی اس کے بارے میں تحقیق ہو رہی ہی کہ یہ ڈھانچا سچ مچ کسی بالشتیے کا ہی یا بچے اور بندر کا۔

---

سمندر کے پانی میں چاندی کے مقابلے میں سونے کی مقدار ۵ گنا ہوتی ہے۔

---

جنوبی افریقہ میں اولوں نے اتنے بڑے کچھوے کو مار ڈالا جو اپنی پیٹھ پر آدمی کو بٹھا سکتا تھا۔

سب سے بڑا انڈا جاپانی شارک مچھلی کا ہوتا ہے شترمرغ کے انڈے سے اس کا انڈا دوگنا ہوتا ہے۔

---

برقی مچھلی اتنی رو پیدا کرتی ہے کہ اس سے گھنٹی بجائی جا سکتی ہے۔

---

شمالی امریکا میں گیہوں کی ایک نئی قسم دریافت ہوئی ہے جسے ٹڈے نہیں کھاتے۔

---

جو ہیرے برتے جا رہے ہیں۔ ان کی قیمت دو کھرب دس ارب روپیہ ہے۔ ان کا مجموعی وزن آج کل کے ریلوے انجن کا تقریباً آدھا ہوتا ہے۔

---

صحرائے اعظم افریقہ میں تین سو فٹ گہرے کنوؤں کی مچھلیاں نکلی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے نیچے ایسے دریا ہیں جو انھیں یہاں تک لے آئے۔

---

اب سے پچاس برس پہلے دنیا میں بجلی کی کمپنیاں صرف دس تھیں۔

---

سمندر کے کچھوؤں میں بیس ہزار خار ہوتے ہیں جن کو وہ اپنے دشمنوں پر تیر کی طرح چلاتے ہیں۔

---

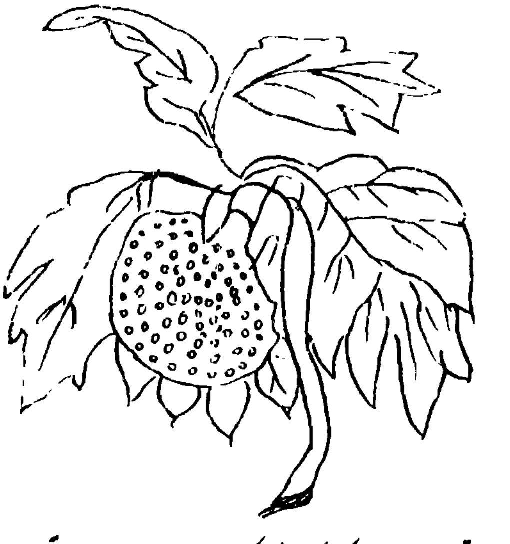
جنگ عظیم کے زمانے میں زرافے کی نسل خاتمے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ افریقہ میں فوجوں کیلئے کھمبوں پر بجلی کے تار لگائے گئے۔ زرافے کی لمبی گردنوں نے وہ تار توڑ ڈالے اس لئے حکم ہوگیا کہ انھیں دیکھتے ہی گولی ماردی جائے لیکن لڑائی کے بعد ان کی خاص طور سے حفاظت کی جا رہی ہے۔ اور ان کی تعداد پھر بڑھ رہی ہے۔

---

افریقہ میں ایک درخت ہوتا ہے اسے مکھن کا درخت کہتے ہیں جب اسکے پھل دھوپ میں اچھی طرح سکھانے کے بعد ابالتے ہیں تو ان میں اعلیٰ درجے کا مکھن نکلتا ہے جو مہینوں تک بغیر نمک کے رکھا جا سکتا ہے۔

---

جنوبی دریائی جزیرے میں ایک عجیب و غریب درخت ہے جسے پاؤ روٹی کا درخت کہتے ہیں اس پھل کا رنگ بالکل سبز ہوتا ہے۔ شکل خربوزے کی وہاں کے باشندے اسے بہت شوق سے



کھاتے ہیں۔ اس کے پکانے کے بھی بہت سے طریقے ہیں مگر عام طریقہ یہ ہے کہ اسے بغیر چھیلے کڑھائی میں ڈال کر بھونتے ہیں۔ بھوننے سے یہ پاؤ روٹی کی طرح نرم ہو جاتا ہے اور رنگ سفید پڑ جاتا ہے

(مس ثریا سراج الدین کلکتہ)

# خط کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

کیا آپ مہربانی فرماکر مجھ کو مطلع فرمائیں گے کہ جن ٹکٹوں کی قیمت مئی کے پرچے میں لکھی ہے ان کو کون خرید تا ہے اور ان کے علاوہ ایڈورڈ ہفتم کی تصویر کے تین پیسے والے سیاہی مائل اور ایک آنے والے گلابی (SCARLET) ٹکٹ بھی بکتے ہیں۔ یا نہیں اور ان کی کیا قیمت ہے۔ کیا وہ ٹکٹ جو کارڈوں اور لفافوں پر چھپے ہوتے ہیں۔ ٹکٹوں میں شمار ہو سکتے ہیں؟

سید مسعود علی ۔ بھوپال

امید ہے کہ کوئی پیام بھائی پیام تعلیم کے ذریعے ان کی باتوں کا معقول جواب دیں گے (ایڈیٹر)

---

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ۔ السلام علیکم

مجھ کو ٹکٹوں والے مضموں سے بہت دلچسپی ہے لیکن افسوس کہ میرے پاس زیادہ ملکوں کے ٹکٹ نہیں آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی اگر مجھے بھی چند ٹکٹ افغانستان اور ممکن ہو تو کچھ ٹکٹ حیدرآباد کے بھی عطا کریں گے عبدالمالک

عبدالسلام محمد ابراہیم ۱۲۲ لور چیت پور روڈ کلکتہ

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

آپ کا خط ملا ۔ بہت شکریہ میں انشاء اللہ اور کہانیاں بھی لکھ کر بھیجوں گا ۔ مگر میری عرض یہ ہے کہ مجھے ان جگہوں کے نام بتائے جائیں جہاں پرانے ٹکٹ ملتے ہیں ۔ امید ہے کہ آپ ایسی جگہوں کے پتے لکھ دیں گے

پیام تعلیم میں پتے چھپے تھے ۔ مگر اتفاق سے پچھلے مہینے کے پرچے گم ہو گئے ۔ آپ ضرور ضرور اس پر غور فرمائیں اور بندے کو خوش کریں ۔ خواجہ اکرام احمد آغا ۔ امراوتی

---

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ تسلیم

مہربانی فرماکر بھوپال، حیدرآباد، ناگردل، ایران، فارس، افغانستان اور عرب کے ٹکٹ کثرت سے ہوں تو نمونے کے لئے روانہ کریں ۔ اگر آپ کے پاس نہ ہوں تو کہاں کہاں ملیں گے ۔ مہربانی فرماکر پتے لکھ دیں ۔

جی معنو باخاں ۔ بی اے

---

محترم جناب مدیر صاحب ۔ پیام تعلیم

السلام علیکم ۔ مجھے پیام تعلیم کا "ٹکٹ جمع کرنے کے فائدے" والا مضمون بہت پسند آیا میں بھی ٹکٹ جمع کرتا ہوں اور بہت بڑا ذخیرہ رکھتا ہوں میرے پاس پرانے ٹکٹ وکٹوریہ کے زمانے کے ہیں ۔ انیسویں صدی کے تقریباً چھ ہزار ٹکٹ ہیں ۔ یہ ٹکٹ جرمنی کی تمام ریاستوں برطانیہ فرانس، اور امریکا کے ٹکٹوں پر مشتمل ہیں نئے ٹکٹ مصر یمن، عراق، افغانستان، ایران فلسطین اٹلی، فرانس

جرمنی اور نازی، انگلستان۔ امریکا۔ آسٹریلیا، زنجبار موزمبیق، پرتگال گوا، چین، جاپان، سیلون، موریشس ہندوستان اور سوئیڈن کے ہیں۔ سلور جوبلی اور نئی دلی کے افتتاحی ٹکٹوں کے سٹ بھی ہیں جس کسی بھائی کو ان ٹکٹوں میں سے کوئی درکار ہو تو وہ سودا یا مبادلہ کرسکتے ہیں۔

ظہور احمد متعلم سینٹ جوزفس ہائی اسکول
نقشبندی بلڈنگ۔ نل بازار۔ بمبئی ۳

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔

رسالہ پیام تعلیم وصول ہوا۔ میں نے بھی ٹکٹ جمع کرنے شروع کردئے ہیں اور کافی ٹکٹ جمع کرلئے ہیں۔ شادکمینی اور افغانستان کے ٹکٹ جو آپ کے پاس ہیں ان میں سے مجھے بھی عنایت فرمایئے سلور جوبلی کے ٹکٹ میرے پاس بھی ہیں صرف ۲۔ روالے اور ۳۔ روالے ٹکٹ نہیں ہیں اگر یہ ٹکٹ آپ کے پاس ہوں تو ارسال فرمایئے گا۔ ار والے ٹکٹ میرے پاس زیادہ ہیں اگر کوئی صاحب مبادلہ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔

محمد جمیل الرحمٰن درجہ نہم (ب)
مسٹن اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں

---

مکرمی تسلیم۔

انوکھے عدد اور ٹکٹ جمع کرنے سے مجھے خاص دلچسپی ہے مجھے پروفیسر عطار اللہ صاحب کی کہانیاں بہت پسند ہیں۔ مہربانی فرماکر اُن سے کہانیاں لکھوایا کیجئے۔ حاضر دماغ بکری کا قصہ بھی اچھا ہے مجھے زیادہ تر قصے۔ رنگ بھرنے کی تصویریں اور تلاش کرو کے جیسے کھیل بہت پسند ہیں۔ آپ کا پیام تعلیم ایسا رسالہ ہے کہ جس میں کوئی چیز ناکارہ نہیں ہے۔ یوں تو مجھے اخبارات و رسالہ جات سے بہت دلچسپی ہے لیکن پیام تعلیم جیسی دلچسپی کسی رسالے میں نہیں ہے مجھے ایک مہینہ ایک سال معلوم ہوتا ہے۔ زیادہ تر عطاء اللہ صاحب کے مضمون پسند ہیں۔

یوسف علی خاں درجہ ہشتم۔ پربھنی

---

مکرمی تسلیم

خاکسار کو عرصے سے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق نہیں جنون ہے۔ میرے پاس اس وقت کچھ زائد ٹکٹ ہیں انھیں میں بیچنا چاہتا ہوں ان میں ۱۹۲۱ء کے مختلف قیمتوں کے ایک درجن ٹکٹ ہیں۔ پوسٹل یونین کانگریس کے تین ہیں ترکستان کے ۲۵، ۳۰ سال پہلے کے آدھے درجن ایسٹ انڈیا کمپنی کے جس پر ملکہ کی تصویر ہے ۵، ۱، ۲، ۴ والے ہر قسم کے مددود ہیں۔ اور امریکا کے ابراہیم لنکن کے زمانے کے آدھے درجن ٹکٹ ہیں انھیں بیچنا چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے قیمتوں کی شرح معلوم نہیں۔ مہربانی فرماکر اس میں میری مدد کیجئے۔

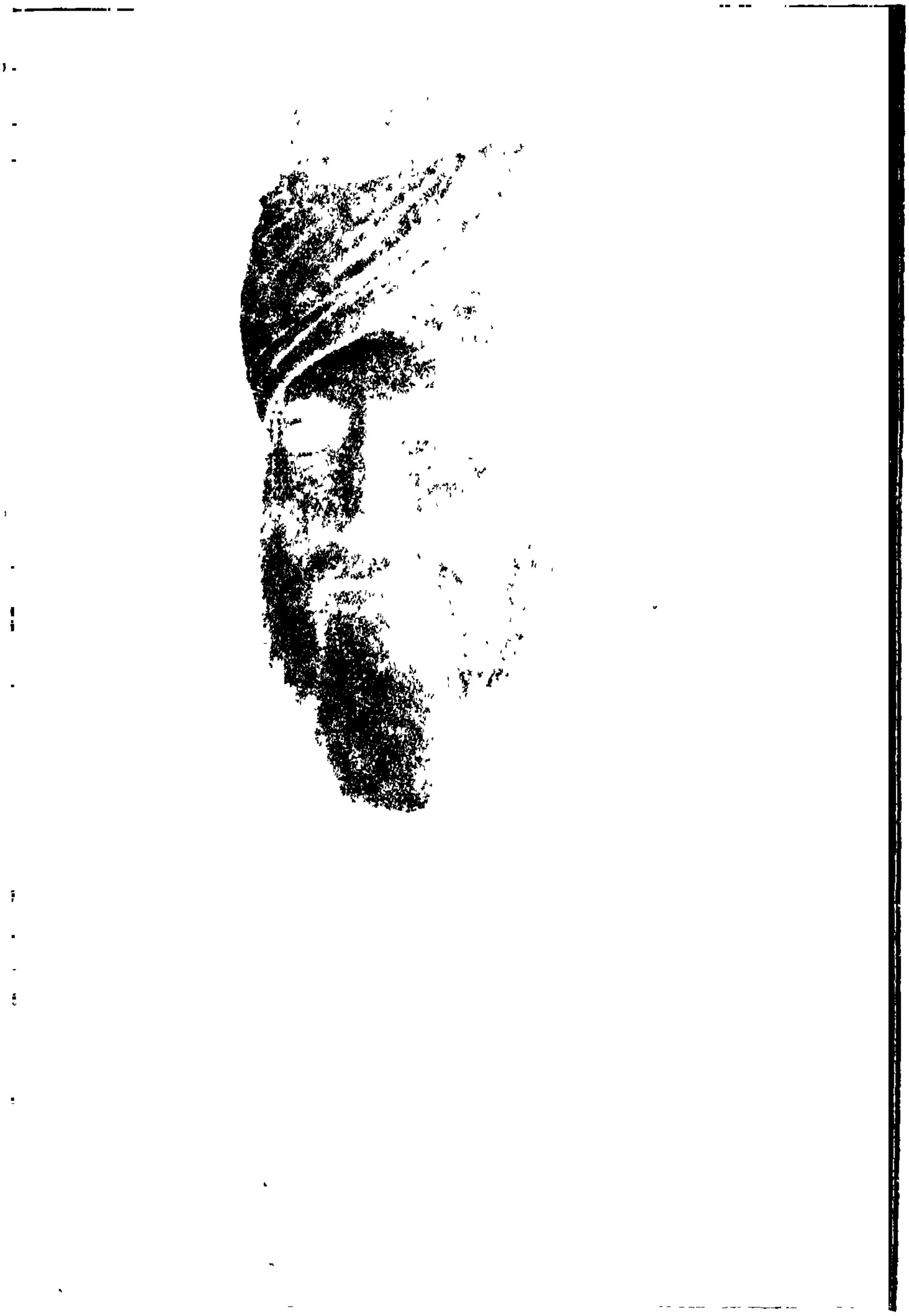
محمد عبدالرحمٰن ناطق
اسکاؤٹ ماسٹر چیچپو میونسپل اسکول۔ بمبئی ۱۲

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔

میرے پاس یورپ، افریقہ، عرب، ایشیا کے اکثر ملکوں کے ٹکٹ ہیں میں انھیں بیچنا یا مبادلہ کرنا چاہتا ہوں جو صاحب یا جو کمپنی مجھ سے خریدنا چاہے اس پتے پر خط کتابت کرے:-

سید منیر احمد بی اے معرفت سید نذیر احمد صاحب نیازی جامعہ ملیہ (دہلی)



جناب مولانا سید ممتاز علی صاحب قبلہ مرحوم مغفور
پیام تعلیم کے پچھلے پرچے میں آپ کا حال تم پڑھ چکے ہو۔



جناب [illegible] حسین [illegible] صاحب بی اے جامعہ

۲۰ اگست کے جہاز سے [illegible] انجنیری کی تعلیم کے لئے یورپ روانہ ہوگئے۔

# پیام تعلیم دہلی

اردو

| جلد ۱۸ | ستمبر ۱۹۳۵ء | نمبر ۹ |


## فہرست مضامین




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب جامعہ برقی پریس

# پیام تعلیم کے نئے خریدار

| | | |
|---|---|---|
| خورشید جہاں بیگم صاحبہ | | حیدرآباد دکن |
| حمیدیہ سلطانہ صاحبہ | | قنوج |
| احسن مظفر احمد عثمانی صاحب | | حیدرآباد دکن |
| گلشیر خاں | " | احمد آباد |
| ثریا بانو صاحبہ | | فرخ آباد |
| آفتاب احمد | " | بانکی پور پٹنہ |
| عبدالبشیر | " | بنگلور |
| منظور احمد خاں | " | قائم گنج |
| محمد مظفر جواد احمد | " | ظہیر آباد |
| ابوشعیب محمد عرفان | " | جونپور شہر |
| مسٹر تاج الدین دبرا | " | دہلی |
| گورنمنٹ محمڈن ہائی اسکول | | گنٹور |
| سید حامد علی عباسی | " | اورنگ آباد |
| ایم عبدالرحمن | " | بمبئی ۹ |
| آفتاب احمد خاں | " | دہلی |
| محمود علی علوی | " | نئی دہلی |
| محمد سرور خاں صاحب | | ہری پور ہزارہ |
| بی ۔ ایس امیہ الدین بخاری | " | کلوز پیٹ بنگلور ڈسٹرکٹ |
| ٹوب عثمانیہ مسلم بورڈنگ ہاؤس | | گلبرگہ |
| سید شفاعت حسین صاحب | | حیدرآباد دکن |
| فتح محمد | " | چاندہ |
| محمد شعیب | " | لکھنؤ |
| محمد عمران | " | فتح گڈھ |
| دارالمطالعہ | | کھرولی |
| سید محمد علی قادری | " | حیدرآباد دکن |
| میونسپل اردو اسکول | | جلگاؤں |
| آغا خورشید علی علامی | | بانکی پور پٹنہ |
| گورنمنٹ عثمانیہ اسکول | | نارائن پیٹھ |
| محمد عظیم صاحب | | ڈیرہ اسمٰعیل خاں |
| محمد غلام مصطفےٰ صاحب | | لودھی پور |
| ایم ۔ احسان خاں | " | سہارنپور |

# بچوں سے باتیں

پیام تعلیم کے تاسیس (سال گرہ) نمبر کا ذکر ہم پچھلے پرچے میں کر چکے ہیں۔ یہ نمبر ۹ اکتوبر تک اللہ نے چاہا تو شائع ہو جائے گا۔ ہم اسے پچھلے سال سے بھی زیادہ شاندار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس میں اچھے اور مفید مضمون، دلچسپ کہانیاں، مزے دار نظمیں، لطیفے، معمے، رنگ بھرنے کی تصویریں، تصویری معمے۔ اور ملک کی عمدہ تصویریں۔ غرض سبھی کچھ ہوگا۔

پچھلے نمبر میں ہم نے تم سے بھی مضمون لکھنے کے لئے کہا تھا۔ اور عنوان بھی بتا دئے تھے۔ اب تک صرف تین چار مضمون اس سلسلے میں آئے ہیں۔ ہم نے مضمونوں کے لئے آخری تاریخ دس ستمبر مقرر کی ہے۔ اس تاریخ کے بعد کا کوئی مضمون انعامی مقابلے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے جو بچے اس مقابلے میں شریک ہونا چاہتے ہیں وہ جلدی کریں اور دس تاریخ سے پہلے پہلے اپنے مضمون بھیج دیں۔

مضمون لکھنے کے لئے عنوان بتائے جا چکے ہیں۔ اس مرتبہ ہم پھر انھیں دوہرائے دیتے ہیں۔

۱۔ تمھیں اپنے بہن بھائیوں سے تو بڑی محبت ہوگی تم ان کی شرارتیں بھولی بھالی باتیں اور اسی طرح کی دلچسپ حرکتیں صحیح صحیح لکھ کر بھیج دو۔ اگر کسی شرارت کے وقت اُن کا فوٹو لیا گیا ہو تو وہ بھی بھیج دو۔

۲۔ تم خود اپنے صحیح صحیح حالات لکھ کر بھیجو اپنی زندگی میں تم نے کوئی نیک کام کیا ہو تو اسے بھی ضرور لکھنا۔

۳۔ تم نے کوئی ایسی فلم یا تماشا یا کتاب دیکھی ہو جو تمھیں بہت پسند ہو تو اس کے متعلق اپنے خیالات لکھ کر بھیج دو۔

۴۔ تم کیا بننا چاہتے ہو۔ بادشاہ۔ وائسرائے۔ گورنر۔ استاد، ڈاکٹر، حکیم وغیرہ اور کیوں؟۔

۵۔ اگر تم سے کہا جائے کہ کوئی اچھی سی بستی بساؤ تو تم کیا کروگے۔ کیسی بستی بساؤ گے کیسی زمین پسند کروگے۔ بستی کے بسنے والوں کی تندرستی، تعلیم امن و امان اور دوسرے انتظامات کی کیا صورت ہوگی اس کا ایک خاکہ الفاظ میں کھینچ کر ہمارے پاس بھیج دو

ان میں سے ہر عنوان کے ماتحت جو مضمون سب سے اچھا ہوگا اس پر ہم انعام دیں گے اور مضمون سال گرہ نمبر میں شائع ہوگا۔

ان کے علاوہ تصویری معمے، لطیفے۔ علمی شعبدے، ڈرائنگ کے کام سائنس، جغرافیہ، تاریخ غرض جس چیز سے تمھیں دلچسپی ہو

اس پر مضمون لکھ کر بھیج دو۔ اگر سال گرہ نمبر کے معیار پر پورا اُترا تو ہم بڑی خوشی سے شائع کریں گے۔ اس بات کا خیال رہے کہ مضمون صاف۔ خوشخط ایک سطر چھوڑ کر کاغذ کے ایک ہی طرف لکھا جائے۔ پنسل سے ہرگز نہ لکھو۔ ورنہ خواہ کیسا ہی اچھا مضمون ہو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔ مضمون کے شروع یا آخر میں تمھارے سرپرست یا استاد کے تصدیقی دستخط بھی ضرور ہوں۔

---

پیام تعلیم کے مضمون نگاروں کے مضمون بہت کثرت سے موصول ہو رہے ہیں۔ اور یہ پرچے کی مقبولیت کی دلیل ہے لیکن اس کی وجہ سے ذرا دقت بھی پیش آ رہی ہے۔ اور وہ یہ کہ اکثر مضمون نگار بھائی شکایت کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ہمارا مضمون کیوں نہیں چھپا۔ ان سب بھائیوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ مضامین کی کثرت کی وجہ سے تمام مضمون اور قصے کہانیاں ترتیب سے شائع کرنا پڑتی ہیں۔ اُن کے مضمون ہمارے پاس حفاظت سے رکھے ہیں اور جب اُن کا نمبر آئے گا تو شائع کئے جائیں گے۔

دوسرے مضمونوں کے مقابلے میں قصے کہانیاں بہت زیادہ موصول ہوتی ہیں اور شکایت بھی ان ہی کے بھیجنے والوں کو زیادہ ہوتی ہے۔

---

خدا کا شکر ہے کہ پیام تعلیم کے خریداروں پر دن بڑھ رہے ہیں۔ ہمارے منیجر صاحب کا خیال ہے کہ اگر خریدار اسی طرح بڑھتے رہے تو وہ رسالے کی سالانہ قیمت اور بھی کم کر دیں گے۔ انھوں نے پیام تعلیم کے پڑھنے والے اور خریدنے والے بچوں سے درخواست کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایک ہی ایک خریدار پیدا کر دے تو ذرا کے ذرا میں پیام تعلیم کی تعداد اشاعت کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ ہمیں اُمید ہے کہ بچے منیجر صاحب کی اس درخواست پر توجہ کریں گے۔

---

اس مہینے ہمارے جامعہ کے ہونہار طالب علم جناب امتیاز حسین خاں صاحب بی اے جامعہ ڈاکٹری پڑھنے یورپ تشریف لے گئے ہیں۔ امتیاز صاحب جامعہ کے ان طالب علموں میں ہیں جنھوں نے شروع سے آخر تک اسی درسگاہ میں تعلیم پائی ہے اسی لئے وہ یہاں کی تعلیم کا ایک اچھا نمونہ سمجھے جاتے ہیں ہمیں اُمید ہے کہ وہ ان تمام نقوش کو جو جامعہ کی تعلیم اساتذہ کی تربیت اور ماحول کے فیضان سے ان کے دل پر ثبت ہوئے ہیں ہمیشہ اُجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

---

امتیاز صاحب پیام تعلیم کے مضمون نگار بھی ہیں پچھلے سال گرہ نمبر میں ان کی ایک چینی کہانی شائع ہوئی تھی اور بہت پسند کی گئی تھی۔ اُنھوں نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ لندن سے پیام تعلیم کے لئے وہ اچھی اچھی چیزیں بھیجیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ایک امریکن دوست کے خلاف اُن کا وعدہ صحیح اور سچا ہوگا۔

---

# دو پرانے قلعے

از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی

اب تم نے دہلی کی سب اچھی اور خاص خاص عمارتیں تو دیکھ لیں۔ آج چلو دو پرانے قلعوں کی سیر کرا لائیں۔

## اندر پرست یا دین پناہ

دہلی کا یہ سب سے پرانا قلعہ ہے۔ اور شہر سے کوئی میل ڈیڑھ میل پر واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ اسے بنے ہوئے بارہ سو برس کے قریب ہوئے۔ دہلی میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہندو راجاؤں کی حکومت تھی ان میں تنور راجپوت خاندان کے ایک راجہ انندپال تھے انھوں نے یہ قلعہ بنوایا تھا۔ اسے اندر پرست کہتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں کی حکومت ہوئی اور ہمایوں بادشاہ تخت پر بیٹھے تو انھوں نے اس کی دوبارہ مرمت کرائی اور اس کا نام دین پناہ رکھا۔ کچھ دن بعد شیر شاہ نے ہمایوں سے تخت چھین لیا اور اس قلعے پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں بادشاہ ایران چلا گیا۔ پھر شیر شاہ نے اس میں ایک عالی شان مسجد اور ایک اچھی سی عمارت بنوائی اس عمارت کو شیر منزل کہتے تھے۔ لیکن بگڑتے بگڑتے اس کا نام شیر منڈل پڑ گیا ہے۔ شیر شاہ کے انتقال کے بعد جب ہمایوں بادشاہ ایران سے فوج لے کر واپس آیا اور اپنی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کیا تو شیر منزل کو اپنا کتب خانہ بنایا۔ یہی وہ منحوس عمارت ہے جس پر سے گر کر ہمایوں بادشاہ کا انتقال ہوا۔

مسجد اور شیر منزل کے سوا اور کوئی

عمارت اس قلعے میں دیکھنے کے قابل نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ اس خیال سے دیکھنے کے قابل ہے کہ دہلی کا سب سے پرانا قلعہ ہے۔ اور اب تک موجود ہے۔

## کوٹلہ فیروزشاہ

دہلی شہر کے بہت سے دروازے ہیں ان میں سے ایک دہلی دروازہ کہلاتا ہے اس دروازے کے باہر نکلتے ہی تھوڑے سے فاصلے پر فیروز شاہ کا بنایا ہوا قلعہ ہے اسے کوٹلہ کہتے ہیں۔

یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ مسلمانوں میں یہاں پہلے پٹھانوں کی حکومت تھی ان میں ایک خاندان تغلقوں کا گذرا ہے۔ فیروز شاہ بھی اسی خاندان کا بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ نے ایک نیا شہر آباد کیا تھا جو قریب قریب اسی جگہ پر تھا جہاں ہماری موجودہ دہلی ہے۔ البتہ ہماری دہلی سے کچھ بڑا تھا پہلے آبادی کی ساری بہار قطب صاحب کی طرف تھی اس لئے اسی طرف کو شہر کے کنارے پر فیروز شاہ نے اپنا قلعہ بنوایا تھا اس قلعے میں بھی دو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایک مسجد اور دوسرے اشوکا کی لاٹھ۔

یہ مسجد بہت بڑی خوب صورت اور دو منزلہ بنی ہوئی ہے۔ جس طرح فتح پوری مسجد کے سوا دہلی میں اور کوئی مسجد ایک گنبد کی نہیں ہے اسی طرح اس مسجد کے سوا اور کوئی خاص مسجد دو منزلہ نہیں ہے۔ اور جس طرح چاندنی چوک کی سنہری مسجد میں مسلمانوں کے آخری زمانے میں نادر شاہ نے فتح کے بعد نماز پڑھی تھی، اسی طرح مسلمانوں کے شروع زمانے میں اسی مسجد میں تیمور لنگ نے فتح کے بعد نماز پڑھی تھی اس مسجد کے صحن میں ایک بڑی بھاری باؤلی بھی ہے۔

دوسری چیز اشوکا کی لاٹ ہے اچھا پہلے ہم اشوکا کی لاٹوں کا تھوڑا سا حال بتا دیں اس کے بعد اس لاٹ کا تذکرہ کریں گے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں پہلے زمانے میں صرف ہندو آباد تھے اس کے بعد ایک بزرگ مہاتما بودھ پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایک نیا مذہب شروع کیا پھر تو قریب قریب سارا ہندوستان ان کا مرید ہو گیا اور ان ہی کے مذہب کو ماننے لگا۔ رعایا سے لے کر راجا تک سب نے بودھ مذہب اختیار کر لیا۔ ان ہی راجاؤں میں ایک راجہ اشوک گذرے ہیں۔ یہ بڑے زبردست بادشاہ تھے۔ انھوں نے ملک کا بہت اچھا انتظام کیا تھا اور بودھ مذہب کے پھیلانے میں بڑی کوشش کی تھی۔ ان ہی کی کوشش سے برما، سیام، چین، جاپان سب بودھ مذہب کے پیرو ہو گئے اور آج تک اسی مذہب کو مانتے ہیں۔

اشوک نے ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں پتھر کے ستون بنوا کر لگوائے تھے۔ اور ان پر اپنے مذہب اور سلطنت کے خاص خاص حکم کھدوائے تھے

کچھ زمانے کے بعد ہندوستان سے بودھ مذہب ختم ہو گیا۔ اور ہندو مذہب کا پھر دور دورہ ہوا۔ اس کے بعد مسلمان یہاں آئے اور سینکڑوں برس تک حکومت کی۔ اب انگریزوں کا راج ہے زمانہ بدل گیا۔ لیکن اشوکا کی لاٹیں اب تک موجود ہیں۔

دہلی میں اس قسم کی دو لاٹیں ہیں۔ یہ دونوں فیروز شاہ نے باہر سے لاکر یہاں کھڑی کرائی تھیں۔ ایک تو میرٹھ سے لاکر کوشک شکار میں رکھی دوسری دہلی کے ایک گاؤں خضرآباد سے لاکر اپنے قلعے میں رکھی اور اس کا نام "منارۂ زریں" رکھا۔

اس لاٹ میں کہیں جوڑ نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی پتھر کی گھڑی ہوئی ہے۔ اس کا وزن ساڑھے سات سو من بتایا جاتا ہے اور کوئی چودہ گز اونچی ہے۔ کچھ حصہ زمین کے اندر ہے اور زیادہ باہر ہے خضرآباد دہلی سے کوئی ایک سو بیس میل دور ہے۔ خیال تو کرو اتنی بھاری لاٹ بغیر ٹوٹے پھوٹے اتنی دور

سے کیسے لائی گئی ہوگی۔ لیکن بادشاہ کا حکم تو پورا ہوتا ہی ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے اس پر سینکڑوں من روئی اور کپڑا لپیٹا گیا پھر جڑ کے چاروں طرف کھدائی شروع ہوئی۔ لوہے کا ایک بہت بڑا اور مضبوط خاص قسم کا چھکڑا تیار کیا گیا جو اس کے پاس ہی لگا دیا گیا پھر چھکڑے پر روئی اور کپڑے بچھا کر موٹے موٹے رسّوں کے سہارے لاٹ کو اس پر گرایا گیا سینکڑوں بیل اور ہزاروں آدمی جمع کئے گئے اور یہ سب مہینوں میں اس چھکڑے کو ڈھکیل ڈھکیل کر دلی لائے

خیر تو اب تم اس لاٹ کو دیکھ لو لیکن اس کی عبارت نہ تم سے پڑھی جائے گی نہ سمجھ میں آئے گی۔ اس کے بعد گھر واپس چلیں گے اور انشاء اللہ آئندہ نئی دہلی کی سیر کریں گے۔

# لطیفہ

انسپکٹر ایک اسکول کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے ابتدائی درجے کے بچوں سے چند سوال کئے۔ اس کے بعد بچوں سے کہا۔ اب تم مجھ سے ایسے سوال کرو جن کا میں جواب نہ دے سکوں۔

بچوں نے سوال کئے اور انسپکٹر جواب دیتا رہا۔ آخر میں ایک بچے نے پوچھا۔ "کیوں انسپکٹر صاحب اگر آپ دلدل میں اس طرح پھنس جائیں کہ صرف آپ کا چہرہ اوپر ہو اور میں آپ کے سر پر ایک اینٹ پھینک کر ماروں تو آپ کس طرح بچیں گے؟"

انسپکٹر اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔

# دو بچے اور شریر پری

(عزیز جہان بیگم صاحبہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔)

## (۲)

دوسرے دن پھر پری نے اُن کا پیچھا کیا مگر سلیمن چھڑی کے جادو سے ایک گلاب کا پھول بن گئی جو ایک جھاڑی میں لگا ہوا تھا اور کریم پھول کے پاس بیٹھ گیا۔

پری نے آکر پھول توڑنا چاہا لیکن کریم نے فوراً جادو کا باجا بجانا شروع کر دیا۔ اس باجے میں یہ صفت تھی کہ جو اس کو سنتا تھا فوراً ناچنے لگتا تھا۔ لہذا پری بھی ناچنے لگی اور جھاڑی کے اندر گھس گئی۔ جھاڑی کے کانٹوں سے اس کے سب کپڑے اور کھال پھٹ گئی اور وہ مجبور ہو کر اپنے گھر واپس چلی گئی سلیمن پھر لڑکی بن گئی اور دونوں پھر آگے چلے جب چلتے چلتے دونوں تھک گئے تو سلیمن نے خود کو ایک سورج مکھی کا پھول بنا لیا۔ اور کریم گھر کا راستہ تلاش کرنے نکل گیا بہت دن گذر گئے لیکن کریم واپس نہ آیا۔ ایک دن ایک گڈریئے نے سورج مکھی کا پھول دیکھا اور کہنے لگا کہ یہ پھول میں گھر لے جاؤں گا کیوں کہ آج تک کبھی میں نے اس سے زیادہ خوب صورت پھول نہیں دیکھا چنانچہ وہ پھول توڑ کر اپنے گھر لے گیا اور اسے ایک گل دان میں لگا دیا مگر اس دن سے اس کے گھر میں یہ عجیب بات ہوئی کہ جب وہ صبح اٹھتا تو گھر کا سب کام کیا ہوا ملتا تھا۔

آگ جلتی ہوئی، کھانا تیار، گھر میں جھاڑو دی ہوئی! اس کو بہت حیرت تھی کہ یہ سب کیسے ہو جاتا ہے۔ آخر ایک دن گڈرئے نے ایک بڈھی عورت سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ شاید تمھارے گھر میں کوئی بلا ہے۔ کل صبح بہت سویرے اٹھنا اور جو چیز حرکت کرے اس پر سفید کپڑا ڈال دینا۔

دوسرے دن وہ سویرے اٹھا اور اس نے دیکھا کہ گل دان میں سے سورج مکھی کا پھول خود بخود نکلا اس نے فوراً ایک سفید کپڑا پھول پر ڈال دیا۔ اس نے دیکھا کہ بجائے پھول کے ایک خوب صورت لڑکی کھڑی ہے۔ سلیمن نے گڈرے سے اپنی سب مصیبت بیان کی اور کہا جب تک کریم لوٹ کر آئے میں تمھارے پاس رہوں گی

بہت مدت گذرنے کے بعد کریم واپس آیا اور کریم اور سلیمن دونوں پھر روانہ ہوئے۔ دن بھر چلتے رہے۔ رات کو تھک کر ایک پیڑ کی جڑ میں سو رہے۔ دوسرے دن صبح جب وہ اُٹھے تو گرمی بہت تھی۔ کریم نے کہا بہن مجھے بہت پیاس لگ رہی ہے چلو میں پانی پینے جاتا ہوں اگر کوئی چشمہ مل گیا تو تمھیں بھی پلا دوں گا۔ یہ کہہ کر کریم نے سلیمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں چلے۔ اور کوئی چشمہ تلاش کرنے لگے۔

پری اُن کی سب باتیں دیکھ رہی تھی اسے ہمیشہ یہ فکر رہتی تھی کہ کسی طرح نقصان پہنچائے اس لئے جب کریم کو چشمہ مل گیا اور اس نے پانی پینا چاہا تھا تو سلیمن کو یہ معلوم ہوا جیسے کوئی کہتا ہے کہ جو کوئی اس چشمے کا پانی پئے گا شیر بن جائے گا یہ سُن کر سلیمن نے گھبرا کر کہا "بھائی اس چشمہ کا پانی نہ پینا ورنہ تم شیر بن جاؤ گے۔ اور مجھے پھاڑ کھاؤ گے۔"

کریم نے کہا کہ اچھا میں دوسرا چشمہ ڈھونڈتا ہوں۔ لیکن جب وہ دوسرے چشمے پر آئے تو سلیمن نے پھر سنا کہ کوئی کہتا ہے جو اس چشمے کا پانی پئے گا وہ بھیڑیا

بن جائے گا۔ یہ سن کر سلیمن پھر چلائی کہ بھائی بھائی اس چشمے کا پانی نہ پینا ورنہ تم بھیڑیا بن جاؤ گے اور مجھے کھا لو گے۔

کریم نے کہا کہ اچھا میں دوسرا چشمہ ڈھونڈتا ہوں مگر میں وہاں ضرور پانی پیوں گا کیوں کہ مجھے بہت سخت پیاس لگی ہے

غرض کہ وہ تیسرے چشمے پر آئے اور وہاں سلیمن نے سنا کہ "جو کوئی اس چشمے کا پانی پیئے گا ہرن بن جائے گا"

اس نے کہا کہ بھائی اس چشمے کا پانی بھی نہ پینا کیوں کہ تم ہرن بن کر میرے پاس سے بھاگ جاؤ گے لیکن اتنی دیر میں کریم پانی پینے جھک چکا تھا اور جیسے ہی اس کے ہونٹوں سے پانی لگا وہ فوراً ہرن بن گیا۔

سلیمن بچاری بہت روئی اور ہرن کی آنکھوں سے بھی آنسو نکلے سلیمن نے کہا پیارے ہرن تسلی رکھو۔ میں تمھیں کبھی نہ چھوڑوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے گلے سے سونے کی زنجیر اُتاری اور ہرن کے گلے میں ڈال دی اور جنگل میں سے گھاس توڑ کر ایک ملائم رسی بٹی اور وہ زنجیر میں باندھی اور رسی پکڑ کر ہرن کے ساتھ ساتھ چلی۔ چلتے چلتے سلیمن کو ایک جھونپڑا ملا اور سلیمن نے یہ دیکھ کر وہ بالکل خالی ہے۔ خیال کیا کہ اب ہم اس میں رہیں گے۔ یہ سوچ کر وہ جنگل میں گئی اور وہاں سے پتے اور کائی جمع کر کے لائی اور ہرن کے لئے ایک نرم بستر تیار کیا۔ ہر روز وہ جنگل کو جاتی اور ہرن کے لئے ملائم گھاس اور اپنے لئے جنگلی پھل توڑ لاتی۔ ہرن اس کے ہاتھ سے کھاتا اور خوب اچھلتا، کودتا اور کھیلتا، شام کے وقت جب سلیمن تھک جاتی تو وہ خدا سے دعا کرتی اور اپنا سر بجائے تکیے کے ہرن کی پیٹھ پر رکھ کر سو جاتی۔ اس طرح سے انھیں رہتے ہوئے ایک مدت گذر گئی

ایک مرتبہ اس شہر کا بادشاہ جنگل میں شکار کھیلنے آیا۔ جب ہرن نے کتوں کا بھونکنا اور بگل کی آواز سنی تو وہ بہت بے قرار ہوا اور باہر نکلنا چاہا اس نے کہا

کہ بہن دروازہ کھول دو میں اس وقت اندر نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ کہہ کر اتنی خوشامد کی کہ آخر سلیمن نے دروازہ کھول دیا اور کہا کہ شام کو ضرور آجانا میں دروازہ بند رکھوں گی۔ اور اگر تم دروازہ کھٹکھٹا کر یہ کہو گے کہ بہن مجھے اندر آنے دو تو میں سمجھ جاؤں گی کہ تم ہو۔ اور دروازہ کھول دوں گی لیکن اگر تم نے یہ نہیں کہا تو میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔ جب ہرن باہر نکلا تو کھلی ہوا میں جاکر خوب اچھلا کودا۔ شکاریوں نے جو ایسا خوب صورت جانور دیکھا تو اُسے پکڑنا چاہا لیکن جب وہ پکڑنے آئے تو ہرن ایک جھاڑی میں گھس کر غائب ہو گیا جب اندھیرا ہو گیا تو ہرن گھر آیا اور دروازہ کھٹکھٹا کر کہا بہن مجھے اندر آنے دو۔ سلیمن نے یہ سن کر دروازہ کھول دیا۔ اور ہرن اندر جاکر اپنے ملائم بستر پر سو گیا۔

دوسرے دن پھر شکار شروع ہوا۔ اور ہرن نے شکاریوں کی آواز سن کر کہا۔ بہن دروازہ کھول دو میں باہر جاؤں گا۔ سلیمن نے دروازہ کھول دیا اور کہا کہ شام کو ضرور آجانا اور جو کل میں نے کہا تھا وہ آج بھی یاد رکھنا۔ جب بادشاہ اور شکاریوں نے ہرن کو دیکھا اور اس کی گردن میں سونے کی زنجیر دیکھی تو انھوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ شکاری دن بھر کوشش کرتے رہے۔ مگر شام کو انھوں نے ہرن کو گھیر لیا اور ایک شکاری نے ہرن کا پاؤں زخمی کر دیا ہرن لنگڑاتا ہوا بڑی مشکل سے گھر آیا۔ مگر جس شکاری نے اُسے زخمی کیا تھا وہ بھی چھپ کر ہرن کے پیچھے آیا اور اس نے ہرن کو یہ کہتے سُنا کہ بہن بہن مجھے اندر آنے دو۔ پھر اس نے دیکھا کہ دروازہ کھلا اور ہرن جب اندر چلا گیا تو پھر بند ہو گیا۔ شکاری نے یہ سب باتیں دیکھ کر بادشاہ کو خبر دی۔ بادشاہ نے کہا اچھا کل شکار کو چلیں گے تو اس بات کا پتہ چلائیں گے۔

سلیمن نے جب ہرن کو زخمی دیکھا

تو وہ بہت گھبرائی اور اس نے خون دھوکر کچھ جنگلی جڑی بوٹیاں زخم پر لگا دیں۔ اور کہا پیارے ہرن اب سو جاؤ۔ صبح کو تم اب بالکل اچھے ہو جاؤ گے۔ زخم ذرا سا تھا۔ صبح تک بالکل اچھا ہو گیا۔ جب ہرن نے شکاریوں کی آواز سنی تو کہا۔ بہن میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ میں باہر جاؤں گا۔ میں آج اس بات کا خیال رکھوں گا کہ کوئی مجھے پکڑے لیکن سلیمن نے کہا۔ مجھے یقین ہے وہ تمھیں مار ڈالیں گے اس لئے میں تمھیں نہیں جانے دوں گی۔ ہرن نے کہا اگر میں باہر نہ گیا تو مر جاؤں گا۔ جب میں شکاریوں کی آواز سنتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ پر لگا کر اُڑ جاؤں۔ مجبوراً سلیمن نے دل پر جبر کرکے دروازہ کھول دیا اور ہرن باہر نکل گیا۔ جب بادشاہ نے ہرن کو دیکھا تو اس نے کہا تم اسے زندہ پکڑ لو۔ مگر خبردار کوئی نقصان نہ پہنچے۔

شام ہو گئی مگر ہرن ہاتھ نہ آیا۔ سب تھک گئے تو بادشاہ نے اس شکاری سے جس نے ہرن کا پیچھا کیا تھا کہا کہ اب آکر مجھے وہ جھونپڑا دکھاؤ۔ شکاری بادشاہ کو وہاں لے گیا اور بادشاہ نے دروازہ کھٹکھٹا کر کہا۔ بہن بہن مجھے آنے دو۔ دروازہ کھلا اور بادشاہ اندر گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک بہت ہی خوب صورت لڑکی کھڑی ہے۔

سلیمن یہ دیکھ کر کہ اندر آنے والا اس کا ہرن نہیں ہے بلکہ بادشاہ ہے۔ بہت ڈری لیکن بادشاہ نے اسے تسلی دی۔ اور کہا کہ تم میرے محل میں چل کر میری ملکہ بنو گی۔

سلیمن نے کہا کہ ہاں لیکن اگر میں آؤں گی تو میرا ہرن بھی میرے ساتھ آئے گا بادشاہ نے کہا اچھا ہرن تمھارے پاس رہے گا۔ اتنی دیر میں ہرن بھاگتا ہوا آیا اور کریمن نے اس کے گلے میں ڈوری باندھی اور سب نے جھونپڑی کو چھوڑ دیا۔

بادشاہ سلیمن کو محل میں لے گیا اور اس سے شادی کر لی سلیمن نے اپنا سب قصہ بادشاہ سے کہا۔ بادشاہ نے اس پری کو بلوا کر بہت سزا دی اور ہرن پھر کریم بن گیا اور دونوں بہن بھائی نے بہت مدت تک ہنسی خوشی محل میں زندگی بسر کی (ترجمہ)

# ہند تمھارا دیس ہے بچو

(از جناب ریحانی مددگار اول عیتھوڈسٹ ہائی اسکول حیدرآباد دکن)

بچو اُٹھو غفلت کب تک		اپنے وطن کی خیر مناؤ
دولت وعزت جانے نہ پائے		جاتی ہو تو واپس لاؤ
ہند تمھارا دیس ہے بچو!

دُکھ پہنچے یا سُکھ پہنچے		اپنے ملک سے اُلفت رکھو
تن من دھن سب کرکے قربان		اپنی قوم کی عزت رکھو
ہند تمھارا دیس ہے بچو

ہر گھر میں جہالت پھیلی ہے		علم کی عظمت سمجھی بھی تو کیا
ساری قوم ہے بھوکی ننگی		اور کہیں کچھ ہے بھی تو کیا
ہند تمھارا دیس ہے بچو

رشتہ باہم کرلو قائم		اک ذرا میں روٹھ نہ جاؤ
ہندو مسلم بھائی بھائی		سب مل جل کر خیر مناؤ
ہند تمھارا دیس ہے بچو

سچ پوچھو تو نہ کرنے سے ہے		دنیا میں کچھ کرنا اچھا
ملک کی خاطر، قوم کی خاطر		جینا اچھا، مرنا اچھا
ہند تمھارا دیس ہے بچو

# ٹکٹوں کی قسمیں

(از جناب شمیم صاحب جامعی)

اب تک تم نے سینکڑوں ٹکٹ جمع کرلئے ہوں گے اور تمہارا مرقع بہت خوب صورت ہوگیا ہوگا۔ لیکن تم نے کبھی یہ بھی غور کیا کہ یہ ٹکٹ کس کس کام میں آتے ہیں تم جلدی سے کہہ اٹھوگے "ڈاک میں کام آتے ہیں، بس، اور کیا؟" بھئی جلدی نہ کرو۔ "ایک پنتھ دو کاج" کی مثل تم نے سنی ہے؟ ان ٹکٹوں پر بھی ایک پنتھ اور دو کاج کی مثل صادق آتی ہے۔ کیسے؟ سُنو۔

جب ڈاک کی ابتدا ہوئی اور ڈاک خانے کھلے تو پہلے اس طرح خطوں پر ٹکٹ لگاکر نہیں بھیجتے تھے اور نہ پوسٹ کارڈ ہی ملتے تھے۔ لوگ خط لکھ دیا کرتے تھے۔ محصول دینے کے دو طریقے تھے یا تو ڈاک منشی پہلے ہی محصول سکّوں کی صورت میں لے لیتا تھا یا ڈاکیہ مکتوب الیہ سے وصول کرلیتا تھا۔ تم سمجھ سکتے ہو اس میں کتنی دقتیں تھیں۔ اس لئے ایک آدمی نے یہ ترکیب نکالی کہ پوسٹ کارڈ، لفافوں یا ٹکٹوں کی صورت میں محصول وصول کیا جائے لوگ اپنا خط لکھ کر ڈاک خانے میں ڈال دیا کریں۔ اور اس طرح لوگ پریشانیوں سے محفوظ رہیں اس لئے ٹکٹ کا اصل مقصد تو یہی ہوا کہ خطوط کا محصول پہلے ہی ادا کردینے کی آسان ترکیب نکل آئی لیکن رفتہ رفتہ ڈاک کے ذریعے جانے والی دوسری چیزوں کا بھی محصول ٹکٹ ہی کے ذریعے لیا جانے لگا

اب چونکہ ٹکٹ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے اور اس پر لکھ چھاپا بھی جا سکتا ہے اس وجہ سے رفتہ رفتہ لوگ اس سے محصول ڈاک کے علاوہ دوسرا ضمنی مصرف بھی لینے لگے جس کی تفصیل نیچے ہے۔ اب میں مختلف نمبروار ٹکٹوں کی قسمیں اور اُن کے مصرف بتاتا ہوں۔

**پوسٹیج**:۔ یعنی خطوط کا محصول ادا کرنا۔ یہی ٹکٹوں کا اصل اور اولین مصرف ہے۔

**تار**:۔ تار کا محصول بھی ٹکٹوں ہی کی شکل میں ادا کرنا ہوتا ہے۔ ان ٹکٹوں کو تار کے فارم پر چپکا دیتے ہیں۔ ہندوستان میں اس مقصد کے لئے کوئی خاص ٹکٹ نہیں جاری ہوئے ہیں لیکن انگلستان میں ۱۸۷۶-۸۱ء میں ڈاک خانوں کی طرف سے خاص اس مقصد کے لئے بھی ٹکٹ جاری ہوئے تھے

**رجسٹریشن**:۔ جب کسی خط کو محفوظ طور پر بھیجنا ہوتا ہے تو اس کی رجسٹری کر کے بھیجتے ہیں۔ ہندوستان میں اس مقصد کے لئے کوئی خاص قسم کے ٹکٹ نہیں ملتے ہیں۔ لیکن بعض ملکوں میں رجسٹری کے خاص ٹکٹ بھی ہوتے ہیں۔ جیسے جمہوریہ کولمبیا میں

**رسید وصولی**:۔ رجسٹری کے بھی دو قاعدے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ رجسٹری بھیجنے والے کو کوئی اطلاع نہیں دی جاتی ہے کہ خط مکتوب الیہ کو ملا یا نہیں۔ لیکن مکتوب الیہ سے ایک رسید پر دستخط لے کر ڈاک خانے میں رکھ لئے جاتے ہیں۔ تاکہ شکایت کے موقع پر بطور ثبوت پیش کئے جائیں۔ اس صورت میں رجسٹری کا محصول دینا ہوتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر خط بھیجنے والا ایک آنہ فاضل محصول دے تو خط پر .R. A. سرخ روشنائی سے لکھ دیا جاتا ہے اور ایک رسید وصولی

(یا ایکنولجمنٹ رسیٹ) پر خط بھیجنے والے کا پتہ اور خط کے وزن وغیرہ کی تفصیل لکھی جاتی ہے ۔ اسی رسید پر مکتوب الیہ کے دستخط لے کر خط بھیجنے والے کے پاس بھیج دئے جاتے ہیں جس سے اس کو خبر مل جاتی ہے کہ خط مکتوب الیہ کو مل گیا ۔ ہندوستان میں یہ رسید وصولی کا محصول معمولی ٹکٹ کی صورت میں چپکا دیتے ہیں ۔ لیکن جمہوریہ کولمبیا میں یہ ایک یہ ایک مخصوص ٹکٹ کی صورت میں جس پر (A. R.) اور قیمت لکھی ہوتی ہے خط پر چپکا دیا جاتا ہے ۔

**پارسل :۔** ہندوستان میں پارسلوں پر چپکانے کے لئے کوئی مخصوص ٹکٹ نہیں ہیں ۔ لیکن ریاستہائے متحدہ امریکا میں اس مقصد کے لئے خاص ٹکٹ ہوتے ہیں ۔

**پوسٹیج ڈیو یا بیرنگ :۔** ہندوستان میں جب کوئی خط بیرنگ بھیجا جاتا ہے ۔ تو ڈاک خانے میں اس پر دوگنے محصول کی مہر لگا دی جاتی ہے اور ڈاکیہ مکتوب الیہ سے وصول کر لیتا ہے لیکن یورپ اور امریکا کے اکثر ملکوں میں اس مقصد کے لئے مخصوص ٹکٹ ہیں جو خطوط پر چپکا دئے جاتے ہیں اور ڈاکیہ مکتوب الیہ سے اُن کی قیمت وصول کر لیتا ہے ۔ ان ٹکٹوں پر پوسٹیج ڈیو یا دوسری زبانوں میں اسی کے ہم معنی الفاظ لکھے ہوتے ہیں ان ٹکٹوں کی قیمت ٹکٹ جمع کرنے والوں کی نظر میں معمولی ٹکٹوں سے زیادہ ہے

# محل اور جھونپڑا

(از شبلی رضا دسنوی)

محل اور جھونپڑا سینکڑوں برس سے ایک ساتھ رہتے تھے۔ لیکن کسی کو ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ محل اپنے کو اتنا بڑا اور اونچا جانتا تھا کہ جھونپڑے سے بات کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا اسی طرح جھونپڑا اپنے کو اتنا چھوٹا اور حقیر سمجھتا تھا کہ محل کے سامنے منہ کھولنے کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی لیکن ایک کو دوسرے سے بات چیت کرنے کی خواہش بہت دنوں سے تھی اور تم جانو جب خواہش پیدا ہو جاتی ہے تو دیر یا سویر اس کا پورا ہونا ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ سچی خواہش ہو۔

ایک مرتبہ جیٹھ کے مہینے میں آدھی رات کا وقت ہوگا۔ بڑی گرمی پڑ رہی تھی۔ غریب کسان تو دن کو سخت محنت کرنے کی وجہ سے گہری نیند سوئے ہوئے تھے اور خراٹے لے رہے تھے اور امیر لوگ آرام کرنے کی وجہ سے بے چینی سے کروٹیں بدل رہے تھے اسی وقت محل نے جھونپڑے سے بات چیت کرنے کی ٹھانی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ بہت دنوں سے ساتھ رہنے پر بھی جس سے کبھی آنکھ تک نہ ملائی ہو اس سے بات چیت کس طرح شروع کی جائے۔ پھر بھی کچھ سوچ کر محل نے کہا:۔

اجی اجی چھوڑو بھی مون (خاموشی)۔ نہیں جانتے ہیں ہوں کون؟ یہ سن کر جھونپڑے نے سر اٹھایا اور بہت ادب سے محل کو سر کرتے

ہوئے پایا۔ بے چارا تعجب کرنے لگا۔ لیکن جواب نہ دینا تہذیب کے خلاف تھا اس لئے بولا

تو ڑا تم نے اچھا مون
خوب جانتا ہوں ہو کون

**محل** :- میں ہوں دھنی[51]، سکھی[52]، بڑبھاگی[53]
تم ہو دکھی[54]، غریب ابھاگی[55]
مجھ میں تم میں ہے بڑ بیچ[56]
میں ہوں اونچا تم ہو نیچ

**جھونپڑا**:- دھنی، گھمنڈی[57] ہو چنڈول
ہو تم نہیں سکھی مت بھول
میں ہوں سیدھا سادھا سکھی
دیکھ سکوں نہ کسی کو دکھی

اس پر محل کو بہت اچنبھا ہوا۔ اس نے کہا۔ یہ کیا کہتے ہو؟ جہاں دولت ہے وہاں آرام ہے۔ جہاں غربت ہے وہاں تکلیف ہے، تب چین میں تم ہوئے یا میں

**جھونپڑا**۔ بھائی، تمھاری سمجھ کا فرق ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ آرام کو دولت سے سروکار نہیں۔ چین کا تعلق تو اندر سے ہے اور دولت کا باہر سے اگر ایسا نہ ہوتا تو راجہ، مہاراجہ، امیر، اُمرا چین سے رہا کرتے، باقی سب لوگ تکلیف میں رہتے۔ پر بات ایسی نہیں ہے۔

**محل** :- تو کیا تمھارا خیال ہے کہ امیر لوگ بے چین اور غریب لوگ چین سے ہیں۔ یہ تو عجیب طرح کی بات ہے۔ ایک نیا خیال ہے۔

**جھونپڑا**۔ اجی یہ نئی نہیں۔ یہ تو بہت پرانی سچائی ہے۔ تم اپنی بات بھی نہ جانو تو اس میں میرا کیا قصور

**محل** : پہیلی ہے بھائی پہیلی۔ اجی سیدھی باتیں کرو غریبوں میں اتنی اینٹھ اکڑ اچھی معلوم نہیں ہوتی

---

[51] خوش قسمت [52] چین سے [53] بہت خوش قسمت [54] تکلیف میں [55] بدقسمت
[56] بہت فرق [57] مغرور

جھونپڑا:- اینٹھ کاہے کی بھائی۔ نہ پہیلی ہے نہ ایجاد۔ یہ تو بالکل سیدھی سادھی بات ہے۔ ایک بچہ بھی اسے سمجھ سکتا ہے۔ ایک گنوار بھی جانتا ہے۔

"بچہ" اور "گنوار" سننا تھا کہ محل کو غصہ آگیا۔ بولا "ارے بے وقوف۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات" اسی کو کہتے ہیں۔ تم سے اور چین سے کیا واسطہ۔ چین سے تو میں ہوں اور مجھ میں رہنے والے لوگ ہیں"

جھونپڑا:- ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ابھی ابھی اپنے میں اور مجھ میں رہنے والوں کی جانچ کرو کہ اصل میں چین سے کون ہے۔

محل:- نہیں میں تمہاری بات ماننے کو تیار نہیں۔ پنچ بناؤ

دونوں راضی ہوگئے۔ سامنے والے درخت پر ایک کوا بیٹھا تھا۔ وہ پنچ بنایا گیا دونوں نے اس سے درخواست کی کہ ابھی تم محل اور جھونپڑا دونوں کو جاکر دیکھو اور ایمان داری کے ساتھ بتاؤ کہ کہاں کے لوگ زیادہ آرام سے ہیں۔

کوے نے کہا میں جیسا دیکھوں گا ویسا ہی کہوں گا۔ لیکن تم دونوں کو میری بات کا یقین کرنا ہوگا۔ نہیں تو میں پنچ نہیں بنتا

اس پر بھی دونوں راضی ہوگئے

کوا کھلے ہوئے روشن دان سے محل کے سب سے اونچے کمرے میں جھانکنے لگا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولا:-

دودھ پھین سم سیج ہے، عطر گلاب سو باس
پنکھے چلنے پر بے کل، نیند نہ آوے پاس

اس کے بعد کوا جھونپڑا دیکھنے گیا اور تھوڑی دیر میں بول اٹھا۔

ٹاٹ پر چین سے گاڑھی نیند کہاں
تن تاپ بیاپے نہیں دیکھ سکے ایک سماں

یعنی کسان گہری نیند میں ٹاٹ پر سویا ہوا ہے آرام اور تکلیف سے بے فکر ہے ذرا بھی کروٹ نہیں بدلتا

یہ سن کر محل کے ہوش ٹھکانے آئے وہ گھمنڈ چھوڑ کر جھونپڑے سے گلے ملا۔ اس دن سے دونوں میں گہری دوستی ہوگئی۔

# زمین سے اوپر!

از جناب عثمان الرحمن صاحب توشہ میرٹھ

زمین کی سیر، تو آپ نے بہت کی ہوں گی۔ آج ہم آپ کو زمین سے اوپر کی سیر کرائیں اور سائنس کی چند ایسی دلچسپ اور عجیب وغریب باتیں بتائیں کہ آپ کا دل تعجب سے دھڑکنے لگے۔

زمین سے اوپر ضرورت اور کام کے لحاظ سے ہمارا سب سے بڑا دوست "سورج" ہے۔ سب سے پہلے ان ہی حضرت کو لیجئے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ سورج ہماری زمین سے بڑا ہے بہت بڑا! لیکن ہم میں سی ایسے بھائی بہت کم ہوں گے جن کو سورج کی بڑائی کا اندازہ پوری طرح ہو صبح یا شام کے وقت سورج کو دیکھ کر کسے خیال ہو سکتا ہے کہ یہ زمین و آسمان کے درمیان لٹکا ہوا سونے کا طباق ہماری لمبی چوڑی زمین سے ہزاروں گنا بڑا ہے۔ مگر ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ سورج ایک طباق کی شکل کا نہیں بلکہ گیند کی طرح گول ہے۔ اور ہماری زمین اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ زمین کی گولائی تقریباً ۲۴ ہزار میل ہے یعنی اگر زمین کے چاروں طرف ایک ڈوری لپیٹی جائے تو ۲۴ ہزار میل لمبی ڈوری درکار ہوگی۔ اب سمجھئے کہ ہماری زمین کتنی بڑی ہے۔ مگر سورج؟ سورج اتنا بڑا ہے کہ اگر اس میں سے زمین کی برابر گیندیں بنائی جائیں تو ۳۳۳۴۳۲ گیندیں تیار ہو جائیں گی۔

یہ تو ہوئی سورج کی بڑائی کی بات!
اب اس کی حرارت کے بارے میں بھی سنئے
مجھے یقین ہے کہ اس کی گرمی کا حال سن کر
آپ کو فوراً پسینہ آجائے گا اس لئے یہ الفاظ
پڑھتے وقت پنکھا پاس ہی رکھئے۔ جب
۱۸۶۳ء میں ہگنس نے اسپکٹر اسکوپ کے
ذریعے سورج کی شعاع کے ٹکڑے کئے
تو معلوم ہوا کہ آگ کا یہ گولا کس قدر دہکتا ہوا
ہے۔ اس کی تلاش اور تحقیق سے ظاہر ہوا
کہ سورج کی سطح کے ایک مربع انچ سے
اس قدر حرارت پیدا ہوتی ہے۔ کہ اس سے
۳۶۰۰۰ کیلوگرام پانی ابل سکتا ہے۔ یا
۵۰ گھوڑوں کی طاقت کا انجن چل سکتا ہے
سورج کے متعلق یہ باتیں معلوم کرکے
آپ کو فوراً خیال ہوگا کہ بےچاری خاکی زمین
ہی کیا۔ آفتاب کا مقابلہ تو کوئی بھی نہیں کر سکتا
مگر یہ بات بھی غلط ہے۔ سورج سے بھی
زیادہ گرم اور بڑے ستارے موجود ہیں
اسپکٹر اسکوپ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے سائنس
کا ایک آلہ ہے۔ اس کے ذریعے بڑے بڑے
کام انجام پاتے ہیں۔ ستاروں کی روشنی
کے ٹکڑے اسی کے ذریعے کئے گئے ہیں ایسا
کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ ستاروں کا درجۂ
حرارت (Tamprature) اور اُن کا
قطر اور حجم معلوم ہوگیا۔ چنانچہ اسی طریقے سے
ایک ایسا ستارہ دریافت ہوا جس میں سے
ہمارے سورج کے برابر ۳۰۰ سورج بن
سکتے ہیں اور چند ستارے ایسے معلوم
ہوئے جن کی سطح کے ایک مربع انچ سے
اس قدر حرارت پیدا ہوتی ہے کہ ۳۶ کروڑ
کیلوگرام پانی کو کھولایا جاسکتا ہے یا ۵۰۰۰
گھوڑوں کی طاقت کا انجن چلایا جاسکتا ہے۔
رات کو آسمان کی طرف دیکھئے۔ کچھ
ستارے تو زیادہ چمکتے ہوئے نظر آتے
ہیں کچھ کم اب اگر ہم آپ سے پوچھیں۔ کہ
ان ستاروں میں زیادہ گرم کون سے ستارے
ہیں اور کم گرم کون سے؟ تو آپ یہی جواب
دیں گے کہ جو زیادہ چمکتے ہیں وہ زیادہ گرم ہیں

اور جو کم چمکتے ہیں وہ کم گرم ہیں ۔ لیکن آپ پھر غلطی کرتے ہیں ۔ بعض نہایت گرم ستارے (مثلاً قلب عقرب وغیرہ) ایسے ہیں جو کم روشن ہیں ۔ روشنی کی کمی یا زیادتی کا دارمدار تو اُن کی عمر پر ہے ۔ جو ستارہ بوڑھا ہو گیا ہے وہ کم چمکتا ہے جو ابھی جوان ہے وہ زیادہ !

اگر ہم آپ سے پیام تعلیم کے ایک صفحے کی چوڑائی پوچھیں تو آپ فوراً ناپ کر بتائیں گے لیکن اگر ہم پوچھ بیٹھیں کہ اپنے سر کے بال کی چوڑائی بتائیے تو شاید آپ پریشان ہو جائیں اور بال کو ناپ نہ سکیں ۔ لیکن جناب عالی آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سائنس والوں نے بال سے بھی باریک چیز کو ناپ لیا ہے ۔ جب روشنی کی "موج" کو ناپنے کی ضرورت ہوئی تو دیکھا کہ سنٹی میٹر کا آلہ بھی کام نہیں دیتا کیوں کہ روشنی کی "موج" اس سے بھی چھوٹی ہوتی ہے اس لئے ایک اور آلہ ملی میٹر سے ہزاروں حصے چھوٹا بنایا گیا ۔ اس کے بعد جب ایک خاص قسم کی شعاعیں جن کو سائنس والے رانتجی شعاعیں کہتے ہیں معلوم کی گئیں تو پھر ایک اور آلہ بنایا گیا ۔ جو $\frac{1}{1{,}000{,}000{,}000}$ انچ کے برابر ہے ۔

یہ تو بال سے زیادہ باریک باتیں تھیں ۔ اب ذرا زمین و آسمان کے قلابوں کو ملائیے ! ہم لوگ فاصلہ ناپنے کے لئے انچ ، فٹ ، گز ، میل وغیرہ پیمانے استعمال کرتے آئے ہیں مگر جب سائنس کے عالموں نے ستاروں کا فاصلہ ناپنا چاہا تو ان پیمانوں نے بالکل کام نہ دیا ۔ کیوں کہ یہ فاصلہ ان پیمانوں کی حد سے بھی کہیں زیادہ ہی مثلاً یہی معلوم ہوا کہ "سورج کی برادری" سے سب سے زیادہ نزدیک ستارہ ہماری زمین سے اتنی زیادہ دور ہے جتنا کہ سورج اور زمین کے درمیانی فاصلے اور تین سو ہزار کا حاصل ضرب ! اس لئے ان بڑے بڑے فاصلوں کے ناپنے کے لئے "نوری سال" کا پیمانہ قائم کیا گیا ۔ ایک "نوری سال" سے مقصود وہ فاصلہ ہے جو کہ روشنی ایک سال میں طے کر سکتی ہی

اتنا سمجھ لینے کے بعد اب ذرا یہ پڑھ کر حیران ہو جیئے کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ۱۸۶،۲۷۲ میل کا سفر طے کرتی ہے۔ لیکن زمین کے سب سے نزدیک والے ستارے کی روشنی ہم تک ساڑھے تین سال میں پہنچتی ہے یعنی وہ ستارہ جو زمین سے سب سے نزدیک ہے زمین سے ساڑھے تین نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے قطب تارے کی روشنی زمین تک ۴۰۰ سال میں پہنچتی ہے۔ بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی ۵۰۰ سال میں آتی ہے۔ جھلان ستارے کی روشنی ایک لاکھ سال میں زمین تک آتی ہے۔ اور این، جی، سی نامی ستاروں کی روشنی سات لاکھ سال میں! ——— پھر یہ "زمین سے اوپر" والی دنیا اسی جگہ ختم نہیں ہو جاتی بعض ستارے دس لاکھ سال میں ہم تک اپنی روشنی پہنچا سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ سورج سے ۱۰ کرور گنا زیادہ روشن ہیں۔

یہ اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ ستاروں کی تعداد کتنی ہے اگر بغیر دوربین کے دیکھا جائے تو زیادہ سے زیادہ چھ ہزار ستارے نظر آسکتے ہیں لیکن اگر دوربین کے ذریعے فوٹو لیا جائے تو تصویر میں ۲۲ کرور، ۴۰ لاکھ ستارے آجاتے ہیں۔ اب اللہ ہی جانے کہ اس ستاروں کی دنیا میں کتنی کہکشائیں۔ کتنے سورج، کتنے چاند ہماری نگاہوں اور علم سے چھپے ہوئے ہیں۔

# لیتھوگرافی

(از جناب محمد احمد صاحب سبزواری)

پچھلے پرچے میں ہم نے جان گوٹن برگ اور اس کے پریس کے متعلق کچھ باتیں تمھیں بتائی تھیں اور اس کو پڑھ کر تمھیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ چھاپہ خانہ کی بنیاد کس طرح پڑی اور چھاپنے کا کام کس طرح ایجاد کیا گیا لیکن ہم نے جن چھاپہ خانوں کا حال لکھا تھا ان سب میں لوہے کے حروف علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ آؤ آج ہم تمھیں پتھر کی چھپائی یعنی لیتھوگرافی کا کچھ حال سنائیں۔

پریس کی ایجاد پندرھویں صدی میں شروع ہو گئی تھی۔ مگر اب تک کوئی ایسی چیز ایجاد نہ ہوئی تھی جس کی مدد سے تصویریں، نقشے، خاکے اور ڈرائنگ وغیرہ کے نمونے چھاپے جاسکیں، اس مشکل کو دور کرنے کے لئے لیتھوگرافی کا فن ایجاد کیا گیا۔ اس کا موجد الیوس سینی فیلڈر تھا یہ ۱۷۷۱ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۳۴ء میں انتقال کیا ۱۷۹۶ء میں یورپ میں ایک خاص قسم کا کاغذ ایجاد کیا گیا۔ جس پر اگر کسی چیز کی ڈرائنگ یا نمونہ بنا کر پتھر پر رکھ دیا جائے تو اس کے نشان پتھر پر آجاتے تھے اور پھر پتھر سے ان نشانات کو کاغذ یا کپڑے پر چھاپا جا سکتا تھا۔ سینی فیلڈر نے سب سے پہلے پتھر کا استعمال شروع کیا۔ اب تک پتھر کا کام تانبے سے لیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے پتھر جو اس سلسلے میں کام میں لایا گیا وہ بویریا کے ایک گاؤں سے دستیاب ہوا تھا دنیا میں کہیں اس سے بہتر پتھر آج تک نہیں پایا گیا

پہلے، پتھر کو پہاڑوں سے کاٹ کر تراشا اور صاف کیا جاتا ہے اور اس کی سلیں تیار کر لی جاتی ہیں اس کے بعد پتھر کی سطح کو ہموار (ایک جیسا اور برابر) کیا جاتا ہے۔ پتھر میں سطح ہموار ہونا چاہیئے۔ اگر کہیں ذرا سا بھی نشیب و فراز (اونچ نیچ) ہو۔ تو ساری چھپائی بیکار ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد مصنوعی پتھر بھی تیار ہونے لگا۔ معمولی پتھر کو بھی پالش کر کے کام میں لاتے تھے۔ یہ کام آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہا اور بعد میں اس کے ذریعے سے رنگین کام بھی ہونے لگا۔ آج کل مغربی ملکوں کے چھپے ہوئے کارڈ ہمارے یہاں کے تمام بازاروں میں بکتے نظر آتے ہیں یہ سب کارڈ پتھر ہی پر چھاپے جاتے ہیں اس فن نے جرمنی، فرانس اور ریاستہائے متحدہ امریکا میں خوب ترقی کی چنانچہ ۱۹۱۱ء میں صرف امریکا کے شہر نیویارک میں تقریباً ۱۵ ہزار آدمی لیتھو کے کارخانوں میں کام کرتے تھے۔

اس سلسلے میں سب سے مشکل کام کاغذ وغیرہ کی لکھائی یا نشانات کو پتھر پر اتارنا ہے پہلے پتھر کو لوہے کے طشت میں رکھ کر گرم کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی گرم پانی بھی پتھر پر ڈال کر اسے گرم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے لیمپ بھی ایجاد ہو چکے ہیں جو پتھر کو گرم کر دیتے ہیں۔ یا پھر سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ پتھر کو آگ کے سامنے رکھ کر گرم کیا جائے اس کے بعد کاغذ کو پتھر پر اس طرح جماتے ہیں کہ وہ ٹھیک ٹھیک اس پر جم جائے ہمارے ہندوستان میں کاپی یا کاغذ پتھر پر جمانے سے پہلے اس پر موٹا کپڑا یا پتلا ٹاٹ بھگو کر ڈال دیتے ہیں۔ اس کے بعد پتھر پر جماتے ہیں یہ کاغذ پتھر پر جم جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد نشانات پتھر پر اتر آتے ہیں اب پھر پتھر کو تھوڑی سی گرمی پہنچائی جاتی ہے اور چھاپنے کا کام شروع کر دیا جاتا ہے۔ اب اگر روشنائی اور رولر اچھے ہوں تو ایک پتھر سے بہت ہی آسانی سے دو ہزار سے تین ہزار تک عمدہ اور

صاف کاپیاں چھپ جاتی ہیں

ہمارے یہاں گرینڈ کاغذ کے بجائے پیلا کاغذ استعمال ہوتا ہے اور عام طور پر یہ کاغذ کاتب تیار کر لیتے ہیں۔ ہمارے یہاں کھٹائی کو بھی پتھر پر پھیرا جاتا ہے لیکن دوسرے ملکوں میں یہ چیز استعمال نہیں ہوتی وہاں تو پتھر پر پہلے پانی پھیرا جاتا ہے اور اس کے بعد وسیلن یا گریز کا رولر پھیرا جاتا ہے اس طرح جہاں پانی ہوتا ہے وہاں وسیلن نہیں لگتا اور جہاں حروف ہوتے ہیں وہاں وسیلن لگ جاتا ہے اور اس کے بعد جب حرفوں پر روشنائی لگا کر اس پر کوئی کاغذ یا کپڑا دبایا جائے تو پتھر کے تمام نشانات اس پر آ جاتے ہیں اور اس طرح چھپائی ہو جاتی ہے۔ چھاپنے کے بعد پتھر کو رگڑ کر دھویا جاتا ہے اور وہ بالکل صاف ہو جاتا ہے پھر اسے دوبارہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن آج کل بجائے پتھر کے المونیم پر لکھنے لگے ہیں۔ المونیم پر لکھے ہوئے حروف بہت آسانی سے ایک دوا کے ذریعے دھوئے جا سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں بعض اچھے کاتب بجائے کاغذ پر لکھنے کے پتھر پر ہی لکھتے ہیں۔ اور اس طرح بہت سا وقت بچ جاتا ہے۔

لیتھو کی مشین بھی کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تو ہینڈ پریس کہلاتا ہے۔ اس میں دو آدمیوں کو ہینڈل گھمانا پڑتا ہے، پھر کاغذ ہر مرتبہ رکھنا اور نکالنا پڑتا ہے اور روشنائی بھی ہر دفعہ لگانی پڑتی ہے دوسری تیل کی مشین ہوتی ہے اس میں دو آدمی صرف ہینڈل گھماتے ہیں اور باقی کام خود بخود ہوتے رہتے ہیں اس میں کام جلد ہوتا ہے۔ تیسری مشین بجلی کی ہوتی ہے اس میں آدمی کو کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ تمام کام بجلی کرتی رہتی ہے۔ اور تھوڑی دیر میں بہت سا کام ہو جاتا ہے۔ ابھی ہندوستان میں اس تیسری مشین کا رواج بہت کم ہے ہاں دوسری مشین ہر قصبے اور شہر میں موجود ہے ✽

# ایک خطرناک سفر

(از جناب محمد حسن صاحب)

بابر بہت بڑا بادشاہ گذرا ہے مغلوں کی سلطنت اس نے ہندوستان میں قائم کی۔ وہ بہت بڑا بہادر اور عجیب و غریب ہمت کا آدمی تھا۔ اس نے اپنے تمام حالات اپنے قلم سے لکھے ہیں اس کتاب کا نام "تزک بابری" ہے۔ اس میں بابر کی زندگی کے، اس کی لڑائیوں کے اس کے مختلف سفروں کے، اس کے دوستوں کے۔ اس کے خاندان کے نہایت عجیب و غریب حالات درج ہیں۔ ہم یہاں اسی کتاب سے بابر کے ایک خطرناک سفر کا حال لکھتے ہیں۔

بابر ۲۴ دسمبر ۱۵۰۶ء کو ہرات سے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی مختصر سی فوج تھی۔ سفر کے لئے پہاڑی راستہ پسند کیا گیا۔ راستے میں جس مصیبت کا سامنا ہوا، اور جس جان جوکھوں سے یہ سفر ہوا۔ اس کے متعلق بابر خود لکھتا ہے کہ ایسی تکلیف اور مصیبت عمر بھر نہ اٹھائی تھی۔

وہ لکھتا ہے "کہ ہم لوگ راستہ بھول گئے۔ برف بڑے زور شور سے پڑنے لگی اور اتنی پڑی کہ بعض مقامات پر گھوڑے کی رکاب تک آگئی کچھ آدمیوں کو ادھر ادھر دوڑایا کہ کہیں کوئی پہاڑی آدمی مل جائے تو اس سے راستہ دریافت کریں۔ وہ لوگ تین چار دن کے بعد ناکام واپس آئے کوئی آدمی ہاتھ نہ آیا۔ ہم ایک ہفتے برف

پر چلتے رہے۔ لیکن اس عرصے میں صرف دو تین
میل ہی چل سکے۔ میں نے خود برف کاٹنے میں مدد دی۔
میں۔ میرے خاندان کے دس پندرہ آدمی
قاسم بیگ اور اس کے لڑکے اور چند نوکر یہ سب
گھوڑوں پر سے اتر پڑے اور برف کو کھود کر رستہ
بنانا شروع کیا۔ ہر قدم پر ہم کمر یا سینے تک
برف میں ڈھکے جاتے تھے۔ لیکن برف کو
کھودتے، ہٹاتے چلے جاتے تھے۔ جب ایک
آدمی کام کرتے کرتے تھک جاتا تھا تو اس کی
جگہ دوسرا کام کرنے لگتا تھا۔ پھر گھوڑوں کو بھی
ساتھ گھسیٹنا پڑتا تھا۔ اس طرح ہم پندرہ
بیس آدمیوں نے برف پر راستہ بنایا۔ اور گھوڑوں
کو کھینچ لائے۔ باقی آدمی اس بنائے ہوئے
رستے پر گھوڑوں پر چلے آئے۔ تین چار دن
کے بعد ہم ایک غار پر پہنچے جو خوال کرتی کہلاتا ہے
اور کوہ بابا پر درہ زرد سنگ کے نیچے واقع ہے۔

اس روز طوفان سخت تھا۔ اور
برف اس قدر زیادہ گر رہی تھی کہ ہم سب
کا خیال تھا کہ اب جان بچنا مشکل ہے جس
وقت ہم غار پر پہنچے تو طوفان کی کوئی حد نہ تھی ہم
غار کے منہ پر بیٹھ گئے۔ برف بہت
گہری جمی ہوئی تھی۔ اور راستہ اتنا تنگ
تھا کہ ایک آدمی کی قطار گزر سکتی تھی۔ سورج
غروب ہونے تک ساری فوج آکر جمع ہوگئی
اور جو جہاں تھا وہیں گھوڑے پر سے اتر
پڑا اور ٹھہر گیا۔ غار بہت چھوٹا معلوم ہوتا
تھا۔ میں نے کدال لے کر برف کو صاف کرنا
شروع کیا۔ سینے تک گہرا کھودا لیکن زمین
نہ نکلی آخر غار کے منہ کے قریب اتنا لمبا
اور چوڑا گڑھا بنا لیا کہ اس میں نماز آسانی سے
پڑھی جا سکے اور ہوا کے طوفان سے بچنے کے لئے
اس میں بیٹھ گیا میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا
کہ غار کے اندر چلے آؤ۔ لیکن دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں
گرم اور محفوظ مقام میں چلا جاؤں اور میرے ساتھی غار کے باہر
تکلیف اٹھاتے رہیں میرا فرض تھا کہ میں بھی ان کے
ہر حال میں شریک رہوں۔ اس لئے میں نے اسی برف کی
گڑھے میں نماز پڑھی اتنے عرصے میں اتنی برف باری ہوئی
کہ میرے منہ اور کانوں پر چار چار انچ برف جم گئی

اس وقت وہ لوگ جو غار کے دیکھنے اندر گئے تھے باہر آئے اور بیان کیا کہ غار کافی لمبا اور چوڑا ہے اور ہمارے سب آدمی اس کے اندر آسکتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اپنے سر اور چہرے پر سے برف جھاڑی اور غار کے اندر گیا۔ پچاس ساٹھ آدمیوں کے لئے نہایت آرام کی جگہ نکل آئی۔ ہم سب اندر چلے گئے جس جس کے پاس کھانے کا سامان تھا سب نے کھایا اور شکر کیا کہ برف کے طوفان سے زندہ بچ گئے۔

دوسرے دن غار سے نکل کر دیکھا تو برف گرنی بند ہوگئی تھی۔ اگرچہ سردی نہایت سخت تھی اور بہت سے آدمیوں کے ہاتھ پاؤں پالے نے مار لئے لیکن اُن لوگوں نے ہمت نہ ہاری اور درے پر چڑھنا شروع کیا۔ اور اگلے پہاڑ کے نیچے جو گاؤں آباد تھا۔ وہاں پہنچ گئے گاؤں والوں نے جو دیکھا کہ اس شدت کی سردی اور سخت طوفان کے زمانے میں یہ لوگ برف کے پہاڑوں سے اُتر رہے ہیں تو اُن کو بڑا تعجب ہوا گاؤں کے بوڑھے سے بوڑھے آدمیوں نے بھی اپنی عمر میں کبھی یہ واقعہ نہ دیکھا تھا کہ کبھی انسان نے اس موسم میں پہاڑی سفر کیا ہو

گاؤں والوں نے ان لوگوں کی بڑی خاطر کی ان کے تاپنے کے لئے آگ جلائی موٹی موٹی بھیڑیں ذبح کرکے اُن کو گوشت روٹی کھلائی۔ اور اپنے اپنے گرم مکانوں میں آرام سے سُلایا۔

جب اُن لوگوں نے اپنی سفر کی مصیبتوں کا حال بیان کیا تو گاؤں والوں نے کہا۔ کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ برف نے تمھاری جانیں بچالیں۔ جس راستے سے تم آئے ہو اس میں بڑے بڑے غار ہیں۔ اگر برف اتنی کثرت سے نہ پڑتا اور غار برف سے بند نہ ہو جاتے تو تم لوگ کسی طرح بھی راستہ نہ طے کر پاتے۔

# غذا

(جناب غلام طاہر صاحب صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ مکھیڑ ضلع ناندیڑ)

(۲)

اب پھر تم دنیا کے نقشے پر نظر ڈالو۔ جس میں نباتی خطے بتائے گئے ہوں۔ تو تم کو اکثر مقامات پر گیاہستان یا گھاس کے خطے نظر آئیں گے مثلاً ایشیا اور یورپ میں بحیرۂ خضر کے اطراف کا علاقہ، ہالینڈ اور ڈنمارک، شمالی امریکا میں بڑی جھیلوں کے اطراف کا علاقہ جو پرائریز کے نام سے موسوم ہے۔ جنوبی امریکا میں پمپاز کے میدان یعنی دریائے لاپلاٹا کے اطراف کا علاقہ خصوصاً ارجنٹائن کا ملک جنوبی افریقہ اور جنوبی اسٹریلیا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گھاس کے میدان منطقہ معتدلہ کے ان حصوں میں پائے جاتے ہیں جہاں بارش بہت کم ہو یعنی صرف اتنی رطوبت ہو (مثلاً برف پگھلنے سے جو پانی ملتا ہے) جس سے بڑے درخت تو نہیں اُگ سکتے صرف گھاس اُگ سکتی ہے۔ اور چوں کہ یہ علاقے جب تک آبپاشی کے کافی ذرائع نہ ہوں غلے کی پیداوار کے لئے نہیں استعمال کئے جاسکتے۔ لہٰذا ان ممالک کے لوگ وہاں جانوروں کی پرورش کرتے ہیں اور مکھن پنیر اور گوشت دوسرے ملکوں کو بھیجتے ہیں۔ چنانچہ آسٹریلیا، جنوبی مغربی سائبیریا۔ نیوزی لینڈ اور ارجنٹائن سے لاکھوں من گوشت اور مکھن سالانہ یورپ کو بھیجا جاتا ہے۔ خود یورپ

ہیں روس ، ڈنمارک اور ہالینڈ بڑے بڑے پیمانے پر اس کی تجارت کرتے ہیں ۔

اب تم قدرتاً یہ سوال کرو گے ۔ کہ ہندوستان اس نفع بخش تجارت میں کیوں حصہ نہیں لیتا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں گھاس کے میدان کم ہیں ۔ جن زمینوں پر گھاس پیدا ہو بھی سکتی ہے انھیں کاشت کے لئے استعمال کر لیا گیا ہے اور قدرتی چراگاہیں بہت کم رہ گئی ہیں یہاں جانوروں کے لئے چارے کی بھی کاشت کرنی پڑتی ہے اور صرف اتنے ہی جانور پلے جاتے ہیں جتنے کہ زراعت اور معمولی ضروریات کے لئے کافی ہوں البتہ اب صوبہ جات متحدہ اور گجرات میں کچھ ڈیری فارم کھولے جا رہے ہیں ۔ اور وہ بھی بہت چھوٹے پیمانے پر ۔

ہندوستان میں بیلوں اور گایوں کی تعداد تقریباً ۱۹ کرور ہے جس میں ۱۵ کرور کے قریب بیل ہیں جو ہل جوتنے اور موٹھ چلانے کے کام آتے ہیں یا اُن سے باربرداری کا کام لیا جاتا ہے اور چونکہ یہاں زیادہ تعداد ہندوؤں کی ہے جو گائے اور بیل کو مقدس خیال کرتے ہیں اس لئے گوشت استعمال نہیں کیا جاتا اور یوں بھی ہندوؤں کی کثیر تعداد گوشت سے پرہیز کرتی ہے ۔ بھینس تعداد میں تقریباً تین کرور چھ لاکھ ہیں ۔ محض دودھ کے لئے بھیڑوں کی تعداد دو کرور بتیس لاکھ ہے ۔ اور بکریوں کی تعداد تقریباً چار کرور ۔ بھیڑوں کی تعداد یہاں بہت کم ہے کیوں کہ یہ پہاڑی علاقے کے ڈھلانوں پر زیادہ بہتر پرورش پا سکتی ہیں ۔ پست مرطوب زمینوں میں نہیں رہ سکتیں ۔ اس سے ان کے پیروں میں بیماری پیدا ہو جاتی ہے ۔ بھیڑیں زیادہ تر کشمیر اور مدراس کے علاقے میں پالی جاتی ہیں مگر جنوبی ہند کی بھیڑوں سے نہ اچھا اون حاصل ہوتا ہے اور نہ اچھا گوشت ۔ بکریاں چوں کر معمولی گھاس اور جھاڑیوں پر گذران کر سکتی ہیں اس لئے ہندوستان کے ہر حصے میں پائی جاتی ہیں ۔ مگر بارش کی بھیگی ہوئی گھاس

انہیں بھی نقصان کرتی ہے اور موسم بارش کے ابتدا میں اکثر بیمار ہو کر مر جاتی ہیں۔ اور چوں کہ ان سے صرف گوشت ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے بڑے پیمانے پر اُن کی پرورش نہیں ہوتی۔

دنیا کے ریگستانی حصوں میں جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ نہ کوئی پیداوار ہوتی ہے اور نہ گھاس اگتی ہے بلکہ صرف کٹیلی جھاڑیاں ہوتی ہیں وہاں بھینس، گائے، بھیڑ، بکریاں بہت کم پالی جا سکتی ہیں۔ ایسے علاقوں میں صرف اونٹ ہی پل سکتا ہے جو دنوں بغیر پانی کے رہ سکتا ہے اور کٹیلی جھاڑیوں پر گزران کر سکتا ہے، اس کا دودھ اور گوشت بھی استعمال کیا جاتا ہے اونٹ زیادہ تر صحرائے اعظم افریقہ اور عرب میں پلے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ریگستان تھا یعنی راجپوتانہ میں اونٹ زیادہ ہیں مگر یہاں گوشت کا استعمال نہیں ہوتا۔ ان سے صرف باربرداری کا کام لیا جاتا ہے

اہلی جانوروں کے علاوہ جنگلی چرندوں کا شکار کر کے ان کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے مگر ایسے جانوروں کی تعداد بھی ان ہی مقامات پر زیادہ ہو سکتی ہے جہاں چارہ کافی مل سکے چنانچہ ہندوستان کے شمالی میدانوں میں ان کی تعداد بہت کم نظر آئے گی کیوں کہ وہاں آبادی زیادہ ہے اور پڑت زمینیں بہت کم ہیں البتہ دکن میں اور ہمالیہ کے جنگلوں میں ایسے جانور نظر آئیں گے۔ وہ بھی بہت کثیر تعداد میں نہیں۔

یوروپین تصرف سے پہلے شمالی امریکا میں رڈ انڈین (امریکا کے سرخ فام باشندے) زیادہ تر جنگلی بھینسوں (بینون) کے شکار پر اپنی گزران کرتے تھے جو وہاں لکھوکھا کی تعداد میں پائے جاتے تھے مگر اب یہ بھی مفقود ہو چکے ہیں اور اصل بات تو یہ ہے کہ بندوق کی ایجاد نے جنگلی جانوروں کا تقریباً صفایا ہی کر دیا جہاں سینکڑوں اور ہزاروں کے گلے نظر آتے تھے وہاں اب

خال خال دکھائی دیتے ہیں وہ تو کہئے کہ قانون شکار اور بعض جنگلوں کے محفوظ ہو جانے کی وجہ سے یہ بھی نظر آتے ہیں ورنہ جنگلی جانوروں کی نسلیں ہی منقطع ہو جاتیں۔ وسط افریقہ اور آسٹریلیا کے جنگلی باشندے اور ہندوستان کی جنگلی اقوام اب بھی شکار پر گذران کرتی ہیں

**پرند**

پلے ہوئے پرندوں میں سب سے اہم مرغی ہے۔ اس کا گوشت بھی استعمال کیا جاتا ہے اور انڈے بھی۔ اور غذا کے لحاظ سے اسے بہت اچھا خیال کیا جاتا ہے خصوصاً انڈا بہت زود ہضم غذا ہے اور اس میں حیاتین بھی کافی مقدار میں پائی جاتی ہے چنانچہ ہر ملک میں مرغیوں کی پرورش ہوتی ہے۔ مگر تجارتی پیمانے پر چین، روس ہالینڈ اور ڈنمارک میں ان کی تعداد پائی جاتی ہے اور سالانہ کروڑہا روپے کے انڈے یورپ کے دیگر ممالک کو روانہ کئے جاتے ہیں خصوصاً انگلستان کو۔ چونکہ ہندوستانی بڑے پیمانے پر مرغیوں کی پرورش اور انڈوں کی حفاظت کے فن سے ناواقف ہیں اس لئے ان سے تجارتی فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا ہے بحالت موجودہ جو تعداد ہے ان کی کھپت یہیں ہو جاتی ہے ممکن ہے کہ آیندہ چل کر ہم بھی اس تجارت میں کافی حصہ لیں۔

## لطیفہ

استاد اپنے شاگردوں کو بتا رہا تھا کہ جانوروں کو پیار کرنا بہت خطرناک ہے۔ اس نے ایک شاگرد سے پوچھا کیا تم اس کی کوئی مثال دے سکتے ہو؟

شاگرد:۔ جی ہاں۔ میری خالہ نے ایک بلی پالی تھی اور اس کا منہ چومتی تھیں۔

استاد:۔ پھر کیا ہوا

شاگرد:۔ وہ بلی مرگئی۔

# دھبے

(احمد ناصر - لاہور)

بعض وقت لکھتے لکھتے قلم سے بہت سی سیاہی ایک دم گر پڑتی ہے اور کاغذ پر دھبہ پڑجاتا ہے۔ یہ دھبہ ظاہر میں تو کاغذ کو خراب کر دیتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ دھبہ بے کار نہیں ہے۔ اس سے طرح طرح کی شکلیں بنائی جا سکتی ہیں۔ پیام بھائی حیران ہوں گے کہ وہ کس طرح؟

لو سنو! جہاں سیاہی کا دھبہ پڑ گیا ہو۔ وہاں کاغذ میں شکن ڈال دو۔ جب کھولو گے تو عجیب ہی شکل نظر آئے گی اسی طرح بناتے بناتے کئی دل چسپ شکلیں بنائی جا سکتی ہیں۔ نمونے کے طور پر دیکھو۔

(۲)



(۱)



(۱) مکڑی کی شکل بن گئی ہے جسے سانپ کی گھوڑی بھی کہتے ہیں۔

(۲) تیتری کی شکل ہے اسی طرح بہت سی شکلیں بنائی جا سکتی ہیں۔ البتہ کبھی کبھی کہیں قلم لگانا پڑتا ہے سو اس سے چنداں فرق نہیں پڑتا مثلاً نمبر ۲ میں تتلی کی موچھیں قلم سے بنائی گئی ہیں۔

# معلومات

دنیا میں سب سے زیادہ گہرے سمندر دو ہیں۔ بحیرۂ بالٹک اور بحیرۂ اڈریاٹک۔ پہلے کی گہرائی اوسطاً ۴۴ گز ہے اور دوسرے کی اوسطاً ۵۴ گز۔

---

۱۳ ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء کو شمالی افریقہ کے ایک مقام کا درجۂ حرارت ۱۳۶ درجے ہو گیا تھا۔ انگلستان میں درجۂ حرارت کبھی ایک سو سے زیادہ نہیں بڑھا۔

---

اگر موسم ٹھیک ہو تو نامہ بر کبوتر ایک منٹ میں بارہ سو گز کا فاصلہ طے کر لیتا ہے، اور اگر ہوا موافق ہو تو ایک منٹ میں انیس سو گز چلا جاتا ہے۔

---

الارم بجانے والی گھڑی سب سے پہلے سنہ ۱۳۶۲ء میں بنائی گئی تھی۔ ایسی گھڑی میلان (اٹلی) کے ایک شخص کے پاس تھی۔ اس میں سے مقررہ وقت پر گھنٹی کی آواز آتی تھی۔

---

پیرس میں ایک محراب ہے "آرک دی ٹرائف"۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں ایسی بڑی اور شاندار محراب کہیں اور نہیں۔ اسے نپولین اول نے سنہ ۱۸۰۶ء میں بنوانا شروع کیا تھا اور سنہ ۱۸۳۶ء میں بن کر تیار ہوئی۔ اس پر چار لاکھ پونڈ صرف ہوئے تھے۔

---

سنہ ۱۶۰۰ء تک انگلستان میں کوئی آدمی سگرٹ پینا نہیں جانتا تھا۔ سب سے پہلے جس نے سگرٹ پینا شروع کیا اس کا نام ولیم مڈلٹن تھا اور یہ ملکہ الزبتھ کی بحری فوج میں کپتان تھا۔ اسے سگرٹ پیتے دیکھ کر ہزاروں لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔

---

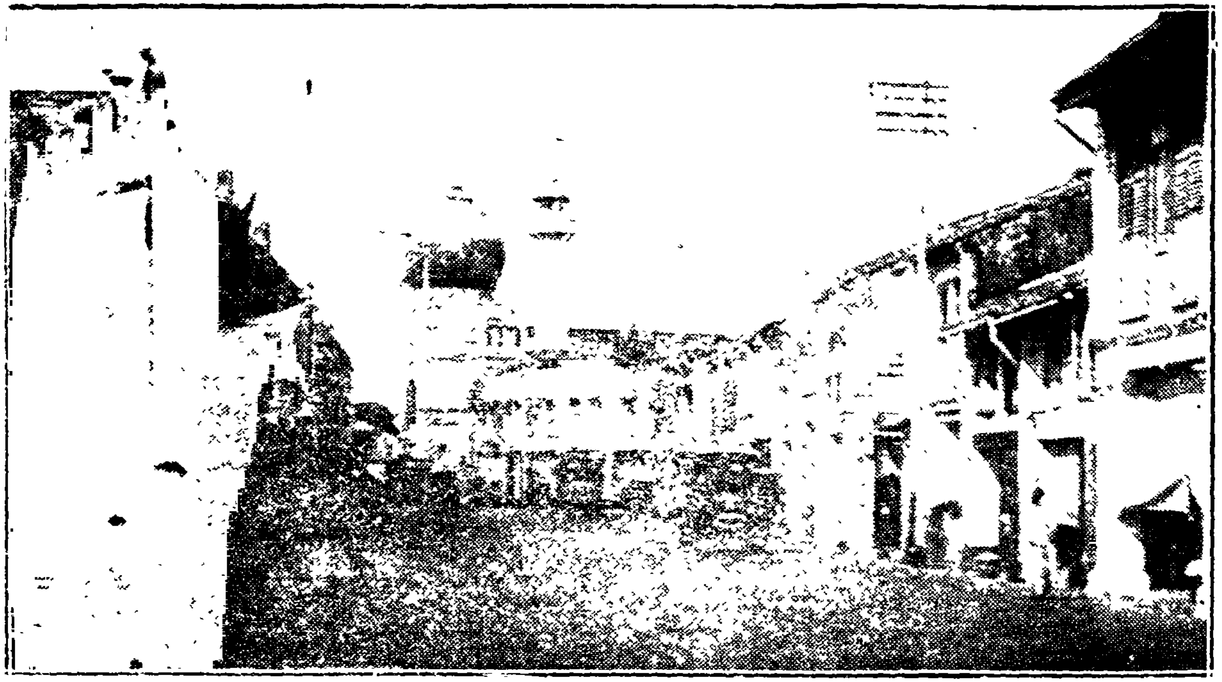
جرمنی کے ایک سائنس داں نے چند ایسے طریقے دریافت کئے ہیں جن سے سڑکوں اور گھروں کے معمولی کوڑے سے عمارت بنانے میں کام لیا جا سکتا ہے۔ ان طریقوں سے کوڑا بالکل سیمنٹ کی طرح مضبوط بن جاتا ہے۔ اور اس پر آگ کا اثر نہیں ہوتا۔ کوڑے کی اینٹیں بہت کم لاگت میں تیار ہوتی ہیں۔

---

جرمنی میں ایک ریکارڈ تیار ہوا ہے۔ یہ معمولی ریکارڈ



یہ چمپانزی [illegible] اور چلتا ساتھ رہا ہے



سنگاپور (ملایا) کی خوب صورت جامع مسجد۔

کی طرح ہے۔ مگر خاص بات یہ ہے کہ یہ پچاس منٹ تک برابر کام دیتا رہتا ہے۔ تقریریں بھرنے اور بچوں اور اندھے طالب علموں کے لئے یہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ بچوں کے لئے گیت اور قصے کہانیاں اور اندھوں کے لئے ان کی کتابیں اس میں بھری جایا کریں گی۔

---

حال ہی میں انجنیروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ایسی موٹریں تیار کی جا رہی ہیں جن میں ادھر اُدھر ہوائی جہاز کے سے پر لگے ہوں گے۔ عام طور پر یہ سمٹے رہا کریں گے۔ مگر ضرورت کے وقت انھیں کھول لیا جائے گا۔ اور یہ موٹریں ہوا میں اُڑنے لگیں گی۔

---

دنیا میں ایسے مرض بھی ہیں جن کا علاج نہ تو کسی دوا سے ممکن ہے اور نہ اپریشن سے۔ مگر حال ہی میں امریکہ کے ایک ڈاکٹر نے ان کی دوا دریافت کرلی ہے اور تمھیں یہ سُن کر تعجب ہوگا۔ کہ یہ دوا سخت قسم کے زہریلے سانپ کا زہر ہے۔ اُنھوں نے دو ایک مریضوں پر اس کا تجربہ بھی کیا جو بالکل اچھے ہوگئے۔

---

امریکہ میں یہ کوشش ہو رہی ہے کہ مختلف قسم کے پرندوں کی بولیوں اور گیتوں کے ریکارڈ تیار کئے جائیں۔ چنانچہ ڈاکٹر اینڈرریوز اور اُن کے ساتھیوں نے کئی سو میل کا سفر طے کرنے کے بعد۔ اب تک پندرہ قسم کی بولیوں اور گیتوں کو محفوظ کرلیا ہے۔

---

دنیا میں ۲۰ ایسے ملک ہیں جہاں نکل کے سکے چلتے ہیں۔ اب حبشہ نے بھی اس قسم کے سکے بنانے شروع کردئے ہیں۔ چنانچہ اس ملک میں اس وقت ایک کروڑ نکل کے سکے رائج ہیں۔

---

بھانسی سے پچاس میل کے فاصلہ پر حال ہی میں ایک شگاف کا انکشاف ہوا ہے جو ایک میل لمبا اور دو فٹ چوڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شگاف بہار کے زلزلہ کے اثر سے پیدا ہوا تھا۔

---

بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت تمام دنیا میں جتنا سونا ہے اس کا ۴۰ فی صدی ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ہے۔ اس خزانہ کو محفوظ رکھنے کے لئے عجیب وغریب طریقہ اختیار کیا گیا ہے یعنی ایک ارب اسی کروڑ پونڈ سونا پہاڑوں کے غاروں میں چھپایا جائے گا۔

---

روس میں ایک نئی قسم کا ہوائی جہاز ایجاد ہوا ہے جو غبارے کا غبارہ ہے اور چھاتے کا چھاتا۔ اس کا امتحان بھی ہوچکا ہے اور اس میں وہ پورا اُترا ہے یہ غبارہ یا جہاز ۱۱ ہزار فٹ کی بلندی تک چڑھ گیا اور جب اس میں بیٹھنے والے لوگوں نے اس کی گیس خارج کردی تو غبارے کا ڈھکن بڑی آسانی سے ایک ایسے چھاتے میں بدل گیا جس کے ذریعے آسانی سے زمین پر اُتر سکتے ہیں۔

---



# خط کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ مجھے جولائی اور اگست ۱۹۳۳ء کے پیام تعلیم کے پرچوں کی ضرورت ہے اگر دفتر میں ہوں۔ یا کوئی پیام بھائی اپنے پرچے جمع نہ کرتے ہوں تو براہ نوازش پیام تعلیم کے ذریعے مطلع فرمائیں۔ والسلام

خاکسار محمد محسن

---

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ میرے پاس ٹکٹوں کے تبادلے کے سلسلے میں ان بھائیوں کے خط آئے ہیں۔ (۱) عزیز احمد صاحب معرفت عبدالباقی صاحب انسپکٹر آف اسکولز گیا۔ (۲) مظہر الدین صاحب معرفت امیر الدین صاحب کورٹ انسپکٹر پولیس علی گڈھ (۳) محمد نصیح اللہ صاحب پھلواری شریف پٹنہ (۴) ناصر احمد صاحب معرفت نیو اسٹو ڈنٹس ایڈ ن بکڈپو۔ موہن لال روڈ لاہور (۵) فاروق اسداللہ صاحب معرفت ... اللہ صاحب اسسٹنٹ انجینئر نظام ساگر حیدرآباد دکن۔ (۶) باقر امام صاحب معرفت پرنسپل صاحب عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن۔ (۱) عزیز احمد صاحب گیا (۲) محمد نصیح اللہ صاحب نے مہینے (ایک مہینہ) اور باقر امام صاحب گیا اور اسداللہ صاحب حیدرآباد نے (دس دن سے) جواب نہیں دیا ہے امید ہے کہ جواب جلد مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ خاکسار سید اطہر حسین امرادتی کیمپ۔

---

مکرمی ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ اگست کا پیام تعلیم ملا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ خریدار دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ اللہ کرے میرا پیام تعلیم تمام دنیا میں تعلیم کا پیام بن کر چمکے آمین خدا کرے کہ سالنامہ پچھلے سال سے بھی بڑھ چڑھ کر ہو میں نے بھی مضمون لکھنا شروع کر دیا ہے۔ عثمان الرحمن صدیقی نوشہ میرٹھ

---

مکرمی۔ تسلیم۔ اگر آپ کے یہاں پیام تعلیم کا ۱۹۳۵ء کا پرچہ فاضل ہو یا کوئی بھائی پیام تعلیم کا فائل نہ رکھتے ہوں ان سے میری درخواست ہے کہ اس مہینے کا پرچہ قیمتاً یا وی پی بھیج دیں جس وقت وہ مجھے مطلع فرمائیں گے میں ڈاک کا خرچ انھیں بھیج دوں گا میرے بڑے ماموں جو سول سرجن تھے دل کی حرکت بند ہو جانے سے یکایک انتقال فرما گئے۔ پیام بھائیوں سے درخواست ہے کہ ان کے حق میں مغفرت کی دعا کریں۔

خاکسار

عزیز احمد معرفت عبدالباقی صاحب محلہ قصاب پورہ گیا۔

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ پیام تعلیم صحیح معنوں میں بچوں کا رسالہ ہے عددوں والے مضمونوں کی اسکی شان اور بھی بڑھ گئی ہے۔ محمد بشیر اعظمی سیالکوٹ

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ ہمیں تو سب سے زیادہ وہ مضمون پسند آتے تھے جو آپ پہلے شائع کرتے تھے۔ جیسے چھوٹا چھو، چندا لور دھنو اور سلفو وغیرہ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ پھر اسی قسم کے مضمون شائع کریں۔ فقط

مس عقیدہ ذاکرہ غلام نقی

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ آپ کا رسالہ بچوں کے لئے یعنی ہم لوگوں کے لئے بہت مفید ہے۔ اگر اس میں لطیفے اور معلومات کے صفحے بڑھا دئے جائیں تو دلچسپی کا سامان اور زیادہ ہو جائے۔ عبدالشکور قریشی شملہ

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ پیام تعلیم بہت اچھا اور دلچسپ رسالہ ہے، لیکن اس میں سائنس کے چھوٹے چھوٹے شعبدے نہیں چھپتے۔ وہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ مجھے رسالے کے لئے بہت انتظار کرنا پڑتا ہے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ اسے پندرہ روزہ کر دیں۔ خاکسار احمد فتح گڈھ

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ اگر کوئی صاحب سلور جوبلی کے ٹکٹ فروخت کرنا چاہیں تو میں چار آنہ (۴ر) سینکڑہ کے حساب سے خریدتا ہوں

سیف الدین محمد عبدالمجیب

نمبر مکان ۵۵۸ کٹل منڈی حیدرآباد دکن

---

مکرمی ایڈیٹر صاحب تسلیم

۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ آپنے انوکھے عدد والا مضمون بند کر دیا یہ مضمون مجھے بہت پسند ہیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔ بادشاہوں کے حالات بھی ضرور لکھئے مجھے ایسے مضمون بہت پسند ہیں۔ فقط اعزاز حسین خاں امروہہ

---

جناب ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم۔ اسلام علیکم،

براہ کرم آپ میرا نام ٹکٹ فروخت کرنے والوں میں درج فرمائیے میں ٹکٹ خریدتا بھی ہوں اور فروخت بھی کرتا ہوں اگر کوئی پیام بھائی سلور جوبلی کے ٹکٹ فروخت کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل قیمتوں پر فروخت کر سکتے ہیں:۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ار پیسہ والے | جوبلی ٹکٹ | | ۱۲ر | سینکڑہ |
| ۳ر | " | " | عہ | " |
| ار آنہ | " | " | ۱۲ | " |

اور ۱ آنہ والے جوبلی ٹکٹ عہ/ سینکڑہ
۲/ " " " ۱ے/ "
۳/ " " " ۲ے/ "
۸/ " " " عہ/ "

اگر کسی ٹکٹ سے تبادلہ کرنا چاہیں یہ بھی ہو سکتا ہے۔
میرے پتہ پر گفتگو کریں۔

سید صابر حسین قصری
معرفت پروفیسر سید اولاد حسین صاحب ایم۔ اے۔ ایچ پی۔
او۔ ایل۔ ٹی احاطہ کمال خاں۔ ۱۵/۱۸۶ کانپور

---

مکرمی سلام علیکم۔ کل خط ملا ٹکٹوں کا بہت شکریہ۔ ٹکٹ بہت پسند آئے۔ اگر ممکن ہو کچھ اور ٹکٹ مرحمت فرمائیے۔ مشکور ہوں گا۔ میں خدا کے فضل سے بخیریت ہوں۔ امید ہے کہ آپکا مزاج بھی مع الخیر ہوگا۔

اگر جبلی کے ٹکٹ قیمتی ۱/ ۲/ ۳/ ۸/ کے مبادلہ کی ضرورت ہو تو کس سے کیا جا سکتا ہے؟ —

والسلام
رشید اللہ

---

مکرمی تسلیم۔ ٹکٹ جمع کرنے والوں کی فہرست ارسال خدمت ہے۔

خاکسار شمیم بانکی پور

۱۔ سید مجیب اشرف دسنوی۔ بمکان پروفیسر معین الحق صاحب نیا ٹولہ بانکی پور (پٹنہ)
۲۔ سید نقی اشرف دسنوی شبلی منزل۔ اعظم گڑھ
۳۔ محمد عزیز احمد صاحب۔ بذریعہ عبد الباقی صاحب بی۔ اے۔ سب انسپکٹر اسکول قصاب ٹولہ۔ گیا
۴۔ بہر بادشاہ۔ ۳/۲۰۰ محلہ اردو۔ حیدرآباد دکن
۵۔ یوسف علی خاں اسد۔ پیرس بوٹ ہاؤس بمبئی (دکن)
۶۔ اکبر بادشاہ ۱۲/۳ کوچہ نزد علی شاہ۔ حیدرآباد دکن
۷۔ برکات بادشاہ بمکان سید قادر محی الدین صاحب محلہ اردو۔ حیدرآباد دکن
۸۔ جی۔ یعقوب علی خاں صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول ابراہم
۹۔ سید مرتضیٰ قادری بمکان سید شاہ قادر محی الدین صاحب قادری۔ محلہ اردو۔ حیدرآباد
۱۰۔ سعد راشد الخیری۔ کوچہ چیلان۔ دہلی

---

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ گزارش ہے کہ آپ کے مضمون نگار محمد شمیم عثمانی کونسے شہر میں رہتے ہیں اطلاع دیجئے اور آپ نے پیام تعلیم میں ٹکٹ کے متعلق جو درج کیا تھا یعنی غیر ممالک کے ٹکٹ کونسے شہر سے مل سکتے ہیں

محمد اطہر علی خاں
جماعت ششم مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ۔ دکن

---

مکرمی۔ تسلیم۔ میں نے جبلی کے ٹکٹ کافی جمع کرلیے ہیں۔ آپ کے پاس نئی دلی کے افتتاحی ٹکٹ زیادہ ہوں تو مرحمت فرمائیے یا کسی دوسرے صاحب سے دلوا دیجئے۔ والسلام

محمد جمیل الرحمٰن درجہ نہم بی مشن اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں

---

مکرمی۔ تسلیم۔ شمیم صاحب کا پتہ درکار ہے۔ (۲) غیر ممالک کے ٹکٹ کہاں سے ملتے ہیں۔ محمد اطہر علی خاں پرکی

(شمیم صاحب کا پتہ۔ مڈیکل کالج ہوسٹل بانکی پور پٹنہ۔ ٹکٹ ملنے کے پتے (۱) نیشنل اسٹامپ کمپنی بانکی پور (۲) شاد کمپنی احاطہ خام لکھنو۔ ایڈیٹر)

---

مکرمی۔ تسلیم۔ الحمد للہ پیام تعلیم روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ اگر کوئی بھائی مبادلہ کرنا چاہیں تو بیرون ہند کے ٹکٹ روانہ فرمائیں انھیں ان کے بدلے میں افغانستان کے ٹکٹ روانہ کردیے جائیں گے۔ محمد فصیح اللہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔

---

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم۔ ماہ اگست کا رسالہ ملا دیکھتے ہی دل باغ باغ ہوگیا کیوں کہ یہ کافی عرصہ کے بعد ملتا ہے۔ مجھے بھی شمیم صاحب کے مضامین سے دلچسپی ہے اور کافی ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں میں عطاء اللہ صاحب کے مضامین شوق سے پڑھتا ہوں آپ ان کے قصے ضرور چھاپیے۔ اگست کے پرچے میں مجھے تمام مضامین پسند آئے۔

محمد عبد النعیم خاں

---

مکرمی تسلیم۔ مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا ایک مدت سے شوق ہے اور تقریباً آٹھ ہزار مختلف ممالک کے ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں جو صاحب مبادلہ فرمانا چاہتے ہوں وہ خوشی سے مجھ سے براہ راست خط کتابت کریں میرے پاس دو سو کے قریب دوسرے ملکوں کے سکے بھی ہیں۔ اگر کوئی بیانی بھائی شائق ہوں تو خط کتابت فرما سکتے ہیں۔

سید ظہیر الدین
معرفت پرنسپل صاحب عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن

# پیام تعلیم

دہلی

اردو

جلد ۱۰ — اکتوبر ۱۹۳۵ء — نمبر ۱۰


## فہرست مضامین




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ام اے پی ایچ ڈی ۔ جامعہ برقی پریس دہلی

# پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

ظہیرالحسن صاحب ہاشمی ۔ حیدرآباد۔
خورشید بیگم صاحبہ ۔ حیدرآباد دکن ۔
سیدہ سلطانہ صاحبہ ۔ قنوج ۔
احسن مظفر احمد صاحب عثمانی ۔ حیدرآباد دکن
گلشن احمد خاں صاحب ۔ احمد آباد
ثریا بانو صاحبہ ۔ فرخ آباد
آفتاب احمد صاحب ۔ بانکی پور ۔ پٹنہ
عبدالبشیر صاحب بنگلور
منظور احمد صاحب ۔ قائم گنج ۔
محمد مظفر جواد احمد صاحب ۔ ظہیرآباد ۔
ابوشعیب محمد عمر خاں صاحب ۔ جونپور شہر
مسٹر تاج الدین صاحب دیرا ۔ دہلی
ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ محمڈن ہائی اسکول ۔ گنٹور
سید محامد علی صاحب عباسی ۔ اورنگ آباد
ایم عبدالرحمان صاحب ۔ بمبئی
آفتاب احمد خاں صاحب ۔ دہلی
محمود علی خاں صاحب علوی ۔ نئی دہلی
محمد سرور خاں صاحب ۔ ہری پور ۔ ہزارہ
بی ایس امیرالدین صاحب بخاری ۔ کلوزپیٹ بنگلور
مؤدب عثمانیہ مسلم بورڈنگ ہاؤس ۔ گلبرگہ
سید شفاعت حسین صاحب ریحانی (ٹیچر) حیدرآباد دکن ۔

فتح محمد صاحب ۔ چاندہ
محمد شعیب صاحب ۔ لکھنو
محمد عمران صاحب ۔ فتح گڈھ ۔ یوپی
محمد ذاکر صاحب ۔ موضع کھروئی ۔
سید محمد علی صاحب قادری ۔ حیدرآباد ۔
ہیڈ ماسٹر صاحب میونسپل اردو اسکول ۔ جل گاؤں
آغا خورشید علی علائی ۔ بانکی پور ۔ پٹنہ
ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ عثمانیہ اسکول نارائن پیٹھ، دکن
محمد عظیم صاحب ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۔
محمد غلام مصطفےٰ صاحب لودھی پور
ایم احسان خاں صاحب سہارنپور
خلیل الرحمٰن صاحب ۔ بارہ بنکی
صدر مدرس صاحب مدرسہ وسطانیہ ۔ محبوب نگر ۔ دکن
صدر مدرس صاحب مدرسہ وسطانیہ نارائن پیٹھ
محمد عبدالکریم صاحب ۔ پربھنی
عطاء الرحمٰن صاحب کلکتہ
صدر مدرس صاحب مدرسہ ابتدائیہ تعلقہ جینور آصف آباد
دی سکریٹری اسلامیہ اسٹوڈنٹ لائبریری ۔ ملتان
صدر مدرس صاحب مدرسہ وسطانیہ عثمانیہ [illegible]
گورنمنٹ ہائی اسکول ۔ اکولہ

# بچوں سے باتیں

پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر کی کتابت ہو رہی ہے تصویریں چھپ رہی ہیں اور جس وقت یہ پرچہ تمھارے ہاتھوں میں پہنچے گا۔ اُس وقت تک بہت سا کام ہو چکا ہو گا۔ ہم اس خاص نمبر کو تمھارے لئے مفید، دلچسپ اور خوشنما بنانے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔ کامیابی خدا کے ہاتھ ہے

---

اسی سلسلے میں ہم نے ہندوستان کے اکثر اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان کے نام ایک استفسار (سوال) بھی بھیجا ہے کہ وہ اپنے اپنے اسکول کے بچوں سے جواب لکھوا کر ہمارے پاس بھیج دیں اور وہ یہ کہ "تم دوسرے ملکوں کے بچوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہو۔ اگر تمھیں اُن سے دو چار منٹ بات چیت کا موقع ملے تو اُن سے کیا گفتگو کرو گے؟"

ہم نے تمام ہیڈ ماسٹر صاحبان کی خدمت میں یہ استفسار بھیجا ہے اگر ڈاک خانہ کی غلطی یا ہماری بھول چوک سے کسی صاحب کے پاس ہمارا خط نہ پہنچا ہو تو وہ اسی تحریر کو درخواست سمجھیں اور براہ نوازش اپنے ہاں کے بچوں سے یا صرف ایک بچے سے جو سب بچوں کا نمایندہ سمجھا جائے جواب لکھوا کر جلد سے جلد بھجوا دیں۔

---

ایک دوسرا استفسار ان بزرگوں کی خدمت میں بھیجا گیا ہے جو تعلیم کے فن میں ماہر ہیں یا جن کی عمر اسی مفید مشغلے میں بسر ہوئی ہے یا جو مشہور قومی کارکن ہیں وہ استفسار بھی ہم یہاں لکھے دیتے ہیں "اگر آپ کو دو چار منٹ ہندوستان کے بچوں سے گفتگو کا موقع ملے تو آپ اُن سے کیا کہیں گے" ہندوستان میں تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے بزرگوں کی کمی نہیں ہے۔ ہم نے اگرچہ بہت احتیاط سے خطوط بھیجے تاہم ممکن ہے کہ بہت سے اصحاب کے نام چھوٹ گئے ہوں۔ اس لئے اگر وہ ہماری اس تحریر کو دیکھ کر وہ اس استفسار کا جواب لکھ کر ہمیں بھیج دیں گے تو یہ اُن کا بڑا احسان ہو گا۔

---

تاسیس نمبر کے انعامی مقابلے کے سلسلے میں بہت تھوڑے بچوں کے مضمون آئے ہیں شاید انھیں مدرسہ کے کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے موقع نہیں ملا۔ یا وقت کم تھا۔ لیکن بھائی ہمارا خیال تو یہ ہے کہ توجہ اور شوق سے کام لیتے تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا۔ خیر اب نہ وقت ہے اور نہ موقع اللہ نے کیا تو پھر دیکھا جائے گا۔

---

اس پرچے کے آخر میں رنگ بھرنے کی ایک تصویر دی گئی ہے۔ اس میں ایک آرٹسٹ صاحب کے مشورے سے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کونسا رنگ کہاں بھرنا چاہئے۔ اور تمھیں یہ بھی آزادی دی گئی ہے کہ ایک یا مختلف رنگ کی کئی تتلیاں پکڑ لو اور ان میں جس کا رنگ تمھیں سب سے اچھا معلوم ہو۔ اسی کو سامنے رکھ کر کاغذی تتلی میں رنگ بھر دو۔

# نئی دہلی

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

یوں تو دہلی کی چپہ چپہ زمیں دیکھنے کے قابل ہے ہر جگہ پرانے زمانے کی کچھ نہ کچھ یادگاریں ملتی ہیں لیکن جتنی اچھی چیزیں تھیں وہ سب ہم نے تمھیں دکھادیں اب صرف نئی دہلی کی سیر باقی رہ گئی ہے آج چلو وہاں بھی ہو آئیں۔

ایک پرانا مقولہ ہے کہ جو شخص دہلی کا بادشاہ ہوگا وہ سارے ہندوستان کا بادشاہ ہوگا یہ بات کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اب تک ہندوستان کے جتنے بادشاہ گذرے ہیں۔ قریب قریب سب دہلی ہی میں رہتے تھے۔ اسی وجہ سے دہلی میں بہت سی اچھی اچھی عمارتیں پائی جاتی ہیں۔

انگریز سات سمندر پار کے رہنے والے ہیں تجارت کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور پہلے پہل مدراس میں اترے۔ اس کے بعد انھوں نے تھوڑی تھوڑی زمین پر قبضہ کرنا شروع کیا اور کلکتہ کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ پھر رفتہ رفتہ سارے ملک کے مالک ہوگئے۔ ان کا بادشاہ تو لندن ہی میں رہتا تھا لیکن بادشاہ کا نائب یعنی وائسرائے کلکتہ میں رہتا تھا اور وہیں سے سارے ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔

جب جارج پنجم انگلستان کے بادشاہ ہوئے اور ۱۹۱۱ء میں دہلی میں ان کی تاج پوشی کا دربار ہوا تو انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اب پھر پہلے کی طرح دہلی پایہ تخت ہوگا اور ان کا نائب اب یہیں رہا کرے گا اس طرح وہ دہلی جو ۱۸۵۷ء کے غدر اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے بعد سے اجڑ چکی تھی اب پھر گل زار بن گئی۔

فارسی کی ایک مثل ہے کہ جو کوئی آتا ہے اپنی ایک نئی عمارت کھڑی کرتا ہے۔ یہ مثل دہلی پر بالکل پوری

اُڑتی ہے ۔ یہاں جو بادشاہ ہوا اس نے یا ایک نیا شہر بسایا ۔ یا کوئی نئی عمارت بنوائی ۔ اس طرح دہلی کے سات بڑے بڑے شہر مشہور ہیں ۔ جب انگریزوں نے دہلی کو اپنی راج دھانی بنایا تو انھوں نے بھی یہاں ایک نیا شہر بسانے کیا یہی نئی دہلی یا دہلی کا آٹھواں شہر ہے ۔

نئی دہلی کی ساری عمارتیں یا تو سرکاری ہیں جن میں دفتر والے رہتے ہیں یا پھر بڑے بڑے نوابوں راجوں، مہاراجوں کی بنوائی ہوئی ہیں ۔ عام لوگ یہاں نہیں رہتے ۔ سب مکان یورپ کے نمونے کے بنے ہیں یعنی کوٹھی ، بنگلے کی شکل کے اور سب کی شکل و صورت اور رنگ بھی ایک سا ہے ۔ سڑکیں بہت چوڑی اور کھلی کھلی ہیں ۔ اور جگہ جگہ پارک اور باغ بنے ہوئے ہیں صفائی کا بہت زیادہ خیال ہے ۔ کسی جگہ بھی گندگی نظر نہیں آتی اس طرح نئی دہلی کا شہر خوب صورت تو بہت ہے لیکن رونق اور چہل پہل بالکل نہیں ہے ۔ کچھ سونا سونا سا معلوم ہوتا ہے اور گرمیوں میں تو جب وائسرائے اور ان کے سب دفتر شملہ چلے جاتے ہیں تو اور بھی ہو کا عالم ہو جاتا ہے ۔ اکثر بازار اور دکانیں بھی بند ہو جاتی ہیں اور ہر طرف سنسان معلوم ہونے لگتا ہے ۔

نئی دہلی کے بنانے میں کوئی ۱۵ کرور روپیہ خرچ ہوا ہے کوئی ۱۸ برس تک ۲۹ ہزار مزدوروں نے روزانہ کام کیا ہے اور عمارتوں میں ۷۰ کرور اینٹیں استعمال ہوئی ہیں ۔ یعنی اگر ان اینٹوں کو ایک کے سامنے ایک رکھ کر بچھایا جائے تو دنیا کے گولے کے چار چکر بن جائیں

نئی دہلی کی تین عمارتیں خاص طور پر مشہور اور دیکھنے کے قابل ہیں ۔ (۱) وائسرائے ہاؤس (۲) دفاتر (۳) پارلیمنٹ ۔ یہ تینوں عمارتیں بالکل قریب قریب ہیں ۔ پارلیمنٹ کی عمارت کے تین حصے ہیں اور بیچ میں ایک بڑا ہال اور کتب خانہ ہے ۔ ایک حصے میں اسمبلی کے جلسے ہوتے ہیں ۔ دوسرے میں کونسل آف اسٹیٹ کے اور تیسرے میں ریاستوں کے چیمبر کے

شاید تمھیں ان تینوں انجمنوں کا حال معلوم نہ ہو اس لئے آؤ پہلے یہی سمجھا دیں ۔ ہندوستان کے سب سے بڑے افسر وائسرائے ہیں ۔ ان کو مشورہ دینے کے لئے چھ سات افسروں کی ایک کونسل ہے جسے

اگزیکٹو کونسل کہتے ہیں۔ اس میں ہر افسر کے ماتحت چند محکمے ہوتے ہیں۔ کسی کے ماتحت تعلیم کا محکمہ ہے کسی کے ماتحت فوج کا محکمہ۔ کسی کے ماتحت خزانے کا محکمہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب محکمے ان باتوں پر عمل کرتے ہیں جو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر طے کر دیں یا وائسرائے حکم دیں۔

اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے کچھ ممبر تو ہندوستان کے مختلف صوبوں سے چنے جاتے ہیں اور کچھ ممبر وائسرائے اپنی طرف سے بھیجتے ہیں اسمبلی میں تو زیادہ تر چنے ہوئے ممبر ہیں لیکن کونسل آف اسٹیٹ میں زیادہ تر سرکاری آدمی ہوتے ہیں جو بس حکومت کی ہاں میں ہاں ملا دیا کرتے ہیں ہندوستان کے تمام قانون اور آمدنی و خرچ کا حساب پہلے اسمبلی میں پیش ہوتا ہے پھر وہاں سے پاس ہو جانے کے بعد کونسل آف اسٹیٹ منظوری دیتی ہے۔ جب دونوں جگہوں سے منظوری ہو جاتی ہے تو پھر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل اسی کے مطابق عمل کرتی ہے۔

ریاستوں کا چیمبر ہندوستان کے نوابوں اور راجوں مہاراجوں کی انجمن ہے اس میں وہی لوگ جمع ہو کر ریاستوں کے معاملے پر بحث کیا کرتے ہیں۔

ان تین عمارتوں کے علاوہ پارلیمنٹ کے بیچوں بیچ میں جو بڑا سا ہال ہے اس میں اکثر دربار ہوا کرتا ہے۔

یہ ساری عمارت ۵ سال میں بن کر تیار ہوئی تھی۔ بادشاہ جارج پنجم کے چچا ڈیوک آف کناٹ نے سنہ ۲۱ء میں اس کی بنیاد کا پہلا پتھر رکھا تھا اور لارڈ اِروِن وائسرائے نے سنہ ۲۷ء میں اس کا افتتاح[لہ] کیا تھا۔ یہ عمارت بالکل گول ہے اور اتنی بڑی ہے کہ اس کے چاروں طرف گھومنے سے پورے ایک میل کا چکر ہو جاتا ہے۔ بیچ میں ایک بڑا بھاری گنبد ہے اور چاروں طرف کوئی ڈیڑھ سو کھمبے ہیں اسی لئے عمارت دیکھنے میں بڑی خوب صورت معلوم ہوتی ہے

دوسری عمارت سکریٹریٹ ہے جس میں سرکاری دفتر ہیں اس کے دو حصے آمنے سامنے بنے ہیں بیچ میں سے سڑک جاتی ہے اس پر کوئی پونے دو کرور روپے خرچ ہوئے ہیں۔ دونوں حصوں کے کناروں پر بڑے اونچے اونچے دو مینار بنے ہوئے ہیں کہتے

---

[لہ] شروع کرنا۔ کسی عمارت کو بن جانے کے بعد عام استعمال کے لئے کھولنا۔

ہیں کہ یہ مینار اونچائی میں قطب مینار سے صرف ۷۰ گز نیچے ہیں۔ اس عمارت میں کوئی ایک ہزار کمرے ہیں، اور سب برآمدوں کی لمبائی ملا کر کوئی ۴ میل ہوتی ہے یہاں ایک ایسی مشین لگی ہے جو گرمیوں کی لو کو ٹھنڈا کرتی رہتی ہے اور جاڑوں کی تیز ٹھنڈی ہوا کو گرم کرتی رہتی ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا بھر میں کسی حکومت کے دفتروں کی عمارت اتنی اچھی نہیں ہے جتنی غریب ہندوستان کے دفتروں کی یہ عمارت ہے۔

تیسری عمارت وائسرائے کے رہنے کا محل ہے یہ محل دنیا کے خوب صورت سے خوب صورت محلوں میں شمار کیا جاتا ہے یہ سرخ اور سفید پتھر اور طرح طرح کے سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے اس میں ڈیڑھ میل لمبے برآمدے، ڈیڑھ سو کمرے، سوا دو سو کھمبے، ۷۴ چشمے اور بہت سے اچھے سے اچھے باغ ہیں۔ اس پر کوئی سوا کروڑ روپیہ خرچ ہوا ہے ۱۹۲۹ء میں یہ بن کر تیار ہوا تھا۔ سب سے پہلے لارڈ ارون وائسرائے اس میں آکر رہے۔ اتفاق دیکھئے کہ جس دن وہ اس میں آئے اسی دن صبح کو اُن کی ٹرین کے نیچے بم پھٹا لیکن وہ بال بال بچ گئے ایسا ہی اتفاق ۱۹۱۲ء میں بھی ہوا تھا یعنی جب لارڈ ہارڈنگ وائسرائے پہلی مرتبہ دہلی کو پایۂ تخت بنانے کے لئے یہاں داخل ہوئے تو چاندنی چوک میں ان پر بھی بم پھینکا گیا تھا۔

اچھا اب نئی دہلی کی عمارتیں تو دیکھ لیں۔ چلو یہاں ایک پرانی چیز بھی ہے اسے بھی دیکھتے چلیں اسے جنتر منتر کہتے ہیں ~~پچھلے سال پیام تعلیم میں ہم نے ایک مضمون~~ سورج، چاند اور ستاروں ~~کے متعلق کئی طرح~~ کی باتیں اور ~~چاند سورج~~ ان کی چالیں معلوم کرنے کے لئے یہ جنتر منتر کی عمارت بنائی گئی تھی جے پور ریاست کے ایک راجہ تھے۔ جے سنگھ ثانی امیر تھے۔ ان کو ان باتوں کا بہت شوق تھا اب سے کوئی دو سو برس پہلے ان ہی نے دہلی میں یہ جنتر منتر بنوایا تھا اس کی عمارتیں عجیب عجیب طرح بنی ہیں اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

نئی دہلی کی سیر ختم ہوئی اور اس کے ساتھ ہی دہلی کی عمارتوں کی سیر ختم ہوئی ~~اللہ نے چاہا تو آئیں نمبر کے بعد نمبروں کا اور کوئی اچھا سا سلسلہ شروع کیا جائے گا~~۔ امید ہے کہ تم نے اس سلسلے کو ضرور پسند کیا ہوگا۔

# بچہ سقا کا انصاف

(از عبد الرشید صاحب رشدی بھوپال)

زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ دو قصاب کہیں سے آکر کابل میں آباد ہو گئے تھے۔ دونوں بھائی بھائی تھے۔ غریبی کی وجہ سے ان کا برا حال تھا۔ کابل میں آکر انھوں نے ایک معمولی سی دکان گوشت بیچنے کی لگالی تھوڑے ہی عرصے میں دکان چل نکلی۔ دونوں نہایت ایمان دار اور خوش اخلاق تھے جس کی وجہ سے دکان پر گاہکوں کا ایک مجمع سا لگا رہتا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کے پاس اچھی خاصی رقم اکٹھی ہوگئی جو کچھ آمدنی روزانہ ہوا کرتی سب ایک تھیلی میں جمع کرتے جاتے تھے اتفاق سے ایک دن دونوں نے تھیلی کے روپے گنے تو معلوم ہوا کہ کوئی ۵۰۰ روپے ہیں۔ اسی زمانے میں کابل میں بہت شورش پھیلی ہوئی تھی اور بچہ سقا نے کابل کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے ظلم سے بہت سی لوگ پریشان تھے، دونوں بھائیوں نے اپنے وطن کی طرف چلنے کی دل میں ٹھان لی اور اپنا تمام سامان وغیرہ باندھ بوندھ۔ سویرے ہی سے چل کھڑے ہوئے چلتے چلتے وہ ایک گاؤں کے پاس پہنچے۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ تڑاقے کی دھوپ پڑ رہی تھی پیاس سے ان کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ ایک طرف۔ دور۔ گاؤں کے سرے پر ان کو ایک جھونپڑی دکھائی دی تھوڑی ہی دیر میں وہ جھونپڑی کے قریب پہنچ گئے۔ جھونپڑی بہت پرانی تھی اور جگہ جگہ سے کھلی ہوئی تھی اور ایک چھوٹا سا دروازہ

لگا ہوا تھا اتنے میں ایک نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی کون ہے؟ اور دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھولنے والا ایک اندھا تھا۔ یہی اس جھونپڑی کا مالک تھا۔ اندھے نے کہا "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟" دونوں نے کہا "کابل سے آرہے ہیں پیاس کے مارے برا حال ہے"

"اندر آجاؤ" اندھے نے نرم لہجے میں کہا۔ دونوں اندر چلے گئے اور خوب سیر ہو کر پانی پیا اندھے نے پوچھا "اب تم کہاں جاؤ گے؟ اور کابل میں کیا لینے گئے تھے"۔ ایک قصائی نے جواب دیا "ہم دونوں کابل میں قصائی کی دکان کرتے ہیں۔ لیکن...... اب وہاں بہت گڑبڑ پھیلی ہوئی ہے اور بچہ سقا کے ظلم سے تمام لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔ اس لئے ہم بھی وہاں سے اپنی جان بچا کر چلے آئے"۔

اندھے نے کہا "اتنے روز کابل میں رہے کچھ کمایا بھی"؟ قصائی نے کہا "ہم نے کابل میں ۵۰۰ روپے کمائے تھے سو وہ بھی اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں تاکہ ان سے اپنے وطن میں کچھ روزگار کریں"۔

اندھے نے تعجب سے کہا:-

"۵۰۰ روپے؟"

ایک قصائی نے کہا "ہاں، ہاں ۵۰۰ روپے ہی کمائے تھے"۔

اندھے نے کہا "ذرا مجھ کو تو بتاؤ کہ ۵۰۰ روپیہ ہوتا کیسا ہے اور اس کا وزن کتنا ہوتا ہے۔ میں نے کبھی ۵۰۰ روپے نہیں دیکھے" دونوں قصائیوں نے کہا "اس میں ہمارا کیا حرج ہے۔ ہم بتلائے دیتے ہیں"۔

ایک قصائی نے جھٹ تھیلی کھول کر اندھے کے ہاتھ میں دے دی اور پیچھے سے خود پکڑے رہا۔ اندھے کے دل میں بے ایمانی آگئی۔ وہ زور سے چلا دیا۔ "لے دوڑو! لوگو دوڑو!! یہ چور میرا عمر بھر کا سرمایہ چھینے لئے جاتے ہیں۔ بے چارے قصائی اس

چوری اور سینہ زوری سے بہت گھبرائے اندھے کی چیخ پکار سن کر تمام گاؤں والے جھونپڑی میں جمع ہو گئے۔ قصائیوں نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ اندھے نے سب لوگوں سے کہا یہ مال میرا ہے اور یہ چرا کر بھاگنا چاہتے تھے۔ کہ میں نے انھیں پکڑ لیا۔ کوئی کہتا تھا یہ مال اندھے کا نہیں ہو سکتا۔ اندھے کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ کوئی بولا نہیں مجھ کو تو اندھے کا ہی معلوم ہوتا ہے اندھا سچ کہہ رہا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں اتنے میں تھانے دار اور سپاہی بھی آگئے۔ اندھے اور قصائیوں دونوں نے اپنی اپنی فریاد پیش کی۔

تھانے دار نے سپاہیوں سے کہا ان تینوں کو حراست میں لے لو۔ اور کابل میں بچہ سقا کے پاس لے چلو! اس زمانے میں کابل کا بادشاہ بچہ سقا تھا وہ بہت ظالم اور بے رحم تھا ہر شخص اس کے ظلم سے کانپتا تھا۔

بچہ سقا دربار میں بیٹھا ہوا ہے اور چاروں طرف سپاہی بندوقیں لیئے مؤدب کھڑے ہوئے ہیں۔ تینوں قیدی بچہ سقا کے سامنے لے جائے گئے

بچہ سقا نے پوچھا کیوں کیا معاملہ ہے؟ تھانے دار نے آگے بڑھ کر کہا حضور یہ دو قصائی اس اندھے کا روپیہ چرا کر لئے جاتے تھے کہ میں نے موقع پر پہنچ کر ان کو گرفتار کر لیا

بچہ سقا نے تینوں قیدیوں کو مخاطب کر کے کہا "تم لوگ سچ سچ بتا دو۔ ورنہ ........ سخت سزا دی جائے گی"

اندھا:۔ حضور میں نے ایک ایک پیسہ کر کے بڑی مشکلوں سے یہ روپے جمع کئے تھے۔ یہ دونوں قصائی مجھ کو لوٹ کر لئے جا رہے تھے ........ کہ پکڑے گئے

دونوں قصائیوں نے وہی حال جو تھانے دار سے کہا تھا بادشاہ سے کہہ دیا اور کہا حضور عالی روپیہ ہمارا ہے۔

بچہ سقانے کہا " اچھا روپیوں کی تھیلی کہاں ہے ؟ قصائی والے نے تھیلی پیش کردی۔ بچہ سقانے تھیلی کو بڑے غور سے دیکھا پھر اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ ایک کڑھاؤ میں پانی خوب گرم کیا جائے پانی جب خوب گرم ہو کر ابلنے لگا تو بچہ سقانے تھیلی کے تمام روپے اس گرم پانی کے کڑھاؤ میں ڈال دیے۔ تھوڑی ہی دیر میں پانی پر کچھ چکنائی اور شیرہ سا آکر جمع ہو گیا۔ بچہ سقا نے اس کو دیکھا اور پھر جلاد کو حکم دیا کہ اس اندھے کے دونوں ہاتھ فوراً قلم کر دیے جائیں کیونکہ یہ بہت چالاک اور شریر ہے روپیہ قصائیوں کا ہے ان روپیوں کو قصائی تھیلی میں جمع کرتے تھے تو چکنائی کے ہاتھ ان میں لگ جاتے تھے دیکھو یہ چکنائی جو روپیوں میں لگی تھی کڑھاؤ کی سطح پر آگئی ہے اگر اندھے کے روپے ہوتے تو چکنائی نہ ہوتی روپے قصائیوں کو واپس دے دیے گئے اور وہ بادشاہ کو دعائیں دیتے خوش خوش اپنے گھر چل دیے اندھے نے جیسا کیا تھا ویسا ہی اس کو پھل ملا اور ہاتھوں سے محروم ہو گیا

# لطیفہ

ملازم :- ایک صاحب مظفر خاں آپ سے ملنے آئے ہیں۔

آقا :- کون ہیں میں نہیں جانتا۔

ملازم :- بھوری بھوری مونچھیں ہیں اور بڑی سی ڈاڑھی۔ کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ اسکول میں پڑھتے تھے۔

آقا :- میں کسی ایسے لڑکے کے ساتھ اسکول میں نہیں پڑھتا تھا جس کی بھوری بھوری مونچھیں ہوں اور بڑی ڈاڑھی۔

# اچھّی چڑیاں

از حضرت وردؔ مدظلہٗ

یہ ہے کیسی اچھی چڑیا ؛ کس نے دیکھی ایسی چڑیا
چوں چوں کرتی پاس ہی آئی ؛ خوب ہی اپنے گیت سنائی
اچھا! گانا گائے جا تو ؛ تنکے چن کے لائے جا تو
بیٹھ بھی جا تو ہاتھ پہ آکر ؛ ڈر مت کھائے دانہ اٹھا کر
میرے گھر میں کیا ہی رہتی ؛ چوں چوں چوں چوں کیا ہی کہتی
کھائے دانہ ڈرتی کیوں ہی ؛ آخر چوں چوں کرتی کیوں ہی
بھولی بھولی تیری صورت ؛ گویا تو ہے گھر کی زینت

---

چوں چوں کرتا بچہ تیرا ؛ پر کو ہلاتا آیا بھوکا۔
ننھا منا تیرا بچہ ؛ دانہ کھلانے کو ہے پکڑا
چوں چوں چوں چوں غل ہی مچایا ؛ کیوں نہیں دانہ اس کو کھلایا
چھوڑ دیا ہے بچہ تیرا ؛ مطلب کیا ہے اچھا تیرا
سارا گھر ہے سر پہ اٹھاتی ؛ آخر کیوں ہے شور مچاتی
جھونجھ میں اپنا بچہ لے جا ؛ لے جائے جا اچھا لے جا

دانہ کھانے خود نہیں آتی ؛ اور ہے الٹا شور مچاتی
آ ہی گئی تو اُڑ کر آخر ؛ بیٹھ گئی تو ہاتھ پہ آخر
پانی پی لے دانہ کھالے ؛ طشت بھرا ہے خوب نہا لے
دُم کو اٹھاتی شاما آئی ؛ گیت سناتی شاما آئی
کون ہے بچو مینا لایا ؛ وہ خود آئی " میں نا لایا "
دیکھو بچو مینا کا سر ؛ بال ہیں کیسے اس کے سر پر
قدرتی جس پر کنگھا پھرا ہے ؛ سر میں گویا تیل لگا ہے

---

شاما! مینا! کچھ بھی خبر ہے ؛ چڑیا چڑیا کچھ بھی خبر ہے
تم سب اُڑ کر جھوبجھ میں جاؤ ؛ جان کی اپنی خیر مناؤ
دیکھو گھر میں آئی بلی ؛ چوہا بھاگا بھاگی رگلی

چھوٹے بچو! آؤ آؤ
درّو کی اچھی نظم سناؤ۔

---

# پانی

(ملخص)

پانی بھی اللہ میاں نے ہمارے لئے عجیب نعمت پیدا کی ہے۔ اس کی قدر تو اس وقت ہوتی ہے۔ جب خوب زور کی پیاس لگی ہو۔ اور حلق میں خشکی سے کانٹے پڑ گئے ہوں۔ ایسے میں تم کیا کروگے ؟ یہی کہ صاف، میٹھا اور ٹھنڈا پانی جی بھر کر پیوگے۔ تاکہ پیاس بجھ جائے۔ اور اچھی طرح تسکین حاصل ہو جائے۔ اب ذرا تصور تو کرو کہ ایسی سخت پیاس کی حالت میں تمھیں پانی نہ ملے تو تمھاری کیا حالت ہو ؟ ہم بغیر کھائے تو کچھ مدت تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ لیکن پانی پیئے بغیر زیادہ دیر تک جینا محال ہے۔ اسی لئے پانی ان چیزوں میں سے ہے جن پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے۔

دنیا میں تم جس جگہ بھی جاؤ تمھیں اکثر شہر، قصبے اور گاؤں ایسی جگہوں پر ملیں گے جہاں پینے کا پانی افراط سے ملتا ہو۔ پانی کا مسئلہ اُن کے سامنے سب سے پہلے آتا ہے اپنے اپنے بسنے کے لئے لوگ وہی جگہ منتخب کرتے ہیں جہاں انھیں میٹھا اور صاف پانی ملنے کا یقین ہو۔

شاید تمھارے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ پینے کا پانی آتا کہاں سے ہے معلوم نہیں تمھارے یہاں میونسپلٹی کی طرف سے نل لگے ہیں یا نہیں جن شہروں میں نل لگے ہیں وہاں تو یہ حالت ہے کہ ٹونٹی کھولی اور

پانی نکال لیا۔ اس کا کسی کو خیال ہی نہیں آتا کہ نل میں یہ کہاں سے آجاتا ہے لیکن ہندوستان میں ابھی تک بہت سے ایسے شہر اور قصبے ہیں جہاں نلوں کا انتظام نہیں گاؤوں کا تو ذکر ہی کیا ان جگہوں میں یا تو کنوئیں ہیں۔ یا بہت ترقی کی تو نل لگوا دئے۔ بعض جگہ مثلاً راجپوتانہ وغیرہ میں پانی کی بہت کمی ہے اور بعض مقامات پر تو پینے اور دوسرے ضروری کاموں کے لئے بارش کا پانی جمع کرکے رکھتے ہیں اور سال بھر تک کام میں لاتے ہیں

بہرحال پانی نل سے لیا جاتا ہو یا پمپ اور کنوئیں سے یہ سوال اب بھی باقی رہ جاتا ہے کہ ان چیزوں میں پانی کہاں سے آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر یہ بارش کی شکل میں آتا ہے۔ اس کے سوا برف اور اولوں بلکہ اس شبنم (اوس) کے ذریعے جو صبح کو سورج کی کرنوں سے ہیرے جواہرات کی طرح بڑی جگمگاتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہوا میں رطوبت اور نمی ہوتی ہے جسے ہم تم دیکھ نہیں سکتے۔ اس ہوا پر جب ٹھنڈ کا اثر ہوتا ہے اور جب یہ نیچے کی ہوا کے دباؤ سے بہت اوپر پہنچ جاتی ہے تو اس کی نمی بادلوں کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ اور بارش کے قطرے یا اولے اور برف بن کر نیچے گرتی ہے۔

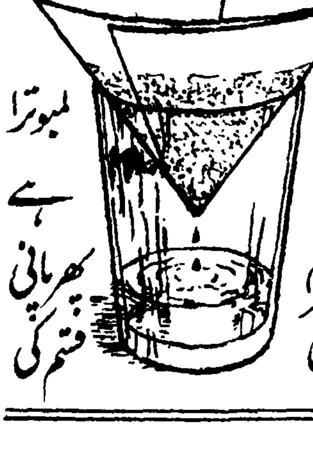
ہوا نمی کو مختلف صورتوں میں حاصل کرتی ہے۔ ہوائی طوفان اسے سمندروں سے جذب کرتے (چوستے) ہیں۔ اس طرح کہ اس کا نمک سمندر ہی میں رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ندیوں اور تالابوں سے دلدلوں اور جھیلوں سے اور بارش کے بعد سڑکوں مکانوں کی دیواروں۔ درخت کے پتوں اور گھاس سے اور ان کپڑوں سے جنھیں دھونے کے بعد سوکھنے کے لئے لٹکا دیا جاتا ہے۔ یہ اسی لئے سوکھتے ہیں کہ ہوا ان کی نمی کو جذب کر لیتی ہے یہاں تک کہ جب تم سانس باہر نکالتے ہو تو اس میں بھی نمی ہوتی ہے۔ تم نے کبھی غور کیا ہے کہ ریل کا انجن اسٹیشن سے روانگی کے وقت پھنکارے

ماڑ نا ہے تو اس کے دھوئیں کے بادل کتنی جلدی غائب ہو جاتے ہیں۔ اس دھوئیں میں بھی نمی ہوتی ہے۔ جیسے ہوا چوس لیتی ہے یہ نمی کچھ دیر تو ہماری نظروں سے اوجھل رہتی ہے پھر جب ہوا سرد ہو جاتی ہے تو یہ نمی بارش کے قطرے بن کر لاکھوں کروروں کی تعداد میں زمین پر گر کر مٹی میں جذب ہو جاتی ہے اور چشموں کو سیراب کرتی ہے چشموں کا پانی ندیوں اور دریاؤں میں پہنچتا ہے دریا سمندر میں گرتے ہیں جہاں سے سورج اور ہوائی طوفان ہوا کو نمی جذب کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

کنووں کا پانی اکثر صاف، میٹھا، ٹھنڈا، اور موتی کی طرح شفاف ہوتا ہے پینے میں بہت اچھا اور مزے دار دیہات میں تو صرف ان کنووں ہی سے پینے کا پانی حاصل ہوتا ہے۔

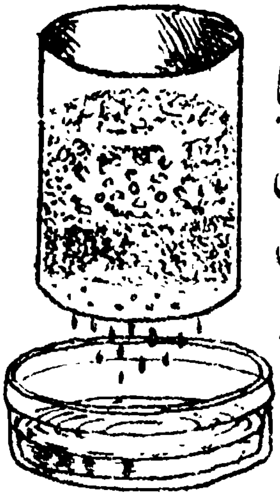
کنوئیں کا پانی وہی اچھا ہوتا ہے جو اگرچہ مختلف قسم کی گندگیوں اور غلاظتوں میں سے ہو کر گذرے۔ لیکن تہ میں جاکر ان تمام مضر چیزوں سے پاک صاف ہو جائے جو بیماری کا سبب بن سکتی ہیں۔ یہی وہ پانی ہے جو کنکر یا اسی قسم کی دوسری زمینی چیزوں کے بہت بڑے قدرتی فلٹر میں سے بہت آہستہ آہستہ گذر کر نیچے بیٹھتا ہے اور بالکل نتھر جاتا ہے۔ یہ قدرتی فلٹر ان تمام خرابیوں کو جو پانی میں زمین کی سطح پر پائی جاتی ہیں دور کر دیتا ہے۔ لیکن یہ فلٹر ہے کیا چیز؟ ایک سادہ سا اور چھوٹا سا فلٹر تو تم خود بھی آسانی سے بنا سکتے ہو۔ ایک اچھا سا بلاٹنگ پیپر (جاذب یا سوختہ) لے لو اسے موڑ کر اس طرح بنا لو جس طرح پنساری شکر یا کسی دوسری چیز کے لئے لمبوترا سا۔ لفافہ بناتا ہے (دیکھو تصویر نمبر ۱) پھر پانی رنگین کھریا یا اس قسم کی

(تصویر ۱)



کوئی پاک چیز ڈال کر اُسے خوب ہلاؤ یہاں تک کہ پانی خوب گندا اور گدلا معلوم ہونے لگے اور پینے کے قابل نہ رہے۔ اب یہ مڑا ہوا بلاٹنگ۔ گلاس یا اسی قسم کی کسی چیز کے منہ پر رکھ دو اور بہت آہستگی سے یہ گدلا پانی اس میں ڈال دو اور بلاٹنگ کے ذریعے نیچے رسنے دو۔ تھوڑی دیر میں بالکل صاف پانی گلاس میں جمع ہوجائے گا۔ اور جس چیز نے پانی کو گدلا کر دیا تھا وہ بلاٹنگ ہی میں رہ جائے گی۔

تم ریت کنکر اور پسے ہوئے کوئلے سے بھی فلٹر بنا سکتے ہو۔ ان میں سے کوئی چیز ایک ٹین میں بھر دو نیچے چھید کر دو اور اوپر پانی کے لئے جگہ رکھو۔ اب یہ گدلا اور خراب پانی آہستہ آہستہ ٹین میں ڈالو۔ ٹین کے نیچے ایک اور برتن رکھو تاکہ پانی آہستہ آہستہ رِس کر سوراخوں کے ذریعے اس نیچے کے برتن میں آتا رہے۔ یہ فلٹر زمین کے قدرتی فلٹر سے زیادہ مشابہ ہوگا



(تصویر نمبر ۲)

کنوئیں چکنی یا اسی قسم کی مٹی کی زمین میں بنانا چاہئیں جس میں سے پانی نہ گذر سکے۔ اگر ہم نے نرم زمین میں کنواں کھودا تو پانی زمین کی سطح پر جس حالت میں ہے اسی حالت میں تہ میں جمع ہوگا اور اس میں ہر قسم کی گندگی اور غلاظت کا اثر ہوگا۔ جس کی وجہ سے یہ پینے کے قابل نہ رہے گا۔ اسی لئے صرف اسی زمین میں کھدے ہوئے کنوؤں کا پانی استعمال کے قابل ہوگا جو قدرتی فلٹر کے ذریعے پانی کو تمام خراب چیزوں سے پاک و صاف کر دے لیکن ایسے کنوئیں کے پانی میں بھی خرابیاں ہوسکتی ہیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ایسی چیز پانی میں ملی ہو جو فلٹر ہوجانے پر بھی دور نہ ہوسکے مثلاً کسی بیماری کے جراثیم وغیرہ۔ اس صاف اور

شفاف پانی کی بھی احتیاط سے جانچ کرنی چاہیئے تاکہ اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ پاک صاف ہونے کے ساتھ مضر بھی نہیں ہے۔

دیہات میں عموماً کنوئیں میں پمپ لگواتے ہیں۔ پمپ کا کام بس اتنا ہے کہ وہ پانی کو اوپر اٹھاتا اور ٹونٹی کے ذریعے نکالتا ہے۔ یہ طریقہ اس سے کہیں آسان ہے کہ کنوئیں میں رسی کے ذریعے ڈول ڈالا اور پھر نکالا جائے۔ اس صورت میں صفائی اور پانی کی حفاظت بھی رہتی ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص کا ڈول صاف نہیں ہوتا۔

سب سے زیادہ خطرناک پانی تالاب کا ہوتا ہے۔ یہ پانی ابالے بغیر نہیں پینا چاہیئے۔ اور ابلا ہوا پانی پینے کے لئے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوتا۔ دریا کے پانی سے بھی خاص کر برسات کے زمانے میں احتیاط چاہیئے

# لطیفے

رشید :- تم بےکار پڑے پڑے تھکتے بھی نہیں؟
خورشید :- کیوں نہیں بہت تھک جاتا ہوں۔
رشید :- پھر اس وقت تم کیا کرتے ہو؟
خورشید :- میں اس وقت آرام کرتا ہوں۔

---

مولوی صاحب :- روزہ رکھنے سے جنت میں محل ملتا ہے۔
جاہل :- میں نے ایک دن صبح سے دوپہر تک روزہ رکھا تھا غالباً مجھے جھونپڑی ملے

# نامہ بر کبوتر

(از جناب چمن لال صاحب سیاح امریکا و جاپان)

(مترجمہ سید نصیر احمد صاحب بی۔ اے)

سنہ ۱۹۳۲ء میں میں نے پہلی دفعہ جاپان کا سفر کیا تھا۔ جب ہمارا جہاز یوکوہاما پہنچا تو اور بہت سے لوگوں کے علاوہ بندرگاہ پر کئی تصویر کھینچنے والے اور اخباروں کے نمائندے موجود تھے۔ تصویر کھینچنے والوں نے میری کئی تصویریں لیں اور اخبار کے نمائندوں نے مجھ سے بہت سے سوالات پوچھے اور شائع کرنے کے لئے میرا ایک بیان بھی لیا۔ پروانہ راہ داری دکھانے اور سامان کا محصول وغیرہ ادا کرنے میں مجھے کوئی دو گھنٹے لگ گئے اس تھوڑی سی مدت میں میرے بعض دوستوں نے ٹوکیو کے چند اخبار مجھے دئے جن میں میری تصویریں چھپی تھیں۔ اور بیان بھی شائع ہو تھا۔ یوکوہاما سے ٹوکیو بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ تصویریں کھینچنے والے اور اخبار کے نمائندے بھی ابھی تک وہیں موجود تھے اس لئے مجھے سخت تعجب تھا کہ اتنی جلدی میری تصویریں کیسے چھپ گئیں میں نے ٹوکیو کے ایک مشہور اخبار کے نائب مدیر مسٹر اشارہ سے پوچھا کہ کیا ان کے ہاں جن اور دیو ملازم ہیں اگر نہیں ہیں تو اتنی جلدی یہ کام کیسے ہوگیا انھوں نے ہنس کر کہا کہ جنوں اور دیوؤں کا اس زمانے میں کیا کام؟ اس کام کو کرنے والی خدا کی ایک چھوٹی سی مخلوق ہے یعنی کبوتر، جوں ہی تصویریں کھینچنے والوں نے

تصویریں اور اخبار کے نمائندوں نے بیان لے لیا تو تصویروں کی فلموں کو ایک چھوٹے سے ڈبے میں بند کر اسے کبوتروں کی ٹانگوں میں اور کاغذات کو اُن کی پشت پر باندھ دیا۔ اور وہ ان چیزوں کو ٹوکیو سے لے اُڑے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان کے ہاں کبوتروں کی ایک فوج ہے اور اگر میں چاہوں تو دیکھ سکتا ہوں۔ اس سال تو مجھے اس کا موقعہ نہ ملا لیکن سنہ ۱۹۳۳ء میں جب میں نے دوبارہ جاپان کا سفر کیا تو مسٹر اشارہ کی معیت میں ان کبوتروں کو بھی دیکھا جنھیں نامہ بر کبوتر کہتے ہیں۔

اگرچہ ایک کافی مدت سے جاپان میں نامہ بر کبوتروں کا رواج تھا لیکن اخبار والوں نے سب سے پہلے سنہ ۱۹۲۳ء میں ان سے اپنے مطلب کے کام لینے شروع کئے تھے ہوا یہ کہ اس سال جاپان کے ایک علاقہ کینٹو میں سخت زلزلہ آیا۔ آمد و رفت کے تمام ذرائع منقطع ہو گئے۔ اس موقع پر مصیبت زدہ علاقے کی خبریں اور لوگوں کے حالات معلوم کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا۔ یعنی "نامہ بر کبوتر" اگر یہ کبوتر نہ ہوتے تو اس علاقے کی خبریں ہی معلوم نہ ہو سکتیں۔ اور ان کی مصیبت میں اور اضافہ ہو جاتا۔ اخبار والوں نے نامہ بر کبوتروں کے یہ کارنامے دیکھ کر سوچا کہ کیوں نہ ان سے پیغامات پہنچانے اور اس قسم کے دوسرے کام لئے جائیں۔ چنانچہ آج کل جاپان کے ہر اخبار کے دفتر میں کئی ہزار کبوتر ہیں

پہلے پہل نامہ بر کبوتروں کا نظام باقاعدہ نہیں تھا ایک تو یہ زیادہ دور نہیں جا سکتے تھے یعنی فاصلہ کم ہوتا تھا اور دوسرے ان کے ذریعے صرف کاغذات ہی بھیجے جا سکتے تھے۔ لیکن ضرورت ایجاد کی ماں ہے اخبار والوں نے مختلف طریقوں سے کام لیا۔ اب نامہ بر کبوتر نہ صرف دور تک جا سکتے ہیں۔ بلکہ چھوٹے چھوٹے ڈبے اور فلمیں ایک جگہ سے دوسری جگہ

پہنچاتے ہیں جن جگہوں میں ریل گاڑیاں اور آمد و رفت کے ذرائع نہیں وہاں تو نامہ بر کبوتر ایک نعمت ہیں لیکن جہاں یہ تمام ذرائع موجود بھی ہوں ۔ وہاں بھی یہ بہت مفید کام کرتے ہیں ۔

ریل گاڑیاں تو ہر وقت چلتی نہیں اس لئے نامہ بر کبوتروں سے ہر جگہ اور ہر وقت کام لیا جا سکتا ہے ہوائی جہاز بیشک بہت کار آمد چیز ہے اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا جا رہا ہے ۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہوائی جہازوں کے اترنے کے لئے وسیع اور ہموار زمین ہونی چاہیئے اور ہر جگہ ایسی زمین ملنے سے رہی ۔ اس لیے ایسی جگہوں پر بھی کبوتر ہی کام دیتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ ان پر خرچ بھی بہت کم آتا ہے تار کے ذریعے اگرچہ خبریں جلدی پہنچ جاتی ہیں لیکن ان میں ہمیشہ غلطیوں کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ اس لئے ضروری خبر پہنچنے کا محفوظ ترین طریقہ کبوتر ہی ہیں ۔ پھر تار سے ہم نقشے وغیرہ نہیں بھیج سکتے لیکن نامہ بر کبوتر نقشے ، فلمیں وغیرہ سبھی کچھ پہنچا دیتے ہیں ۔ فلم بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ایک نلی سی بنا کر ایک ٹیوب میں رکھ دیتے ہیں ۔ اور اس ٹیوب کو کبوتر کی پشت پر باندھ دیتے ہیں ۔

جرمنی اور انگلستان میں تو یہ کوشش ہو رہی ہے کہ نامہ بر کبوتر تصویریں بھی لے سکیں اور وہ اس طرح کہ ان کے سینے پر خود بخود تصویر کھینچنے والا کیمرہ باندھ دیا جائے اور مختلف قسم کی تصویریں بھی اس میں آ جائیں ۔

بہر حال نامہ بر کبوتر بہت زیادہ مفید ہیں اور دوسرے ذرائع کی نسبت بہت سستے ۔ زمانۂ مستقبل میں ان کی اہمیت بہت بڑھ جائے گی ۔

# ٹکٹوں کی قسمیں

(از جناب محمد شمیم صاحب ۔ جامعی)

(۲)

**محصول تاخیر:** ۔ ہر شہر میں ڈاک خانے کے افسر اعلان کر دیتے ہیں کہ خط کو ڈاک میں ڈالنے کا آخری وقت کب تک ہے اگر تم کوئی ضروری خط وقت گذر جانے کے بعد بھیجنا چاہو تو تمھیں زیادہ محصول ادا کرنا ہوگا اس محصول کو ادا کرنے کے لئے یا تو خط بھیجنے والا ٹکٹ چپکا دیتا ہے یا ڈاک خانہ مکتوب الیہ سے وصول کر لیتا ہے۔ لیکن جمہوریہ کولمبیا میں اس مقصد کے لئے مخصوص ٹکٹ ملتے ہیں۔

**محصول عجلت (جلدی)** اکثر اوقات خطوط یا تار کو بہت جلد بھیجنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ایسے خطوط کو انگریزی میں اکسپریس لیٹر یا ٹیلیگرام کہتے ہیں ان کے لئے بھی فاضل محصول دینا ہوتا ہے ۔ ہندوستان میں ان کے لئے کوئی مخصوص ٹکٹ نہیں ہے لیکن سلطنت ہنگری (یورپ) میں اس کے لئے مخصوص ٹکٹ ہیں ۔ اس قسم کا ایک ٹکٹ ریاستہائے متحدہ امریکا میں ۱۰ سنٹ کا ہے ۔ جس پر "اسپیشل ڈیلیوری" لکھا ہوا ہے اس پر ایک ڈاکیے کی تصویر ہے جو موٹر سائیکل

پر سوار ہے۔

**ہوائی ڈاک ٹکٹ:۔** جب سے ہوائی جہازوں کے ذریعے ڈاک سے جانے کا انتظام ہوگیا ہے۔ اکثر ملکوں میں اس کے لئے مخصوص ٹکٹ تیار ہوئے ہیں اور ان ٹکٹوں میں اکثر و بیشتر ہوائی جہاز کی تصویر بنی ہوتی ہے ہندوستان میں بھی ۲۲ر اکتوبر ۱۹۲۹ء میں ہوائی ڈاک کے ٹکٹ جاری ہوئے تھے ان کا سائز موجودہ جوبلی ٹکٹوں کے برابر ہے ان میں ہوئی جہاز کی تصویر ہے اور ایک طرف جارج پنجم شاہ وقت کی تصویر ہے یہ ٹکٹ حسب ذیل قیمتوں کے ملتے ہیں

۲ر، ۳ر، ۴ر، ۶ر، ۸ر، ۱۲ار

سب ٹکٹوں میں تصویر ایک ہی ہے صرف رنگ کا فرق ہے

ایران کے ہوائی ڈاک کے ٹکٹ نہایت خوب صورت ہوتے ہیں۔

اب تک جن قسموں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تمام تر تعلق ڈاک خانے ہی سے ہے اب ہم چند ایسی قسموں کا ذکر کریں گے جس میں ضمنی مقاصد کا تعلق ڈاک خانے سے نہیں ہے

**یادگاری ٹکٹ:۔** اس قسم کے ٹکٹوں کا ذکر پیام تعلیم کے صفحات میں آچکا ہے۔

**اشتہاری ٹکٹ:۔** بعض ملکوں میں ٹکٹوں سے اشتہار کا کام لیا جانے لگا ہے یہ اشتہار کسی مخصوص کمپنی یا تاجر کے نہیں ہوتے۔ بلکہ خود حکومت اپنی دل چسپ عمارتوں یا تفریح گاہوں کا اشتہار کرتی ہے تاکہ سیاح اس ملک میں آئیں۔ اور ان عمارتوں کی سیر کریں یا خود اس ملک کے باشندوں کو اس بات کی دعوت دی جاتی ہے دوسرے ملکوں میں جانے سے پہلے خود اپنے ملک کی سیر کرو

غالباً یہی وجہ ہے کہ اب اکثر ممالک میں بادشاہ یا صدر جمہوریہ کی تصویر کے

بجائے دلچسپ مقامات، پرانی عمارتوں یا خوب صورت جانوروں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر "امریکن نیشنل پارکس" یا امریکا کی قومی تفریح گاہوں کے نام سے ریاستہائے متحدہ امریکا میں جو ٹکٹ ابھی تھوڑے دن ہوئے جاری ہوئے تھے ٹکٹ جمع کرنے والوں اور ملک میں اتنے پسند کئے گئے کہ دوسرے خوب صورت منظروں کی تصویریں بھی بہت جلد وہاں کے ٹکٹوں پر آنے والی ہیں۔ ہندوستان کے جوبلی ٹکٹوں سے اشتہاری مقصد بھی پورا ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا اقسام میں ٹکٹ کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ لیکن حسب ذیل قسموں میں ٹکٹ کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے امدادی ٹکٹ یا چیریٹی اسٹامپ ۔ حکومتوں نے امدادی چندہ وصول کرنے کی یہ ترکیب نکالی ہے کہ جب کسی رفاہ عام کے کام میں حکومت دلچسپی لیتی ہے تو چند خاص ٹکٹ "امدادی ٹکٹ" کے نام سے جاری کرتی ہے۔ ان ٹکٹوں کی اصل قیمت پر ایک مخصوص فاضل رقم بھی عائد کردی جاتی ہے اصل قیمت تو ڈاک خانہ لے لیتا ہے لیکن جو فاضل رقم وصول کی جاتی ہے وہ رفاہ عام کے کاموں میں دے دی جاتی ہے یہ ٹکٹ بہت خوب صورت تیار کئے جاتے ہیں۔ اور ان پر جو تصویریں ہوتی ہیں ان کا تعلق ان ہی کاموں سے ہوتا ہے۔ مثلاً ہسپتال یا سینٹوریم بنانے کے لئے ٹکٹ جاری کئے گئے ہیں۔ تو ان میں مریض یا نرس یا ہسپتال کی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ تھوڑے دن ہوئے ترکی میں نہایت خوب صورت امدادی ٹکٹ جاری ہوئے تھے نہایت موثر حلقوں سے تحریک کی گئی تھی کہ اب تک ہندوستان میں ایسے ٹکٹ نہیں

جاری ہوئے ہیں اور اس وقت مصیبت زدگان کوئٹہ کے امداد کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے یا تو حکومت نئے امدادی ٹکٹ جاری کرے یا موجودہ معمولی ٹکٹوں پر "کوئٹہ رلیف فنڈ" لکھ کر امدادی رقم وصول کرے۔ لیکن حکومت نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

وار ٹیکس یا محصول جنگ :- جنگ کے موقع پر اکثر ملکوں میں ٹکٹ کے ذریعے جنگ کے لئے عوام سے روپیہ لیا جاتا ہے۔ ایسے ٹکٹوں پر "وار ٹیکس" چھاپ دیا جاتا ہے اور اپنی اصل قیمت سے زیادہ پر فروخت کئے جاتے ہیں فاضل رقم جنگ پر خرچ کی جاتی ہے۔ کینیڈا مالٹا وغیرہ ملکوں میں اس طرح کے ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔

# کامیابی کے اصول

۱۔ وہ چیز جو حاصل نہیں ہو سکتی اس کی خواہش کرنا بے کار ہے
۲۔ تکلیف کے وقت ثابت قدم رہو۔
۳۔ جس کام کو شروع کرو اس کو پورا کر کے چھوڑو
۴۔ دوست کو قرض دینے کی بجائے بخشش دو۔
۵ قرض محبت کی قینچی ہے۔
۶۔ ناامید ہونا کم ظرفوں کا کام ہے۔
۷۔ خود شیر کی طرح شکار مارو۔ خود کھاؤ دوسروں کو کھلاؤ
۸۔ ہمیشہ خدا کو حاضر ناظر جان کر کام کیا کرو۔
۹ ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے پیش آیا کرو۔
۱۰ ہمیشہ جو کچھ سوچو۔ اپنی، اپنی قوم اور اپنے ملک کی بہبودی کے لئے سوچا کرو۔
۱۱ غریبوں کی مدد کرو۔
۱۲۔ جس حال میں ہو اسی حال میں خوش رہو۔
۱۳۔ مادر وطن کو آزاد کرو
۱۴ سچے دوست کی پہچان مصیبت کے وقت ہو سکتی ہے

(شیخ اسد)

# چاند کی سیر

از جناب غلام احمد صاحب ناصر لاہور

انگلستان کے سائنس دانوں نے سینما کی فلم (متحرک تصویروں) کے ذریعے چاند کے سفر کا دل چسپ نظارہ دکھایا ہے یہ سفر اس طرح شروع ہوتا ہے کہ زمین کے بسنے والوں نے ایک بہت بڑی ہوائی بنائی اس کے ایک خانے میں ریڈیم دھات رکھی اس دھات کی طاقت سے ہوائی نہایت تیزی کے ساتھ چاند کی طرف روانہ ہوگئی۔ پہلے پہل اس کی رفتار ایک سو چالیس میل فی منٹ تھی۔ یہ رفتار اتنی تیز تھی کہ اس کے سبب ہوائی زمین کی کشش کی حد سے باہر نکل گئی۔ جب ہوائی زمین سے روانہ ہوئی تھی تو اس میں ایک آدمی بہت موٹے گرم کپڑے پہن کر بیٹھ گیا۔ ہوائی میں رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان کافی تھا۔ جب ہوائی چھوٹی اور آسمان کی طرف روانہ ہوئی تو زمین پر رہنے والوں کے مکانات چند سیکنڈ میں نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ کچھ دور اور نکل جانے کے بعد زمین کا وہ رُخ جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی تھیں روشن دکھائی دینے لگا۔ گویا وہ ایک بہت بڑا چاند ہے جو سورج کی روشنی سے چمک

---

اس دل چسپ مضمون میں کچھ مشکل لفظ آگئے ہیں۔ مثلاً ہوائی، ریڈیم، زمین اور چاند کی کشش، کرۂ ہوائی۔ شاید ان کی وجہ سے مضمون سمجھنے میں تمھیں کچھ دقت ہو۔ اس لئے اپنے ماسٹر صاحب سے اس کے معنی پوچھ لو۔

رہا ہے ۔ یہ نظارہ نہایت دل فریب تھا۔

ہوائی فضا میں نہایت تیزی سے جا رہی تھی اس کے پیچھے ریڈیم کے شعلے نکل رہے تھے۔ زمین کا قد چھوٹا ہوتا چلا جا رہا تھا اور آسمان کا رنگ سیاہی مائل ہوتا جاتا تھا۔ چلتے چلتے ہوائی ایک ایسے نقطے پر پہنچی جہاں زمین کی کشش ختم اور چاند کی کشش شروع ہوئی تھی۔

جب ہوائی ایسے مقام پر پہنچی جہاں زمین کی کشش اتنی کم ہوگئی تھی کہ ہوائی کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی تھی۔ تو چاند کی کشش نے ہوائی کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا اب ہوائی کے مسافر نے ایک کل گھمائی جس سے ریڈیم کے انجن نے اپنا زور بجائے چاند کی طرف لگانے کے اس کی مخالف سمت لگانا شروع کیا ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوائی چاند پر اس زور سے گرتی کہ ریزہ ریزہ ہو جاتی۔

جب ہوائی چاند میں پہنچی تو کچھ دور لڑھکتی ہوئی چلی گئی اس کے بعد ٹھہر گئی چاند کا سیاح اس میں سے نکلا اور سیر کرنے لگا اس نے دیکھا کہ چاند کی سطح پر بہت سے جوالا مکھی (آتش فشاں) پہاڑوں کے منہ ہیں جو گول ہیں اور ان کے کنارے کھڑے ہیں بعض کافی گہرے اور چوڑے ہیں۔ وہاں اونچے اونچے پہاڑوں کے سلسلے ہیں۔ جن میں سے بعض بہت ہی بلند ہیں۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ چاند پر جب سورج نکلتا ہے تو یکایک بہت تیز روشنی پھیل جاتی ہے جب غروب ہوتا ہے تو فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ چاند کے گرد کرۂ ہوائی نہیں جو روشنی کو منتشر کرے اور پھیلائے۔ ہوائی کرے کے نہ ہونے کی وجہ سے چاند کی سطح پر گرمی اور سردی بھی بہت تیز تھی۔ وہ بتاتا ہے کہ چاند کے پہاڑ مردہ ہیں ان میں سے کسی میں سے بھی لاوا یا دھواں نہیں نکلتا۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ہمارا چاند ایک مردہ دنیا ہے وہاں پانی کے نشانات بھی موجود نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ہماری دنیا کی طرح کوئی آبادی نہیں۔

# غذا

(از جناب غلام طاہر صاحب صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ مکھیڑ ضلع ناندیڑ)

## (۳)

دوسرے پرند مثلاً بط اور ٹرکی وغیرہ انڈے اور گوشت کے لئے پالے جاتے ہیں۔ گوشت کی خاطر پرندوں کا شکار بھی کثرت کیا جاتا ہے۔ یوں تو یہ پرند ہر مقام پر کم و بیش پائے جاتے ہیں مگر آبی (پانی کے) پرند ناروے کے شمالی ساحل پر اور جنوبی امریکا میں ساحل چلی پر بعض اوقات اتنی تعداد میں نظر آتے ہیں کہ زمین نظر نہیں آتی خصوصاً بچے نکالنے کے موسم میں ہندوستان میں آبی پرند صرف موسم سرما میں نظر آتے ہیں یہ اُن سرد ممالک سے آتے ہیں جہاں سردی شدت کی پڑتی ہے۔ اور پانی منجمد ہو جاتا ہے (جم جاتا ہے) جاڑوں کا موسم گذار کر یہ پھر اپنے وطن کو واپس چلے جاتے ہیں۔ اور وہیں بچے نکالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ پرند ہم کو یہاں موسم سرما کے سوا نظر نہیں آتے۔

### مچھلی

مچھلی کے استعمال کا پتہ ہم کو عہد حجری[1] (پتھر کے عہد) میں بھی چلتا ہے۔ اس وقت کے لوگ تالابوں اور ندیوں میں سے مچھلیاں

---

[1] عہد حجری سے مراد وہ زمانہ ہے جب کہ لوگ دھاتوں کے استعمال سے ناواقف تھے اور پتھر کی چیزیں بنا کر اپنا کام کرتے تھے۔

پکڑ کر کھاتے تھے۔ اور اس کے کانٹے بطور سوئی کے استعمال کرتے تھے۔ کیوں کہ دھاتوں سے وہ ناواقف تھے اور کھالوں کی پوشاک بنانے کے لئے اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ جب تک کشتی رانی (کشتی چلانے یا کھینے) کا فن انسان نے نہ سیکھا تھا۔ سمندروں کی مچھلیاں نہیں حاصل کی جاسکتی تھیں جیساکہ موجودہ زمانے میں کروڑہا من کی مقداریں حاصل کی جاتی ہیں یوں تو ہر ملک کے ناوں اور ندیوں میں ان کا شکار کثرت سے ہوتا ہے۔ مگر بڑے تجارتی پیمانے پر سمندری میں ہوسکتا ہے، دریاؤں اور تالابوں میں بھی مچھلیاں سمندر ہی سے آتی ہیں یہ دریاؤں کے ذریعے آتی اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ تالابوں میں پھیل جاتی ہیں۔ مگر مخصوص قسم کی عمدہ مچھلیاں سمندر ہی میں ملتی ہیں۔ اس کا شکار اتھلے سمندر میں خوب ہوتا ہے۔ اگر تم دنیا کا قطوری نقشہ لے کر سمندروں کی گہرائی پر غور کرو تو تم کو نظر آئے گا کہ یورپ کے شمال کا سمندر جاپان کے اطراف کا سمندر، شمالی امریکا میں مغربی ساحل کے قریب کا سمندر اور مشرقی ساحل پر نیوفاؤنڈ لینڈ کے اطراف کا سمندر زیادہ گہرا نظر نہ آئے گا۔ یہ اصل میں براعظموں کے گویا چھجے ہیں جو اندر دھنس گئے اور ان پر پانی آگیا۔ اس لئے گہرائی زیادہ نہیں ہے۔ البتہ نیوفاونڈلینڈ کے اطراف کے علاقے کے اتھلا ہونے کا دوسرا سبب بھی ہے۔ یہاں شمال سے ایک سرد رو آتی ہے جس کے ساتھ برف کے بڑے بڑے تودے بہتے ہوئے آتے ہیں اور چوں کہ یہاں ایک گرم خلیجی رو بھی آتی ہے جس سے مل کر یہ برف کے تودے پگھل جاتے ہیں اور ان میں جو کچھ مٹی پتھر ہوتے ہیں۔ تہ نشین ہو جاتے ہیں اس طرح سینکڑوں ہزاروں سالوں میں سمندر کا بہت سا حصہ پٹ گیا اور گہرائی کم ہو گئی انھیں سمندروں میں بے شمار مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں اور جہاں ضرورت ہو بھیج دی جاتی ہیں۔ قریب کے مقامات پر تو تازی مچھلی پہنچ جاتی ہے اور دوسرے مقامات پر

# غذا

(از جناب غلام طاہر صاحب صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ مکھیڑ ضلع ناندیڑ)

## (۳)

دوسرے پرند مثلاً بط اور ٹرکی وغیرہ انڈے اور گوشت کے لئے پالے جاتے ہیں ۔ گوشت کی خاطر پرندوں کا شکار بھی بکثرت کیا جاتا ہے ۔ یوں تو یہ پرند ہر مقام پر کم و بیش پائے جاتے ہیں مگر آبی (پانی کے) پرند ناروے کے شمالی ساحل پر اور جنوبی امریکا میں ساحل چلی پر بعض اوقات اتنی تعداد میں نظر آتے ہیں کہ زمین نظر نہیں آتی خصوصاً بچے نکالنے کے موسم میں ہندوستان میں آبی پرند صرف موسم سرما میں نظر آتے ہیں یہ اُن سرد ممالک سے آتے ہیں جہاں سردی شدت کی پڑتی ہے ۔ اور پانی منجمد ہو جاتا ہے (جم جاتا ہے) جاڑوں کا موسم گذار کر یہ پھر اپنے وطن کو واپس چلے جاتے ہیں ۔ اور وہیں بچے نکالتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ پرند ہم کو یہاں موسم سرما کے سوا نظر نہیں آتے ۔

### مچھلی

مچھلی کے استعمال کا پتہ ہم کو عہد حجری[1] (پتھر کے عہد) میں بھی چلتا ہے ۔ اس وقت کے لوگ تالابوں اور ندیوں میں سے مچھلیاں

[1] عہد حجری سے مراد وہ زمانہ ہے جب کہ لوگ دھاتوں کے استعمال سے ناواقف تھے اور پتھر کی چیزیں بنا کر اپنا کام کرتے تھے ۔

پکڑ کر کھاتے تھے۔ اور اس کے کانٹے بطور سوئی کے استعمال کرتے تھے۔ کیوں کہ دھاتوں سے وہ ناواقف تھے اور کھالوں کی پوشاک بنانے کے لئے اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ جب تک کشتی رانی (کشتی چلانے یا کھینے) کا فن انسان نے نہ سیکھا تھا۔ سمندروں کی مچھلیاں نہیں حاصل کی جا سکتی تھیں جیسا کہ موجودہ زمانے میں کروڑہا من کی مقداریں حاصل کی جاتی ہیں یوں تو ہر ملک کے نالوں اور ندیوں میں ان کا شکار کیا جاتا ہے۔ مگر بڑے تجارتی پیمانے پر سمندری میں ہو سکتا ہے، دریاؤں اور تالابوں میں بھی مچھلیاں سمندر ہی سے آتی ہیں یہ دریاؤں کے ذریعے آتی اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ تالابوں میں پھیل جاتی ہیں۔ مگر مخصوص قسم کی عمدہ مچھلیاں سمندر ہی میں ملتی ہیں۔ اس کا شکار اتھلے سمندر میں خوب ہوتا ہے۔ اگر تم دنیا کا قطبوں کا نقشہ لے کر سمندروں کی گہرائی پر غور کرو تو تم کو نظر آئے گا کہ یورپ کے شمال کا سمندر جاپان کے اطراف کا سمندر، شمالی امریکا

میں مغربی ساحل کے قریب کا سمندر اور مشرقی ساحل پر نیوفاؤنڈ لینڈ کے اطراف کا سمندر زیادہ گہرا نظر نہ آئے گا۔ یہ اصل میں براعظموں کے گویا پشتے ہیں جو اندر دھنس گئے اور ان پر پانی آگیا۔ اس لئے گہرائی زیادہ نہیں ہے۔ البتہ نیوفاؤنڈلینڈ کے اطراف کے علاقے کے اتھلا ہونے کا دوسرا سبب بھی ہے۔ یہاں شمال سے ایک سرد رو آتی ہے جس کے ساتھ برف کے بڑے بڑے تودے بہتے ہوئے آتے ہیں اور چوں کہ یہاں ایک گرم خلیجی رو بھی آتی ہے جس سے مل کر یہ برف کے تودے پگھل جاتے ہیں اور ان میں جو کچھ مٹی پتھر ہوتے ہیں۔ تہ نشین ہو جاتے ہیں اس طرح سینکڑوں ہزاروں سالوں میں سمندر کا بہت سا حصہ پٹ گیا اور گہرائی کم ہو گئی انھیں سمندروں میں بے شمار مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں اور جہاں ضرورت ہوتی ہے بھیج دی جاتی ہیں۔ قریب کے مقامات پر تو تازی مچھلی پہنچ جاتی ہے اور دوسرے مقامات پر

برف میں رکھ کر یا رفریجریٹرز (سرد کن آلات) کے ذریعے پہنچائی جاتی ہے۔ ورنہ ڈبوں میں بند کرکے بھیجی جاتی ہے۔ جو عرصے تک محفوظ رہ سکتی ہے۔ ناروے کے شہر اسٹاوبجر سے ڈبوں کی مچھلی بہت باہر جاتی ہے ناروے کے شمال میں جزائر لفوٹن کے اطراف میں تو بعض اوقات ۵۴ ہزار کشتیاں ایک ہی وقت میں مصروف شکار نظر آتی ہیں۔ زیادہ تر سامن ساڈن۔ ہرنگ میکرل، اور اسپرٹ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ مگر لفوٹن کے اطراف میں مچھلی کا بھی شکار ہوتا ہے۔ جس کا تیل (کاڈ لیور آئل) ناروے کے بندرگاہ برگن سے دنیا بھر میں بھیجا جاتا ہے اور چوں کہ اس تیل میں حیاتین کی کافی مقدار ہوتی ہے اس لئے بطور دوا کے کمزور اشخاص کو دیتے ہیں خصوصاً ان اشخاص کو جن کا سینہ کمزور ہوتا ہے۔ غرض کہ مچھلی کے شکار میں لکھو کھا آدمی مصروف رہتے ہیں۔ اور کافی نفع حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ صرف جاپان میں تقریباً ۱۵ لاکھ آدمی یہ کام انجام دیتے ہیں ۵ لاکھ کشتیاں ماہی گیری کے لئے وقف ہیں اور سالانہ تقریباً ۳ کروڑ پونڈ کی قیمت کی مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ دیگر ممالک کا بھی تم اس سے اندازہ کرسکتے ہو۔ ہندوستان کے مغربی اور مشرقی ساحل پر بھی یہ اتھلا چھجا موجود ہے جہاں سمندر کی گہرائی زیادہ نہیں مگر یہ چھجا زیادہ وسیع نہیں ہے۔ یہاں بھی مچھلیوں کا شکار ہوتا ہے مگر قلیل پیمانے پر۔ لیکن اب کوشش کی جارہی ہے کہ مغربی ساحل کے سمندر کو وسیع پیمانے پر شکارگاہ بنایا جائے۔

نوٹ:۔ نباتی غذا کے متعلق آئندہ لکھا جائے گا۔

# برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے

(از عزیز احمد صاحب شوقیؔ عمر ۱۱ سال)

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک بے وقوف ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اور آپ سے کوئی بات پوچھی حضرت عیسیٰؑ نے نرمی سے اس کا جواب دیا۔ اس شخص نے نہ مانا اور لڑائی اور بے ادبی شروع کر دی۔ جیسے جیسے وہ سختی اور بے تمیزی سے پیش آتا تھا حضرت عیسیٰؑ نرمی اور رعایت سے کام لیتے تھے ایک شخص نے پوچھا اے حضرت آپ اس شخص سے کیوں دب رہے ہیں۔ وہ برابر زیادتی کر رہا ہے اور آپ اس کے ظلم وستم کے بدلے رحم و کرم فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا۔ اے عزیز دوست کیا تمھیں نہیں معلوم ہے۔

"برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے"

یعنی اس بے وقوف کے ظرف میں گندے الفاظ بھرے ہوئے ہیں اور میرے ظرف میں عمدہ عمدہ۔ اس لئے اس کے منہ سے برے الفاظ نکل رہے ہیں اور میرے منہ سے اچھے۔

(ترجمہ فارسی)

# گھر جانے کی خوشی!

از محمد شعیب الرحمٰن طالب علم درجہ چہارم تعلیمی مرکز نمبر ا

ہمارا امتحان ختم ہو گیا۔ نتیجہ بھی سنا دیا گیا۔ بڑی چھٹیوں میں صرف تین دن رہ گئے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک خوش نظر آ رہا ہے۔ لڑکوں کو تو ایسے کا ہر وقت انتظار رہتا ہے جہاں منی آرڈر آیا اور لڑکوں نے ماسٹر صاحب سے جا کر پوچھا کہ ماسٹر صاحب آج ہم شہر جا رہے ہیں اپنے بھائی بہنوں کے لئے چیزیں خرید کر لائیں گے۔ ماسٹر صاحب کے پاس ہر وقت جمگھٹا سا رہتا ہے۔ ہر ایک ماسٹر صاحب سے قسم قسم کی باتیں پوچھتا ہے۔ لیجئے خدا خدا کر کے وہ دن بھی آ گیا جس دن سے چھٹیاں شروع ہوئی ہیں۔ کسی کمرے میں جائیے بستر بندھے ہیں اور گھر جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں نوکر سے تانگے منگوائے جا رہے ہیں اور اس سے تاکید کی جا رہی ہے کہ اچھا سا دیکھ کر لانا۔ تانگہ آیا تو اسباب رکھا اور سیدھے اسٹیشن پر۔ ماسٹر صاحب بھی ساتھ ہیں۔ کسی لڑکے نے کہا ماسٹر صاحب! میرا لوٹا چھوٹ گیا ماسٹر صاحب بہت جھنجھلائے مگر اس وقت کر ہی کیا سکتے تھے خفا ہو کر کہنے لگے بے وقوف تم اب یاد دلا رہے ہو اچھا چھٹیوں کے بعد مل جائے گا۔ چلئے صاحب ریل میں بیٹھے اور ذرا سی دیر میں گارڈ نے فر فر سیٹی بجائی ریل نے بھی ایک سیٹی دی گارڈ نے ہری جھنڈی دکھائی اور ریل آگے بڑھی۔

دوسرے دن ہماری لڑکوں کا قافلہ جا رہا ہے۔ کہیں بمبئی گجرات کے لڑکے تانگے میں سوار نظر آتے ہیں۔ گھر پہنچ کر کبڈی کی رونق، کرکٹ کی دھوم دھام اور بورڈنگ اور اپنے مدرسے کا حال سنایا اور جتنی شکایتیں تھیں وہ بھی کر لیں، اور مئی تک سب لڑکے چلے گئے ہم بھی گھر پہنچ گئے خدا معلوم ہمارے بورڈنگ کا کیا حال ہو گا ایک سناٹا سا چھایا ہو گا





# جھوٹ کی سزا

(از یوسف علی خاں اسد پربھنی)

ایک اونٹ، دنبہ اور بیل تینوں اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں انھیں تھوڑی سی گھاس ملی۔ دنبہ نے کہا کہ اگر ہم اس کے حصے بانٹیں تو ہر ایک کا حصہ اس قدر کم ہوگا کہ پیٹ کسی طرح نہیں بھر سکیں گے۔ اس لئے جس کی عمر سب سے زیادہ ہو وہی گھاس لے لے۔ اب سب اپنی اپنی عمر بتاؤ، تاکہ سب سے زیادہ عمر والا گھاس کا مستحق ہو۔ اور باقی دو صبر کریں۔ جب دنبے نے دیکھا کہ باقی دونوں ساتھی راضی ہیں تو کہا کہ میں اس دنبے کے زمانے کا ہوں جسے ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا۔ بیل نے کہا میری عمر تم سے بھی زیادہ ہے۔ میں اس بیل کا ساتھی ہوں جس سے حضرت آدم علیہ السلام نے ہل چلایا۔ اونٹ اپنے ساتھیوں کی جھوٹی بات سن کر رہ گیا۔ لیکن اس نے سر نیچا کر لیا اور گھاس منہ میں لے کر سر اوپر اٹھا لیا اور یہ کہہ کر کہ میں تم سے بڑا ہوں اس لئے میری عمر تم سب سے کم نہیں ہو سکتی کھا گیا۔ اور دونوں اس کا منہ تکتے رہ گئے۔

# سائنس کے شعبدے

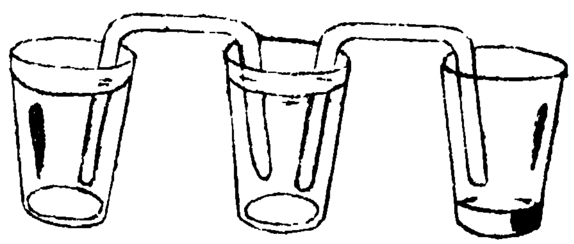
(غلام احمد صاحب ناصر)

(۱)



یکساں لمبائی کے دھاگے سے ایک چمچہ باندھو اور دھاگے کے سروں کو شہادت کی انگلی میں لپیٹ کر دونوں کانوں میں ٹھونس لو۔ اب چمچے کو کرسی یا دوسری چیز سے چھوؤ گے تو تمھیں عجیب قسم کا راگ سنائی دے گا۔

(۲)



شیشے کے تین گلاس لو۔ اور ان میں شیشے کی دو نالیاں اس شکل کی لو (شکل نمبر ۲) دو گلاس پانی سے بھر دو۔ اگر ان میں سے ایک گلاس اونچا اٹھاؤ گے تو پانی نالیوں میں سے ہوتا ہوا تیسرے گلاس میں پہنچے گا۔

(۳)



دیا سلائی میں پن گاڑ کر کارک میں گاڑ دو اور کارک کو خشک بوتل میں کس کر لگا دو اس دیا سلائی پر آتشی شیشے کے ذریعے سورج کی کرنیں ڈالو۔ تھوڑی دیر میں کارک دھماکے کے ساتھ دور جا پڑے گی

# معلومات

جرمنی کے سائنس جاننے والوں نے ایک ایسی بندوق ایجاد کی ہے جس میں پانچ گردش کرنے والی نالیں ہیں۔ اور ایک گھنٹے میں ایک ہزار گولیاں چلا سکتی ہے۔

---

اسی طرح بندوق کی گولی ایجاد کی ہے یہ گولی ۲ انچ موٹی زرہ کو آسانی سے پار کر سکتی ہے۔

---

ایک مشین ایجاد کی ہے جو تقریباً ۹ سیر وزنی ہے اور ایک ہی آدمی اسے بخوبی اٹھا اور چلا سکتا ہے۔ یہ ایک سیکنڈ میں ۴۰۰ فیر کرتی ہے۔

---

امریکا میں دیسی اور غیر ملکی آلوؤں کے ملانے سے سرخ، زرد، اور ارغوانی رنگ کے آلو تیار کئے گئے ہیں

---

امریکا کا نام "امریکا" اس لئے پڑا کہ یہ "مایوی" زبان کے ایک لفظ "امیرسس کن" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں چمکتا ہوا سورج۔

---

روس میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کے دماغ نہیں تھا یہ سولہ گھنٹے تک زندہ رہا۔

---

پچھلے دنوں روس میں سورج کی کرنوں سے حمام گرم کرنے اور کھانا پکانے کے متعلق تجربے کئے جا چکے ہیں۔ اب

کیلی فورنیا کے ایک ڈاکٹر نے ایسا چولہا ایجاد کیا ہے جس پر سورج کی کرنوں کے ذریعے کھانا پکتا ہے اس اسٹو (چولھے) میں ایک آئینہ لگا ہوا ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں۔ ان کرنوں سے اتنی گرمی پیدا ہو جاتی ہے کہ کھانا پکایا جا سکتا ہے یہ گرمی دوسرے دن تک رہتی ہے یہاں تک کہ صبح کے وقت انڈا اُبالا جا سکتا ہے۔

---

پرانے زمانے میں کئی ملکوں میں جوڑوں میں درد کا علاج اس طرح کیا جاتا تھا کہ بہت سی مکھیاں جمع کر کے مریض کے آس پاس منڈلانے کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب وہ اسے کاٹتی تھیں تو مرض میں کمی ہو جاتی تھی اب جرمنی کے ایک کارخانے میں کئی لڑکیاں اس غرض کے لئے نوکر رکھی گئیں ہیں کہ برقعہ پہن کر شہد کی مکھیوں کے ڈنک سے زہر نکالیں اس طرح روزانہ نوے ہزار مکھیوں کے ڈنک سے زہر نکالا جاتا ہے اس زہر سے ایک قسم کا مرہم تیار کیا جاتا ہے جو مریضوں کے کام آتا ہے۔

---

غوطہ خوروں کے لئے ایک نیا لباس ایجاد ہوا ہے جس کی بدولت گہرے سمندروں کی تہ تک پہنچنے اور وہاں صحیح سلامت رہنے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ لباس میں ربر اور فولاد استعمال کیا گیا ہے اس کے ساتھ بجلی کے تین بڑے لیمپ لگائے گئے ہیں۔ ربر کے بازو اندر سے خالی ہوتے ہیں اور ان کے آگے فولاد لگایا جاتا ہے ایک لیمپ لباس کی چوٹی پر لگایا جاتا ہے اور باقیوں میں سے ہر ایک ہاتھ کے ساتھ لگایا جاتا ہے علاوہ

س کے ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ غوطہ خور کو ربر کی نالیوں کے ذریعے ہوا لینے کی ضرورت نہ رہے گی لباس میں ٹیلیفون بھی ہے جس کے ذریعے وہ کشتی یا جہاز پر سوار لوگوں سے بات چیت کرسکتا ہے۔

---

ایک ایسی مشین ایجاد کی گئی ہے جس کے ذریعے تاجر اور بیوپاری لوگ اپنی دکان یا کوٹھی میں بیٹھے بیٹھے دوسرے ملکوں کے بھاؤ معلوم کرسکتے ہیں۔

---

ایک نئے قسم کا موٹر ایجاد ہوا ہے جو سمندر میں بھی اس طرح چل سکتا ہے جس طرح خشکی پر اس موٹر کار کے پہیئے فولاد کے بنائے گئے ہیں اور ان کو اندر سے کھوکھلا رکھا گیا ہے۔ جب ڈرائیور اپنے موٹر کو موٹر لوٹ۔ (دخانی کشتی) بنانا چاہتا ہے تو اسے صرف اتنا کرنا پڑتا ہے کہ اپنی موٹر کے ساتھ کھوکھلے پہیئے لگالے باقی سب پرزے بدستور رہنے دے۔ موجد (ایجاد کرنے والے) کا دعویٰ ہے کہ خواہ کتنا ہی تیز چلایا جائے پانی کا ایک قطرہ بھی اندر داخل نہ ہوگا۔

---

ایک مشہور ڈاکٹر نے بڑی تحقیق کے بعد دریافت کیا ہے کہ کپڑوں کو آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے انھیں۔ پانچ منٹ تک المونیم فاسفیٹ کے مرکب میں بھگو دیا جائے تو ان پر آگ اثر نہیں کرتی لیکن کپڑے دھوئے جائیں تو دوا کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اس لئے ہر دھلائی کے بعد کپڑوں کو اس مرکب میں ڈبونا ضروری ہے۔

---

ایک امریکن ڈاکٹر نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس کی مدد سے بہرے بھی سن سکیں گے اس آلے کو کان کے پیچھے لگایا جاتا ہے

---

انگلینڈ میں پچھلے دنوں ایک اہم چیز ایجاد کی گئی ہے اور وہ یہ کہ برطانیہ کے کاریگروں نے شیشے کے ایسے تار بنائے ہیں جو ریشم کی طرح نظر آتے ہیں اور "شیشے کا ریشم" کہلاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ٹوٹی ہوئی بوتل سے کئی میل لمبا تار بن سکتا ہے۔ جو موٹائی میں انچ کے ہزارویں حصے سے بھی چھوٹا ہے۔ آج کل اس تار سے بہت مفید کام لئے جاتے ہیں۔

---

امریکا میں ایک موٹر ایجاد ہوئی ہے جو سورج کی کرنوں کے ذریعے چلتی ہے پچھلے دنوں اس کے موجد نے ایک بہت بڑے مجمع میں اسے چلا کر دکھایا ہے اس موٹر کے نیچے ایک طشتری سی بنی ہوئی ہے اس کے اوپر چار گیندیں سی ہیں جب اس پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو وہ چلنے لگتی ہے

---

یورپ کی عورتوں کے ایک کلب کی طرف سے اس بات کی لوگوں کو تعلیم دی جارہی ہے کہ ہر گھر میں بچوں کے کھیلنے کے لئے جگہ بنائی جائے تاکہ وہ دھوپ اور روشنی اچھی طرح حاصل کرسکیں اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے خاص قسم کے پنجرے تیار کئے گئے ہیں جن میں انھیں بٹھا کر کھڑکیوں سے لٹکا دیا جاتا ہے تاکہ وہ باہر کی روشنی اور ہوا کا لطف اٹھا سکیں۔

# خط کتابت

مکرمی تسلیم۔ میں ریاست حیدرآباد کے نئے ٹکٹ (جن پر ۱۳۴۹ف لکھا ہوتا ہے) کافی تعداد میں خریدنا چاہتا ہوں۔ جو صاحب بیچنا چاہیں وہ ٹکٹوں کی تعداد اور کم سے کم قیمت سے جو وہ قبول کرسکتے ہیں مطلع فرمائیں۔ صرف وہی بھائی خط لکھنے کی تکلیف گوارا کریں جن کے پاس کم سے کم تین سو ٹکٹ مختلف قیمتوں کے بہترین حالت میں ہوں۔ خط کتابت اس پتے پر۔ سید محمد شمیم جامی ڈاک خانہ ڈسنہ ضلع پٹنہ۔

---

ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ میں نے جنوری ۱۹۳۵ء سے ٹکٹ جمع کرنا شروع کئے ہیں۔ شمیم صاحب کا مضمون دیکھ کر یہ شوق پیدا ہوا ہے۔ اس سے پہلے ہمیں معلوم نہ تھا کہ مہر لگے ہوئے ٹکٹ بھی کارآمد ہوتے ہیں۔ ہم ان ٹکٹوں کو برباد کردیتے تھے۔ اب میرے پاس اتنے ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں کہ بیرون ہند، ہندوستانی ریاستوں اور نئی دہلی کے افتتاحی ٹکٹوں سے مبادلہ کرسکتا ہوں۔ میرے پاس نئی دہلی کے سب ٹکٹ ہیں۔ صرف ۲۰ ر ۱ ر ۳۰ ر کے ٹکٹ نہیں ہیں جن بھائی کے پاس زیادہ ہوں مجھے دوسرے ٹکٹوں کے بدلے میں بھیج دیں تو انھیں بہت اچھے اچھے ٹکٹ بھیج دیں گے۔ میرا پتہ :- عزیز احمد معرفت عبدالباقی صاحب سب انسپکٹر آف اسکولز صدر اینسٹ سرکل اعظم گڑھ گیا۔

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ مہربانی فرما کر اطلاع دیجئے کہ قیمتی ٹکٹ کہاں ملتے ہیں (فقط خریدار ۱۹۹۰ لکھنؤ (شاد کمپنی احاطہ خام لکھنؤ یا نیشنل اسٹامپ کمپنی بانکی پور سے خط کتابت کیجئے ایڈیٹر)

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ مہربانی فرماکر بھوپال، حیدرآباد، ایران، افغانستان کے ٹکٹ زیادہ ہوں تو روانہ کریں اگر آپ کے پاس نہ ہوں تو کہاں ملیں گے۔ جی یعقوب خاں بی۔ اے۔ ایل ٹی ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی اسکول ایرایم (میرے پاس ختم ہوگئے، مندرجہ بالا دکانوں سے خط کتابت کیجئے ایڈیٹر)۔

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ میرے پاس حیدرآباد کے ٹکٹوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے ذرا یہ بتائیے کہ دیسی ریاستوں کے ٹکٹ کہاں مل سکتے ہیں۔ میں ٹکٹوں کا مبادلہ بھی کرتا ہوں۔ عبدالخالق

---

مکرمی تسلیم۔ نمبر کا رسالہ ملا۔ ماشاءاللہ مجموعی حیثیت سے روبہ ترقی ہے۔ مضامین بلند پایہ، کاغذ عمدہ کتابت اعلیٰ۔ یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہے کہ کون سا مضمون اچھا ہے کون سا برا۔ مضامین کا انتخاب کچھ ایسا ہے کہ ہر مضمون میں دلچسپی ضرور ہوتی ہے۔ ٹکٹوں والے مضامین نے ٹکٹ جمع کرنے والوں کی تعداد میں خوب اضافہ کیا اور یہ شوق عام ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں میرے پاس بھی کئی خطوط آئے ہیں۔ حتی المقدور جواب بھی دے گئے۔ میں بھی اب بہت عرصے سے ٹکٹ جمع کر رہا ہوں۔ اب تک دس ہزار ٹکٹ جمع ہوچکے ہیں۔ آپ کے پاس افغانستان کے کچھ ٹکٹ ہوں تو ارسال فرمائیے۔ اس کے بدلے میں، میں دوگنے انگریزی ٹکٹ بھیج دوں گا۔ خاکسار ناطق اسکاؤٹ ماسٹر چھیپی ٹولہ میونسپل اردو اسکول بمبئی ۱۱

---

مکرمی تسلیم۔ میرے پاس ٹکٹوں کے مبادلے اور فروخت کے لئے ان صاحبوں کے خطوط آئے ہیں۔

۱۔ سید محمد موسیٰ قادری اردو ہلہ (؟) بالمقابل ۱۱۳۴۰ حیدرآباد دکن ۲۔ محمد افضل قریشی میاں ۔ ۔ گیٹ گوجرانوالہ۔ ۳۔ رامیشور دیال ماتھر، مرد سنا ہنشاہی چاندنی چوک دہلی۔ ۴۔ محمد رشید احمد کوٹ تیلیاں سنگلہ۔ ۵۔ محمد یوسف علی خاں اسٹیمر بوٹ ہاؤس پربھنی ۔ ۶۔ ۔ محمد اکبر علی خاں درجہ ششم مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۔ ۷۔ سید سلطان احمد رشیدی پورہ قرول باغ نئی دہلی ۔ ۸۔ ظہیر احمد خیر نگر گیٹ میرٹھ ۔ ۹۔ سمت گروسرن ۔ حیرا خانہ میرٹھ شہر ۔ ۱۰۔ صلاح الدین احمد جماعت ہفتم چار منار حیدرآباد دکن۔

میں ان کی اور دوسرے بھائیوں کی خدمت میں یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ میرا خیال مبادلے کا نہیں ہے بلکہ میں سب ٹکٹ فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے آئندہ جو صاحب بھی خط کتابت فرمائیں اسی ارادے سے فرمائیں۔

سید منیر احمد شیرازی قرول باغ دہلی۔

---

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا

بہت شوق ہے ابھی تھوڑے سے ملکوں کے ٹکٹ جمع ہو پائے ہیں۔ آپ کے پاس مصر، عرب، یمن کے ٹکٹ ہوں تو مہربانی فرما کر کچھ روانہ فرمائیے مجھے اگست کے پرچے میں ہیلیوں۔ الا مضمون بہت پسند آیا۔
مرزا محسن علی۔ برور دیو۔ الموڑہ

---

کرمی تسلیم۔ مجھے ایسے بھائیوں کے پتوں کی ضرورت ہے جو جرمن، جاپان، فرانس، انگلینڈ، وغیرہ کے ٹکٹوں کے بدلے میں حیدرآباد کے ٹکٹ دے سکیں۔ میں آپ کا بہت احسان مند ہوں گا اگر آپ ایسے بھائیوں کے پتے روانہ کریں گے۔ خاکسار۔ محمد یونس معرفت ایس ام سعید پوسٹ بکس نمبر ۲۰۱۲، کلکتہ۔ (آپ پیام تعلیم کے پچھلے پرچے دیکھئے آپ کو بہت سے زیادہ پتے مل جائیں گے۔ ایڈیٹر)۔

---

کرمی تسلیم۔ میرے پاس تقریباً تین ہزار سے کچھ زیادہ ٹکٹ ہیں۔ یہ ٹکٹ انگلستان، جاپان، سیلون، جرمنی، ہندوستان اور امریکہ کے ملکوں کے ہیں۔ میں ان ٹکٹوں کا فرانس، زنجبار، مصر، یمن، افغانستان، ایران، عراق، فلسطین، اٹلی، پرتگال اور نئی دلی کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ابا جان کے پاس سب ملکوں سے خط آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے میں آسانی سے ٹکٹ جمع کر سکتا ہوں جو صاحب اوپر لکھے ہوئے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہیں میں انشاء اللہ ان کے پاس اپنے اچھے ٹکٹ بھیجوں گا۔ فقط۔ محمد ریاض الدین پراچہ طالب علم جماعت چہارم مدارس۔

---

کرمی تسلیم۔ مہربانی فرما کر دوسرے ملکوں کے ٹکٹ مجھے بھی بھیج دیا کیجئے۔ آپ کے پاس تو بہت سے ٹکٹ آتے رہتے ہوں گے آپ کے سعید انصاری صاحب امریکہ میں ہیں اور امتیاز حسین صاحب انگلستان گئے ہوئے ہیں یہ تو آپ کے پرانے دوست ہیں ان سے بھی ٹکٹ منگوایا کیجئے۔ تاسیس نمبر کی تیاریاں بہت زور شور سے ہو رہی ہوں گی۔ خدا آپ کی محنت ٹھکانے لگائے اور یہ نمبر پچھلے سال سے بھی ہزار درجہ بہتر نکلے۔ خاکسار سعید راشد الخیری دہلی۔

---

کرمی تسلیم۔ مجھے سلور جوبلی کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے اور میں ۲ سینکڑہ کے حساب سے خریدنے کو تیار ہوں۔ ٹکٹ پھٹے ہوئے اور ان کے کنگورے کٹے ہوئے نہ ہوں علاوہ اس کے ٹکٹ مڑے ہوئے نہ ہوں اور ڈاکخانہ کی مہر سے اُن کا چہرہ بھی نہ چھپ گیا ہو۔
خاکسار احمد عبدالخالق محلہ جدید نامپلی مکان نمبر ۹، حیدرآباد دکن۔

---

کرمی تسلیم۔ پیام تعلیم کے بارے میں۔ میری یہ رائے ہے کہ اس میں تاریخ و جغرافیہ کے مضمون ضرور ہوا کریں۔ نئی نئی ایجادوں سے ہمیں واقف کیا جائے۔ خصوصاً ہوائی جہاز اسٹیمر اور وائرلیس پر مضمون بہت دلچسپ ہوں گے۔ کہانیاں دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں۔ بلاک کی رنگین تصویریں بھی ہوں۔ اور آخر میں یہ کہ رسالہ وقت کی پابندی سے شائع ہو۔ خاکسار احمد طارق عمر ابن ڈاکٹر اسلم عمر گونڈہ۔

---

کرمی تسلیم۔ مجھے ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ اگر کوئی صاحب دیسی ریاستوں اور دوسرے ملکوں اور سلور جوبلی کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہیں تو مجھے خط لکھیں میرے پاس حیدرآباد کے ٹکٹ بہت سے ہیں۔ ابو محمد معرفت حبیب اینڈ کو اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد دکن۔

---

کرمی تسلیم۔ جولائی سے ستمبر تک کے پرچوں میں میں نے پیام بھائیوں کے تمام خطوط پڑھ ڈالے لیکن کسی بھائی نے یہ نہیں لکھا کہ پیام تعلیم میں مذہبی مضمون بھی ہونے چاہئیں ویسے ہر طرح کے مضامین کے لئے انھوں نے اپنی خواہش ظاہر کی اس لئے آپ سے میری درخواست ہے کہ کم سے کم تاسیس نمبر میں۔ کوئی اس قسم کا مضمون ضرور ہونا چاہیئے۔ رسالے میں نظمیں بھی ہونا چاہئیں بغیر نظموں کے کچھ لطف نہیں رہتا ہے۔ میں احمد حسن صاحب فتح گڑھ کی اس رائے کی تائید کرتا ہوں کہ رسالہ مہینے میں دو بار نکلا کرے۔ اگر آپ یہ خیال کریں کہ اس میں خرچ زیادہ ہوگا تو آپ نے خود لکھا ہے کہ پیام تعلیم کے سالانہ چندے میں کمی کر دی جائے گی۔ میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سالانہ چندہ اتنا ہی رہے اور یہ پرچہ مہینے میں دو بار شائع ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوسرے پیام بھائی بھی میرے خیال کی تائید کریں گے فقط والسلام۔
آفتاب احمد مینہ کالیجیٹ اسکول۔

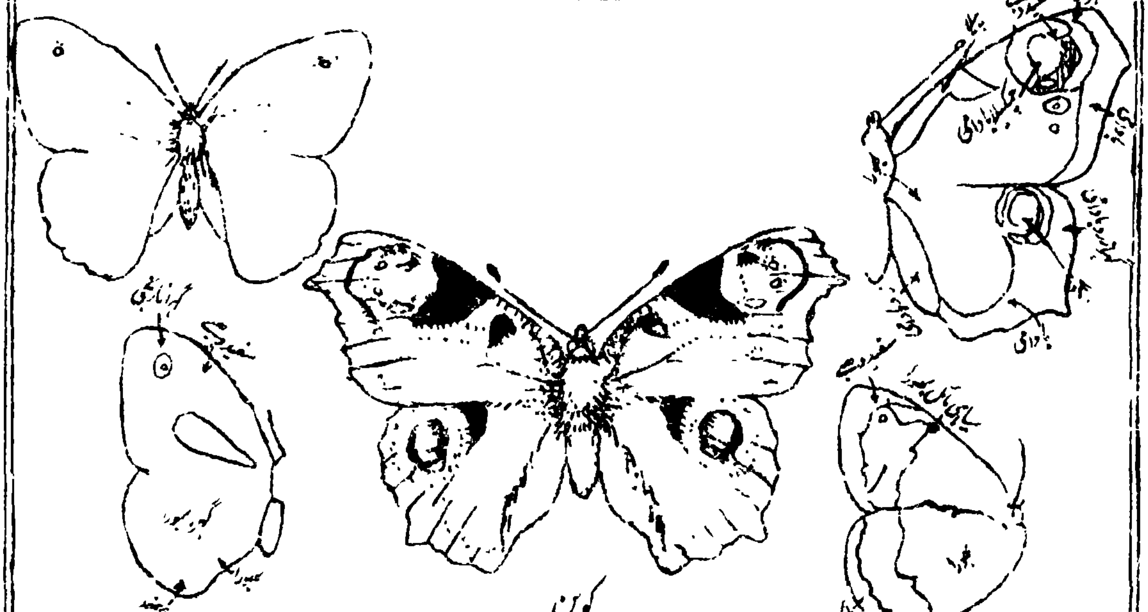
---

کرمی تسلیم۔ پیام تعلیم، کی ہر دلعزیزی کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس کی اشاعت دن بدن ترقی پر ہے، اگر اسے پندرہ روزہ کر دیا جائے تو اس کی اشاعت اور بھی بڑھ جائے گی۔ اور یہ بچوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکے گا۔ پروفیسر عطاء اللہ صاحب کی کہانیوں۔ قمر صاحب کی نظموں اور جناب شمیم صاحب کے مضامین کو بچے بہت پسند کرتے ہیں۔
خاکسار
محمد یوسف سیالکوٹی متعلم نیشنل مسلم اسکول احمد پور شرقی ریاست بھاولپور

# رنگ بھرنے کی تصویر

اس مرتبہ ہم نے رنگ بھرنے کے لئے بہت اچھی تصویر بنوائی ہے اور ہمیں امید ہے کہ تم بہت دلچسپی سے رنگ بھروگے۔ تتلی کی پوری تصویر کے علاوہ اس کے بعض حصوں کی تصویریں بھی ہیں تم ان میں وہی رنگ بھرو جن کا نام لکھ دیا گیا ہے اور بڑی تصویر کا رنگ بھرتے وقت بھی ان کا خیال رکھو اگر تمھیں کوئی تتلی نظر آجائے تو اسے بھی پکڑ کر اس کے رنگوں کو خوب غور سے دیکھو اور پھر اسی کے مطابق رنگ بھرو۔ یہ تصویر ۱۵ اکتوبر تک آجانی چاہیے تمھاری سہولت کے خیال سے ہم نے اس صفحے کے دوسری طرف کوئی مضمون نہیں لکھوایا ہے اس لئے یہ ورق رسالے میں سے پھاڑ لو۔

---



کوپن

نام ........................ عمر ..................

درجہ .................. استاد یا سرپرست کی تصدیق ..................

# اچھی کتابیں

## بچوں کا قاعدہ

(۱) بچوں کی ابتدائی تعلیم کی دشواریاں (۲) حروف علت کا استعمال (۳) ہم آواز حروف کی مشکلات (۴) تعلیم کو آخر تک دلچسپ رکھنا وغیرہ مسائل کو سمجھتے ہوئے یہ قاعدہ مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت ہر

## رہنمائے قاعدہ

اس میں بچوں کی تعلیم کے متعلق ہدایات اور اُن کو قاعدہ پڑھانے کا طریقہ بتایا گیا ہے ۲ر

## بچوں کی کتاب

یہ باتصویر کتاب قاعدے کے بعد پڑھائی جاتی ہے۔ قیمت صرف ہر

## وا ملیہ

مولینا اسلم جیراجپوری کی دس تاریخی اور ملی نظموں کا مجموعہ۔ یہ نظمیں نہایت ہی نتیجہ خیز اور ولولہ انگیز ہیں۔ قیمت ۳ر

## مسدس حالی یا مد و جزر اسلام

حالی مرحوم کی بہترین قومی نظم۔ اور مسلمانوں کے عروج و زوال کا پر اثر خاکہ قیمت ۸ر

## سیرۃ الرسول

تاریخ الامت کا پہلا حصہ ہے جو طلبہ کے لئے چھپوایا گیا ہے اور اکثر اسلامی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ چھوٹی تقطیع اور قیمت کم یعنی عہر کے بجائے صرف عہ

## خلافت راشدہ

تاریخ الامت کا دوسرا حصہ یہ بھی اسلامی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ چھوٹی تقطیع۔ قیمت صرف ایک روپیہ عہ

## اسلامی تاریخ کی سچی کہانیاں

اس میں مسلمان بچوں اور بچیوں کی تعلیم کے لئے بہترین مفید اور اخلاقی تاریخی کہانیاں جمع کی گئی ہیں۔ دو حصے ۱۲ر

## خادمات خلق

یورپ اور امریکا کی ان پاک سیرۃ خواتین کے حالات جنھوں نے انسانی ہمدردی کے سبب طرح طرح کی تکالیف برداشت کی ہیں ۱۰ر

## مسلمان بیبیاں

اس کتاب میں بڑے پُر اثر انداز میں مسلمان خواتین کے حالات پیش کئے گئے ہیں آج کل لڑکیوں کی تعلیم ضروری ہے لیکن انھیں اسلامی زندگی سے باخبر رکھنا تو اشد ضروری ہے۔ یہ کتاب بچیوں کے لئے ایک نعمت ہے۔ قیمت ۶ر

## بچوں کی نظمیں

نظموں کا یہ انتخاب بچوں کے لئے خاص طور پر کیا گیا ہے اور اس میں شروع سے آخر تک ان کی دلچسپیوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ قیمت صرف ۵ر

## بچوں کے اسمٰعیل

مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی کی نظموں کا مجموعہ۔ یہ سب نظمیں ایسی ہیں کہ بچے انھیں بطور ورد پڑھیں اور حفظ یاد کریں۔ نہایت خوش نما ٹائٹل پیج۔ قیمت ہر

## بچوں کا تحفہ

مولوی شفیع الدین صاحب نیر کی مزیدار نظمیں بارہا پیام تعلیم میں چھپ چکی ہیں اب یہ سب نہایت خوش نما تصویروں اور رنگین ٹائٹل کے ساتھ دو حصوں میں شائع ہوئی ہیں۔ قیمت مکمل سٹ عہ

نوٹ:- بچوں کی کتابوں کی مکمل فہرست مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے طلب کیجیے

# بچّوں کے لئے مذہبی اور تاریخی کتابیں

**عقائد اسلام** بچوں کے لئے یہ دینیات کا اچھا رسالہ ہے قرآن مجید میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسلامی عقائد بیان فرمائے ہیں اسی طرح لکھا گیا ہے - ۱۰ر

**ارکان اسلام** بچوں کو پانچوں ارکان سکھانے کے لئے اختصار کے ساتھ صاف اور آسان زبان میں یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔ قیمت صرف ۱۲ر

**آخری نبی** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر اور آسان زبان میں لکھے ہوئے پاک حالات ۲ر

**ہمارے نبی** سیرت پاک پر چھوٹے بچوں کے لئے مفید اور مقبول کتاب ہے۔ حسن قبول کا یہ عالم ہے کہ اب تک پچاس ہزار چھپ چکی ہے۔ قیمت صرف ۳ر

**آں حضرت** یہ کتاب چھوٹے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے آخری نبی اور ہمارے نبی سے ذرا زیادہ معلومات دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۴ر

**ہمارے رسول** مصنفہ خواجہ عبد الحیٔ صاحب استاد تفسیر جامعہ۔ انگریزی اسکولوں کے چھٹے درجے کے طلبہ کی معلومات کے لئے موزوں ہے اور اکثر محکمۂ تعلیم میں منظور ہے ۵ر

**[illegible]** اس میں حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک، تمام انبیا کے [illegible] زبان میں لکھے گئے ہیں - ۵ر

**سرکار کا دربار** مسلمان بچوں کے لئے نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرۃ۔ قیمت صرف ۸ر

**سرکار دوعالم** اس میں عرب کی جغرافی حالت زمانہ جاہلیت۔ حرم محترم اور [illegible] کے واقعات بیان کئے گئے ہیں سینکڑوں جگہ داخل نصاب ہے۔ ۱۱ چودہ پندرہ برس کے طلبہ کے لئے جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سب سے بہتر ہے۔ قیمت صرف ۸

**چار یار** خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاکیزہ سبق آموز اور ولولہ انگیز حالات ۴

**خلفائے اربعہ** ذرا بڑے لڑکوں کے لئے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم کے حالات مع فتوحات اسلامی - قیمت۔

**اچھی باتیں** قرآن پاک کی ان چھوٹی چھوٹی سورتوں اور آیتوں کا ترجمہ جو اخلاق اور اچھی باتوں سے متعلق ہیں ساتھ تفسیر بھی ہے جس سے مطالب قرآن سمجھنے میں آسانی ہو۔ ۴ر

**چالیس حدیثیں** یہ کتاب بچوں میں اخلاقی باتوں سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس میں چالیس حدیثیں جمع ہیں بچے پڑھیں اور حفظ یاد کریں - ۲ر

**ہمارا دین** جس میں ارکان خمسہ اسلام کی خوبیاں [illegible] ۲ر

نوٹ :- آپ کو کسی کتاب کی ضرورت ہو تو مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کو لکھئے